

# افکار

غالب سمیر

محکمہ تعلیمات کراچی، لاہور، پشاور کوئٹہ راولپنڈی  
اور سبھل جیلڈ کارڈز آرمی اینجو کیل سے منظور شدہ

چاندیے شدہ : ۱۹۳۵ء

تیس منوے، ۴۳۹۹۳

غالب سبیر

افکار

مدیر  
صہبیا لکھنوی  
مروجہ ادب  
کامل القاری

۱۲ روپے	۳۵ شنگ	۱۰ اوالر	۳ روپے
---------	--------	----------	--------

مکتبہ افکار  
راہیے روڈ کواچی

لندن آفس

۱۱۲ - پرنسز اینویو، لندن - این - ڈیوی، پرنسز

”مجھ سے اگر پوچھا جائے  
کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت نے کیا دیا؟  
تو میں بے تکلف یہ تین نام لوں گا:  
غالب - اردو - تاج محل“

(پروفیسر رشید احمد صدیقی)

# گويا دبستان کھل گیا

مہر و شوق سے  
مہر و شرق ہمارا من چنتاں

۱۷	مہیا بھنوی	(اشارویہ)
۲۰	سحر انصاری	مواضعات غائبہ
۳۶	ذکر غائبہ - کھنڈ حالات	حکایت و مآ
۵۵	غائبہ کی ایک نئی تقریر	موقف حین فاضل لکھنوی
۶۲	فارسی کلام	غائبہ
	منظوم ترجمہ	مہر و شوق و خاور
	حبیب الدین علی	عبدالحمید عہد
	حجرت حاضر	شیر افضل حجرت
	حزبہ لدھی لوی	یہاں حیا ہر
	شرقی بن شامی	انور حشر
	حسن اکبر کمال	کمال کا شوق
	شاہین شریف	پیکر فاضل
	خلیل الرحمن اعظمی	آل احمد سرور
	ولادت کرمانی	ڈاکٹر وحید اختر
	آفتاب شمس	شمس یار
	صدا ہائے	مہر و شوق

۸۴	نگار غائب کی معزز مثالیں	مولانا غلام سرور مہر	گوشہ سحر بساط
۹۶	مسائل اسلوب اور بیان غائب	پروفیسر احمد حسن	دستے معانی میں
۱۱۱	دشوار تحریر ہے کہ دشوار ہی نہیں	ڈاکٹر سید محمد رفیع	
۱۱۹	غائب - شاعریت شکن	پیر محمد افضل کاناٹی	
۱۲۹	غائب اور آواز	افتخار احمد صدق	
۱۳۶	غائب بے پشتِ فزل گو	مرشد علی سیاق	
۱۵۲	غائب کا ذہن	عزت احمد	
۱۶۳	غائب کے تین نقاو	صحیح انصاری	
۱۶۸	غائب و ناطق	ڈاکٹر انعام الحق کوش	
۱۷۳	غائب - میری موت	بلقیس جبار	
۱۷۶	میرزا غائب چہ ہوتا اب تو کیا ہوتا	نعتا و فریت	
۱۸۵	سختی پنم	تار، قند و گلشن	غائب کی سچائی
۱۸۷	غائب سے	عزیز تیسری	و خلوام غائب عقیدت
۱۸۸	سایہ شاہ رخ گل	شبنم دیوانی	
۱۸۹	غائب	محسن احسان	
۱۹۰	احسان غائب	عرفانہ عزیز	
۱۹۱	اعتراف	ابوالخیر جگتنی	
۱۹۲	لہذا نہ عقیدت	زہیر جگتنی	
۱۹۳	تقصیر غائب	صبا اکبر اکبر	
۱۹۵	مرزا غائب	احمد مسکین	
۱۹۸	عاصم کلام غائب	ڈاکٹر عبدالرحمن جینوری	محشر خیال
۲۵۷	غائب شکن	میرزا بیگناہ چنگیزی	(منتخب مضامین)
۲۶۵	کوئی جگا دکھ ہم جگا نہیں کیا	پروفیسر رشید احمد صدیقی	
۲۷۳	تقصیر جہنیت	غائب	دستینو
۲۷۷	اردو ترجمہ	دستینو ترجمہ فارسی اشعار اور اردو معنی	
۳۷۸	اخبار غائب	والفربنی عنوان (دلی فیض) کوش انصاری	

سال ۲۳۱ • شمارہ ۲۱۱ - ۲۱۰ • فروری - مارچ ۱۹۶۹ء

مدیر: غفر مہدی بھٹو - مدیر: علی محمد بھٹو - مدیر: راجہ - دفتر: راجہ بھٹو

# اشناسیہ

میر سے اگرچہ بچا جاسے کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت  
نے کیا دیا تو میں بے تحلف یہ حق تسلیم کروں گا :  
غالب ————— اردو ————— آج عمل ہے

پروفیسر مصطفیٰ احمد مدنی کی اس رائے سے آپ کو اتفاق ہو یا اختلاف — لیکن اس حقیقت سے انکار  
ممکن نہیں کہ غالب ایک تہذیبی اکائی کی حیثیت سے ہماری ثقافت، ہمارے ادب، ہمارے تاریخ کی وہ مہتمم بادشاہ  
شخصیت ہیں جن پر معروف برصغیر ہی نہیں ساری دنیا نازاں ہے — پاکستانوں کے شہرے میں تاج محل تو نہیں آسکا،  
لیکن غالب اور اردو کے وہ بھانور پرانے وارث ہیں، اور جب تک کھرگاہ عالم کی نیشنل میں علم و ادب، تہذیب  
و تاریخ اور فن و ثقافت کا خون رواں دواں ہے گا۔ غالب کی عظمت و اہمیت بڑھتی رہے گی، کیونکہ وہ انسانی  
شاعروں میں ہیں جو صدیوں میں انہی پر مبنی تھے۔

فروری ۶۹ء کے آغاز کے ساتھ ہی ساری دنیا میں غالب صدی کی تقریبات شروع ہو گئیں۔ ملکوں ملکوں  
اور شہروں شہروں — غالب کے فن و فن، غالب کی زندگی اور شخصیت اور غالب کے حالات و مسائل پر اجتماعات منعقد  
ہوئے اور ہر ایک نے بقدر ذوق غالب کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، رسائل، سبھی نے  
حیات غالب کو موضوع بنا کر یہ شایع کر دیا کہ غالب کسی مخصوص ملک یا علاقے کے شاعر نہیں تھے ساری دنیا کے دانشوروں  
کا اس پر حق ہے اور وہی ہے گا، اور ان کی مشاعرہ غزل و غزلت اور آفاق فکر سے ہر نفس استفادہ کرے گا۔

افکار ہر سال فروری میں غالب کی یاد دلاتا رہا۔ فروری سنہ ۶۹ء میں میں بھی اس کے گماٹسے غالب کی وفات  
کو سو سال بچے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بہت کم وقت میں مجھے غالب گہر پیش کر کے غالب کو ایک جداگانہ خراج  
تہنیت پیش کیا تھا۔ یہ نمبر گونا گوں خصوصیات کی بنا پر منفرد سے غرض میں منت ہو گیا۔ اب ۶۹ء میں غالب صدی کے آغاز  
پر ہم نے نیا غالب گہر پیش کرنے کا عہد کیا۔ حالات کا کسی کو اندازہ نہ تھا۔ نمبر کا کام آخر جنوری میں شروع کیا۔ لیکن  
پاکستان میں جمہوریت کی تحریک نے جو رخ اختیار کر لیا۔ اس کے نتیجے میں کہیں کچھ بھی شدید طور پر متاثر ہوا۔ بڑے دوڑ  
کا علاقہ جہاں انکار لا دیتے ہیں، ایک ہفتہ کے لئے کرفیو بھیج دیتے ہیں۔ جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو غالب گہر  
پر بھر پور توجہ صرف کی اور اسے شیش کی کہن گوشوں پر کسی کی نظر نہیں پڑی ہے اس کو سمیٹ لیا جائے۔

سوسائ کی طرف مروت گذرنا ہمارے بعد بھی محققین اور نقادان ادب غائب کی زندگی کے لئے گزشتہ کی تلاش میں مصروف ہیں۔ ہمیں بھی خوش نصیبی سے دو رنگ و مستزم شخصیتوں کی دونا و دونا یا اب قریب یہ حاصل ہو گئیں جو اس بنبر کی زینت ہیں۔ اس بنبر میں گیارہ نئے حضامین اور شعراء کے نذرانوں کے علاوہ ہم نے مناسب سمجھا کہ حیات غائب کی تین مستند و معتبر شخصیتوں کی وہ انقلاب آفریں تحریریں بھی اس بنبر میں محفوظ کر دیں، جو مطالعہ غائب میں منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ یہ تو انقلاب بخش یا صرف چند لائبریریوں تک محدود تھیں اور عام لوگوں کی دسترس سے باہر تھیں۔ لہذا ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ بنبروری کا مرکز کہ آیا مقدمہ، لگانا کا غائب شکیں اور پروڈیئر رشید احمد مدنی کا قیمتی مضمون بھی اس بنبر میں شامل کر دیں تاکہ آئندہ نسل اور ناپیاست سے دلچسپی رکھنے والے پاس ان ان گراں مایہ تخلیق سے استفادہ کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم نے کھوج لگایا تو چہ چلا کہ دستیاب کا مستند اور ترجمہ سوسال گذر جانے کے باوجود پاکستان میں کئی صورت میں کہیں نہیں چھپا۔ تاہم شیلیں یا ناقص ترجمے ہیں ضرور ملے۔ چنانچہ بکوشش ہم نے اردو سے ملنے والی کا مستند و مکمل ترجمہ فارسی اشعار کے اضافے کے ساتھ اس بنبر کی زینت بنا دیا تاکہ غائب کی یہ دستاویزی تحریر جو قلم فارسی میں تھی اور عام لوگوں تک نہیں پہنچ سکی تھی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔ دستیابی شمولیت سے اس بنبر کے وزن و وقار میں بڑھانہ ہو جائے اسے تاریخی افکار قریب ہے پیش فرمادیں گے اور ہماری بے نام تجویز اور سامی کی داد دیں گے۔

یہ بنبر آپ کو شہید انقلاب کے بعد موصول ہو گا۔ لیکن اسے ہماری اور حالات کی مجبوری کے بعد کو نظر آنا ضروری ہے اکثر کتب خانہ داروں سے پاکستان کے عوام مجبوریت، آزادی، انصاف اور خوش حالی کے لئے جو جدوجہد کر رہے ہیں، ان میں ہر شخص بلا استیاز شریک ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ملک اس دور اضطراب سے جلد گزر جائے اور عوام کے حقوق انہیں مل جائیں، اور ملک میں عام خوش حالی اور اطمینان کی حفاظت کے لئے تاکہ تخلیق کام کی قدروں سمیت کا احساس پیدا ہو اور ادیب، شاعر، فنکار، دانشور، طلبہ، اساتذہ اور محنت کش طبقہ اپنے اپنے محاذوں پر ملک کی تعمیر کے لئے تھک سہیں فروزاں کر سکے۔ اور اپنے ملک کی سالمیت کو برقرار رکھ سکے۔ عوامی جدوجہد کے بغیر دنیا کے کسی ملک میں تبدیلیاں رونما نہیں ہوئی ہیں۔ اس لئے پاکستان کے مخالفوں کو ہماری سوجھ بوجھ اور اضطراری صورت حال پر غور نہیں کرنا چاہئے کہ ہر جمہوریت کی یہی اساس ہے۔ جن شہیدوں نے جمہوریت کی خاطر جان دی ہیں۔ ہم انہیں سلام کرتے ہیں، اور ایک آواز یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کا خون بھی رائیگاں نہ جائے گا۔

انکار نے تاریخ اجڑائے آج تک فکری انقلاب کو ہی اپنا نصب العین سمجھا ہے اور آئندہ سائنس تک ہم اپنے مقصد کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ خدا ہم سب کو تحفہ، اتحاد اور یقین عظم کی دولت سے مستحق فرمائے۔ آمین!

آخر میں مصروف مشرق عبدالرحمن چغتائی اور تمام رفقاء انکار کا دل مشرک ہے ہم پر واجب ہے جن کے پر غلوں تقاضوں سے ہم غائب بنبر کو اس اہتمام و معیار سے چھپ کر گئے۔

# تماشاۓ گلشن

(واقعاتِ غالب)





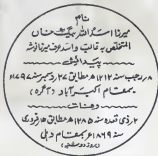
فروری ۶۶ء میں ہجری سن کے مطابق غالب کی وفات کو سو سال پورے ہوئے تھے، اور اس موقع پر برصغیر کی ادبی تاریخ میں صرف "افکار" نے "غالب نمبر" پیش کیا تھا جو گونا گوں خصوصیات اور اپنے مندرجات کی بنا پر ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور پندرہ دن کے قلیل عرصے میں ختم ہو گیا جسے اب ہم کتابی صورت میں مرتب کر رہے ہیں۔

اسی "غالب نمبر" میں "واقعات غالب" پہلے بار "افکار" نے شائع کئے تھے، جنہیں جوں سال ادیب و شاعر سحر انصاری نے بڑی محنت و جہاں فشان سے ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں مرتب کیا تھا اس کوشش کو غالب شمس نے بے حد سراہا اور بعض مفید مشورے دیئے تاکہ یہ اشاریہ زیادہ وسیع اور مستقیم سکے۔ جناب قدرت نقوی جو غالبیات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ہماری مدد پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے قیمتی وقت صرف کر کے کتابت کی مہین غلیظوں کی دوستی کے ساتھ ساتھ چند واقعات کی تصحیح و اضافہ اور حوالہ جات کی تلاش و جستجو فرما کر افکار کے اس اشاریہ کو زیادہ جامع اور مکمل کر دیا جس کے لئے ادارہ افکار دہلی کی گہرائیوں سے ان کا ممنون ہے۔

یہ اشاریہ سال بھر چلے تیار ہو گیا تھا، اس لئے یہ ضروری تھا کہ کتابیات اور حوالہ جات میں نیا اضافہ کر دیا جاتا۔ سو یہ کام خود سحر انصاری نے دوبارہ انجام دیا۔ ہم ان کے بھی ممنون ہیں۔ توقع ہے کہ یہ اشاریہ آئندہ غالب پر کام کر سنے والوں کی ہمیشہ رہنمائی کرے گا۔

(ادارہ)





۱۷۹۹ء — غالب کے برادر قزو میرزا یوسف بیگ کی ولادت۔ غالب از غلام رسول مہر۔ ص ۲۲

غالب سے دور برس چھوٹے تھے۔ اس لئے ۱۸۰۰ء

لڑا نہ بہت ہے)

۱۸۰۲ء — غالب کے والد میرزا عبد اللہ بیگ خان کا راج گڑھی

غالب ۱۶

جنگ میں ٹوٹی تلک سے استعفیٰ ہوا

ذکر غالب: مالک نام ۱۸

۱۸۰۵ء — غالب کے چچا میرزا نصر اللہ بیگ خان کو راولپنڈی کی

غالب ۱۸ اس ذکر غالب ۲۱

سفارش پر سوگ سوسا و متعل آئے، کاپر گنتہ دیا گیا۔

غالب ۱۳۶

۱۶ دسمبر سنہ ۱۸۰۳ء

۱۸۰۶ء — غالب کے چچا میرزا نصر اللہ بیگ خان نے ہاشمی سے

غالب ۱۸ ح ذکر غالب ۳۱

برگروہات پائی۔

۱۸۰۶ء (۲۴ رجب) — لاولڈیک کی تجویز پر ایک سرکاری خطہ جاری کیا گیا۔

غالب ۱۸ ح ذکر غالب ۱۳۶

جس کی رو سے میرزا نصر اللہ بیگ خان کے متعلقین کی

ذکر غالب ۲۲

پہدرش کی ذمہ داری غالب احمد بخش خان پر عائد

کروئی تھی۔

۱۸۰۶ء (۵ رجب) — غالب احمد بخش نے ایک اور خطے کا املا کیا جس کی رو

غالب ۱۳۷ ذکر غالب ۲۲

سے انور لدیہ و جیفہ کی رقم میں تخفیف کروئی۔ غالب

اس شخص کو پہنچ گئے تھے۔

۱۸۱۰ء (مرد مرگست)	غائب اپنی بخش خان معروف کی صاحبزادی اور غائب	غائب ۳۶ - ذکر غائب ۳۴
	امیر بخش خان والی فیروز پور جھک و جائیداد اور ہندو	غائب ۶۱ - غائب نام علانی
	کی جیتی امراتو بیگم سے غائب کی شادی ہوئی	
۱۸۱۱ء	غائب نے آیت و کتابہ الصدوق پر مبنی کایا سے	غائب ۲۴ - ذکر غائب ۲۵
	آگرہ میں درود۔	غائب نامہ ۲۴۔
	غائب نامہ میں سنہ ۱۸۱۰ء لکھا ہے	
۱۸۱۳ء	غائب ۳۱ سے ترک سکونت کر کے وطن آئے۔	ذکر غائب ۳۳ - غائب نامہ ۳۴
	دوران نظام رسول ہر کی تحقیق کے مطابق سنہ ۱۸۱۶ء	غائب از مہر ۳۸
	میں غائب نے ترک سکونت کی۔	
۱۸۲۱ء	اردو دیوان مرتب ہو کر نقش ہوا جو کہ نسخہ حیدر علی	نسخہ حیدر علی ۳۰۵ - غائب نامہ ۳۵۳

## اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن

غائب کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن سنہ ۱۸۳۱ء میں سر سید احمد خاں  
اولیاء کے بھائی سید محمد خاں کے پرانی سید المطالع دہلوی سے شائع ہوا۔

۱۸۲۲ء	نام سے مشہور ہے جس کا انتخاب مروجہ دیوان ہے۔	نسخہ عرض ۱۱۵۳
	غائب احمد بخش خان نے اپنے بڑے لڑکے شمس الدین کو	ذکر غائب ۳۶
	خان کو چنانچہ مقرر کیا۔	
۱۸۲۵ء	بخش کے سیکلے میں غائب والی سے دواغز منہ اندر	ذکر غائب ۶۹
	فیروز پور کاٹ پور، لکھنؤ اور دانہ سے میں کوئی ڈیلاہ	۶ تھا ایڈیشن
	دو سال قیام کیا	
۱۸۲۵ء	پنج ۲ ہنگ کے حصاروں، دوم دسوم کو غائب نے	کیا ت نثر فارسی ۴
	بھرت پور کے سفر میں حسب فرمائش علی بخش خان	ذکر غائب ۶۹
	درجہ تخریر کیا۔	
۱۸۲۶ء	غائب نے اپنے دیوان کا انتخاب کیا جو نسخہ شیراز	نسخہ عرض ۱۱۵
	کہا ہے۔	

- ۱۸۲۶ء غائب کے خسر قباب الہی بخش خان معروف قسٹ کا غائب ۳۷ اشتغال ہوا۔
- ۱۸۲۶ء فروری دھرم کی گدی مجلس الدین احمد خان کو ملی اور قباب احمد بخش خان کو مشر بنائیں ہو گئے۔
- ۱۸۲۷ء (اپریل) دہلی سے دو بار سفر ہوا نہ ہوئے
- ۱۸۲۷ء (۲۶ مارچ) لکھنؤ پہنچے معتد الدولہ آغا میر کے نام ایک ترخٹیل پر ۲۲ محرم تاریخ ثبت ہے۔
- ۱۸۲۷ء (اکتوبر) قباب احمد بخش خان کی جائگہ سے دست کشی اور گڈوٹیشن کے عالم میں انتقال۔
- ۱۸۲۷ء (دسمبر) غائب بنارس سے کلکتہ کو روانہ ہوئے غائب ۱۰۳
- ۱۸۲۸ء (۲۰ فروری) غائب کلکتہ پہنچے خطاب نام محمد علی خان کلیات کیابت شریعت ۱۶۶ - غائب ۱۰۵

## فارسی دیوان کا پہلا ایڈیشن

سنہ ۱۸۲۵ء میں غائب نے فارسی دیوان پہلی بار طبع دارالاسلام دہلی سے شائع ہوا اس کی ترقیب و تصحیح کا کام قباب فیض الدین احمد خان نے سوانح نامہ دیا

- نفر ۱۶، سرشبہ چارم شبانات، مالک نام نے ۱۹ فروری شیخ اکرام نے ۲۰ فروری میر ملا مہر نے ۲۱ فروری لکھی ہے لیکن ص ۲۰ فروری ہے جو ۳۲ شبانات سنہ ۱۲۴۳ھ روز شنبہ کے منطبق ہے۔
- ۱۸۲۸ء اولی معرکہ کلکتہ۔
- شہزادی و مخالفت لکھی۔
- ۲۹ - ۱۸۲۸ء ترقیب علی رضا حبیب فرمائش مولوی سراج الدین احمد۔
- ۱۸۲۹ء (دسمبر) غائب کی کلکتہ سے روانگی
- ۱۸۲۹ء (۲۰ نومبر) غائب کلکتہ سے واپس دہلی پہنچے۔
- ۲۹ مارچ نومبر غائب نامہ و غائب
- ۳۳ - غائب ۳۳ - غائب ۳۶
- ۲۰ فروری سنہ ۱۲۹۳ھ غائب کاراچہ
- فرنگ ازبید قدرت نقوی ص ۲۲
- غائب ۱۱۵ - غائب نامہ ۷۷
- ۳ - غائب ۳
- ۱۳۱ - غائب ۱۱۵
- غائب ۱۱۳ - غائب نامہ ۷۹
- غائب ۱۲۳
- غائب ۱۲۲ - غائب ۳۵
- غائب نامہ ۸۰

۱۸۳۰ء (دہلی) فرانسس ہاکنس ریجنٹ ٹنٹ دہلی نے غائب کے خلاف غائب ۱۵۷ء  
ریفرنس کی۔

۱۸۳۰ء (دہلی) غائب کے حدود و مشاغل کا انتقال ہوا غائب کا نمبر ۸۱

۱۸۳۰ء (دہلی) جمل شہر پٹنہ کی تصدیق کے لئے سرکارِ عالم و جہاں  
سکرٹری حکومت ہند کے پاس کاغذات لئے سرکار غائب کا نمبر ۸۱ -  
بالکھنے شہر کی تصدیق کی گئی۔ اصل ہے۔

۱۸۳۱ء (دہلی) غار ڈولیم بینک نے غائب کے دعوے کو مسترد کر دیا۔ غائب کا نمبر ۵۰ - غائب کا نمبر ۸۱ - غائب ۱۶۲

۱۸۳۱ء (دہلی) غائب ٹیس الدین احمد خان نے غائب کی پٹنہ دکن بند غائب کا نمبر ۳۷

کردی اور بیچ غائب کا دفتیر ہوا۔ غائب ۱۶۸ ع ۱۶۹

۱۸۳۲ء اردو دیوان کا انتخاب جو نوٹ رام پور کیا گیا ہے۔ غائب نوٹ فرسٹ ۸۳

## اردو مکتوبات کا پہلا ایڈیشن

غائب کے اردو مکتوبات کا پہلا ایڈیشن، عہد ہندی کے نام سے ۲۷ اکتوبر  
سنہ ۱۸۹۸ء کو مطبع مجتہد میرٹھ سے بہ اہتمام مغلنی ممتاز علی حناں  
میرٹھ شائع ہوا۔ زعمود ہندی کے آخر میں ۱۰ درجے سنہ ۱۲۸۵ھ ثبت  
ہے۔ ۲۷ اکتوبر سنہ ۱۸۹۸ء کے مطابق ہے۔

۱۸۳۳ء (دہلی) غائب ٹیس الدین احمد خان سے وراثت کا مقدمہ جیتا غائب کا نمبر ۵۲ -

امین الدین احمد خان و ضیاء الدین احمد خان روایت  
لوا دو سے فی رستن قرار دیئے گئے۔ غائب آئیکے  
طرف دیکھئے۔

۱۸۳۳ء (دہلی) غائب امین الدین خان روایت لوا دو کے مقدمے غائب کا نمبر ۵۲ - غائب کا نمبر ۸۳  
کے سلسلے میں کئے گئے، غائب نے احباب کو سفارشی  
خطوط لکھے۔

۱۸۳۵ء (دہلی) غائب کے خلاف ایک مقدمے میں ڈگری ہوئی جس کی غائب کا نمبر ۵۲ - غائب کا نمبر ۵۹  
وجہ سے قاضی نشین اختیار کی۔ غائب ۵۹

۱۸۳۵ء (دہلی) ولیم فریڈرک ریڈنٹ دہلی کا غائب ٹیس الدین احمد خان غائب کا نمبر ۳۸ - غائب کا نمبر ۵۱

- غالب نامہ ۳۸
- ۱۸۳۵ ع (۱۲۰۱ ہجری) ، غالب ٹپس الدین خاں کی قتل کے الزام میں گرفتاری۔
- ۱۸۳۵ ع (۱۲۰۳ ہجری) ، غالب ٹپس الدین احمد خاں کی گرفتاری کے دو ماہ بعد
- غالب نے گرفتار گروہ والے آپاد کو مفصل معاملات و
- حالات پیش پر مبنی ایک درخواست دی
- ۱۸۳۵ ع (۱۲۰۳ ہجری) ، فارسی کاویان - میخانہ آرزو مسرا انعام - مرتب ہونا
- شروع ہوا۔
- ۱۸۳۵ ع (۱۲۰۳ ہجری) ، غالب ٹپس الدین احمد خاں کو کٹھیری دروازے کے پلیر
- پچانسی پر منگایا گیا۔
- ۱۸۳۵ ع (۱۲۰۳ ہجری) ، غالب کی پیش جو فیروز بدر جگر کی ریاست سے
- ۳۷

## غالب کی چند قیام گاہیں

غالب نے اپنی ذاتی مکانات فروخت کرنے کے بعد مکانات عسکر کوٹے کے مکانات میں رہے

کسی میں ۵۰ سالہ کسی میں ۴۰ سالہ ، کسی میں ۸ سال ، ۲۰ سال کے جن مکانات میں انہوں نے

رہائش اختیار کی ان میں کالے صاحب کی حویلی ، حکیم محمد حسن خاں کا مکان ، حکیم

محمد خاں کا مکان خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ جن کا مرزا غالب نے اپنے خطوں میں

بھی ذکر کیا ہے۔

ملک حق ، بڑا رہی ، غالب ٹپس الدین احمد خاں کو پچانسی

دیکھ جانے کے بعد انگریزی خزانے سے جاری ہوئی ۔

۱۸۳۵ ع (۱۲۰۱ ہجری) ، غالب نے لفٹنگ گورنر کے پاس ایک درخواست میں

خفیہ اور پیش کے متعلق دی

۱۸۳۶ ع (۱۲۰۳ ہجری) ، غالب نے لارڈ آف کلینٹ کے پاس دو درخواستیں بھیجیں

میں میں مقدمے کی مفصل روداد تحریر کی ۔

۱۸۳۶ ع (۱۲۰۳ ہجری) ، لفٹنگ گورنر نے غالب کی درخواست کا فیصلہ ان کے

خلاف کیا۔

۱۸۳۶ ع (۱۲۰۳ ہجری) ، غالب نے مقدمہ صدر دیوانی یا کورٹ آف لارڈز کے

پاس بھیجے کی درخواست دی۔

۱۸۳۶ء (۲۵ دسمبر) غالب کو جناب مگر شہارے کا خدات ولایت بھیجے  
جانب ۵۸ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۵۸

۱۸۳۶ء (۲۶ دسمبر) غالب نے گورنر جنرل کو تین مطالبات پر مزید وظائف  
جانب ۵۸ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۵۸

۱۸۳۷ء (۱۰ دسمبر) غالب کے مقدمے کے کاغذات *Alidance* - ناسی جاز کی ڈاک میں  
جانب ۵۸ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۵۸

۱۸۳۷ء (۲۶ دسمبر) غالب نے شمس الدین احمد کے عہد کی بقیہ پیشگی کے  
جانب ۱۶۹ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۳۷

۱۸۳۷ء (۲۶ دسمبر) بیگم غالب - اپنے بھائی خلیفہ کے لئے درخواست دی  
جانب ۱۶۹ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۳۷

۱۸۳۷ء - ۳۸ء دیوان فارسی کی ترتیب مکمل ہوئی  
کلیات نشر ۶۸ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۳۷

## غالب، اسٹیج پر

”غالب ہندو روڈ پر، پاکستان کے ممتاز لادیب خواجہ معین الدین کے  
مشہور ڈرامہ ”جو کراچی میں“ اسٹیج ہو کر کافی مقبول ہوا۔ موضوع  
احمد پٹیل کش کے اعتبار سے اسے سچا چھوٹی اسٹیج ڈرامہ آج تک نہیں لکھا گیا۔“

۱۸۳۹ء (۲۵ دسمبر) دیوان اردو کا انتخاب عمل میں آیا۔  
ذکر غالب ۱۳۱ - نشر و نشر

۱۸۳۱ء (۲۶ دسمبر) غالب کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن مطبع سید المظہر  
نشر و نشر ۱۱۵ - ذکر غالب ۱۳۱

۱۸۳۲ء دیوان لکھی پورہ ضری کے لئے غالب کا انتخاب ہستی  
جانب ۳۹ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۳۹

۱۸۳۲ء اس واقعہ کا سن ۱۸۳۰ء لکھا ہے  
جانب ۳۹ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۳۹

نشر و نشر ۱۱۵ - ذکر غالب ۱۳۱

۱۸۳۲ء غالب کے خلاف کورٹ آف لاء وکٹرز لندن نے فیصلہ کیا  
جانب ۵۸ - ۱۷۷۰ء ذکر غالب ۵۸

اس کے خلاف ملکہ وکٹوریہ کے اہل بطور اپیل میو ریل  
ادمال کوٹ کے لئے گورنر جنرل کو بھیجا۔

۳۴ - ۱۸۳۲ء	غالب کو جیلدار ڈاکٹر برادر پارسی دوسری تفسیر کی نشست کے علاوہ خلعت کا اعزاز بھی ملا	ذکر غالب ۵۹ و ۶۰
۳۴ - ۱۸۳۴ء	غالب نے چٹن کے محقرے میں بائبل مایوس ہو کر قاضی اختیار کر لی	غالب ۱۵۱ ذکر غالب ۵۸
۳۵ - ۱۸۳۵ء	غالب کا فارسی دیرانی مطلع دہا اسلام دہلی سے پہل مرتبہ شائع ہوا۔	ذکر غالب ۱۲۵ غائب ۳۰-۹
۳۶ - ۱۸۳۶ء	دعائے اردو کا دوسرا ایڈیشن مطلع دہا اسلام دہلی سے شائع ہوا۔	ذکر غالب ۱۳۲ - تفسیر غرضی ۹۶
۳۶ - ۱۸۳۶ء	قادر باؤسی کے الزام میں غالب کی گرفتاری اور کنویر وزیر علی کی عدالت سے چھ ماہ کی قید اور دوسرے پے برمانے کی سزا۔ (ذکر غالب ۱۳۲) (ذکر غائب ۶۳)	ذکر غالب ۶۲ غائب ۱۸۱ دہلی کا آخری ماسٹری ۱۵۱

## غالب، پردہ ریمیں پر

بھارتی کے مشہور ہدایت کار سہراپ مودی نے پہلی بار غالب کو غلام غالب میں پیش کیا۔ غالب کے نام سے پاکستان کے ممتاز فلمی اداکار شاہد حاشمی نے بھی فلم تیار کی۔ دوروں قلبیں واقعات غلطیوں کے ہوجھوکانے مقبول ہوئیں۔

۳۰ - ۱۸۳۰ء	ذکر غالب، سہراپ مودی نے بھارتیہ	ذکر غالب ۳۰
۳۱ - ۱۸۳۱ء	فرانکافرنس ۲۵ مئی ۱۸۳۱ء کو لکھی ہے۔ مکاتیب	غائب ۱۰۳
۳۱ - ۱۸۳۱ء	دینا چو۔	غلام حاشمی ۲۶۳
۳۱ - ۱۸۳۱ء	۱۵ مئی ۱۸۳۱ء کو مطابق ۳۱ مئی ۱۸۳۱ء کو دہلی سے سبھی اسماعیلہ کو غیر بھیجی گئی اس نے واقعہ مئی کے ہفتہ شائع کیا ہے۔	ذکر غالب ۶۳ - غائب ۱۸۳
۳۱ - ۱۸۳۱ء	سولی سرحدیہ بھٹرنے کے تھی	ذکر غالب ۴۱ -
۳۱ - ۱۸۳۱ء	باغی علی غاں کامل فرزند زمین العابدین غاں عارف کی پیدائش	ذکر غالب ۱۵۲ (چرخہ ایڈیشن)





سحر نقاری	افکار غالب نمبر	واقعات غالب
۱۸۵۰ء	غازی میں خط و کتابت تقریباً ترک کر کے اردو میں خط و لکھن شروع کئے۔	ڈاکٹر غالب ۲۰۳ ذکر غالب ۱۳۴
	ذکر غالب ۱۸۴۸ء۔ غالب ۱۸۵۰ء سے قبل دہلی کا آخری خط ۱۸۶۳ء میں نام غلام بابا شمولی پرچہ ۲ ہنگ ہے جس میں ۲۵۳-۱۰ دو کا خط سنہ ۱۸۴۸ء اور تاورات (دیباچہ ص ۲۷)	غالب ۳۹۷
۱۸۵۱ء (مارچ)	غالب نے مہر خیر زکا وہ حصہ میں میں تیرہ سے پہلے لونا کی کے حالات بھی مکمل کیا۔	تاورات غالب ۵۶
۱۸۵۱ء (دسمبر)	مشہر زادہ جواں بخت کے سہیلے کا واقعہ، جواب میں فوق کا سہرا، غالب کا مستندت نامہ۔	غالب حصہ ۱۱۷
	دہلی اور دہلی کی اشاعت ۲۸ مارچ سنہ ۵۲ میں یہ سب کلام چھپا۔	نگارام پور بابت جملہ سنہ ۶۳ء
۱۸۵۲ء (دسمبر)	زمین الیادین خاں عارف کا انتقال	ذکر غالب حصہ ۱۰۸۔ غالب ۶۳۔ تاورات غالب ۱۶۸۔ غالب حصہ ۱۱۹
۱۸۵۲ء (۱۲ مئی)	حکیم مومن خاں مومن کا انتقال	تاورات غالب حصہ ۲۴۔ غالب نامہ ۱۱۹
۱۸۵۲ء	کالے صاحب کے مکان کو چھوڑ کر دہلی میں عیال حکیم مومن خاں میں آئے۔	غالب ۸۲
۱۸۵۲ء (جولائی)	حضرت اکرم سے لے کر چہ بیگز خاں تک کے حالات مہر خیر زکا میں لکھے۔	تاورات غالب ۵۷۔ متن ۳۵ ذکر غالب ۱۱۹
۱۸۵۲ء	دیباچہ اشاعت ثانی میں دواستلام دہلی میں ہوئی	ذکر غالب ۱۱۷
۱۸۵۳ء (جنوری)	غالب نے بابوشاہ کی طرف سے شہری کلات طیبات لکھی میں میں شاہ کے شیدہ ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔	تاورات غالب دیباچہ ۹۳۔ متن ۵۰
۱۸۵۳ء (اکتوبر)	مہر خیر زکا میں جنوں اور عید پر نکالے قصیدہ اس کا مسودہ نذر کیا۔	ذکر غالب ۱۱۹ تاورات متن ۶۳
۱۸۵۳ء	مرزا قزوینی عہد بہادر شاہ نے غالب کی شاعری اختیار کی	ذکر غالب ۶۹
۱۸۵۳ء (۱۶ دسمبر)	استاد شاہ شیخ محمد علی قزوینی نے انتقال کیا۔	تاورات متن ۶۸
	غالب نامہ ۱۲۱ میں ۱۶ اکتوبر لکھا ہے	ذکر غالب ۶۹

۱۸۵۳ء	غالب استاد بہادر شاہ ظفر مقرر ہوئے	ذکر غالب ۶۹ - غالب نامہ ۱۳۱ - یادگار ۲۶
۱۸۵۵ء	مہر نیرنگ کی مجلس خیر المصطفیٰ دہلی سے اشاعت	ذکر غالب ۱۳۰ - ثانویات متن ۷۰
۱۸۵۵ء	بہلول غالب ذاب یوسف علی خاں نائم شاگرد ہوئے	خطوط غالب ۳۲۷
۱۸۵۶ء (فروری)	جامعہ علی شاہ کی سلطنت اودھ سے معزول	ذکر ۶۹ - غالب نامہ ۱۳۱
۱۸۵۶ء (جولائی)	مرزا فتحزادہ محمد سلطنت شاگرد غالب کا استعفا	ذکر ۶۹
۱۸۵۷ء (جنوری)	رسل برکفہ لندن سے بذریعہ خط اطلاع دی کہ بہر	کلیات نثر ۳۹۵
	حقیقت نگار و کشمیریہ کی طرف سے غفلت اور اعزاز	غالب نامہ ۱۲۷

## دیوان غالب (اردو) کے چند اہم نسخے

۱ - دیوان غالب	مستاد	۱۰ - دیوان غالب	ملک رام
۲ - دیوان غالب جدید	شجرہ حمید	۱۱ - دیوان غالب	مرشد رام پوری
۳ - دیوان غالب	ظاہر علی علی	۱۲ - دیوان غالب	
۴ - دیوان غالب	نظامی ایڈیشن	{ دیوانی رسم الخط میں } { اردو و دیوانی ترکیبی }	
۵ - مرثیہ غالب	مصور عبدالرحمن چشتی		علی مزار
۶ - نقوش چشتی		۱۳ - دیوان غالب	مصور آفریدی
۷ - دیوان غالب	مصور عبدالرحمن چشتی	۱۴ - دیوان غالب	مصور حنیف رائے
۸ - دیوان غالب	مکتبہ ایڈیشن	۱۵ - دیوان غالب	صحت از حسین
۹ - کلام غالب	دیوان ایڈیشن، ڈاکٹر فاروقی	۱۶ - دیوان غالب	خطام رسول مہر
	جلیل قدوائی	۱۷ - مرثیہ غالب	پرستوی چمنند

دیا جائے گا۔

خطوط غالب ۳۲۶

۱۸۵۷ء (۵ فروری)	غالب یوسف علی خاں نائم شاگرد ہوئے۔	مکاتیب دیباچہ ۷۹
۱۸۵۷ء (۱۱ مئی)	دہلی میں ہنگامہ نقوش و غارت گری (خوردگی) کا ابتداء۔	ذکر غالب ۷۹ - غالب ۱۲۹
۱۸۵۷ء (دسمبر)	خود کے بعد دہلی پر انگریزوں کا قبضہ	کلیات نثر غالب ۳۸۲
	غالب ۱۳ - مہر و مرثیہ ملک رام ۸ - برہنہ	کلیات نثر ۳۸۸ - غالب ۲۵
۱۸۵۷ء (۵ دسمبر)	انگریزوں کا دیوار چھانڈ کر غالب کے گھر میں کودنا۔	ذکر ۷۹
		غالب ۲۵۲



چوپنگے - دامام پر سکے (ایچ)

خطوط غالب ۱۸۲ - ۳۸۹

۱۸۹۱ - (۳۳۲) - خور کے جنگلے میں پتھر پڑانے والی فٹنہ جاری ہوئی

مکاتیب و صحاح ۶۱

اور لکھا یا ملا۔

۱۸۹۱ (۵۵۵) - اکتوبر - قاضی برکات کی تکمیل

ماہ نو، فروری سنہ ۱۲۶۶ھ

خطوط غالب ۱۸۸ و ۲۹۸

۱۸۹۲ (۱۶۲) - قاضی برکات مبلغ نو لکھنوی محکمہ میں چھپی

ماہ نو، فروری سنہ ۱۲۶۶ھ

خطوط غالب ۱۲۷ - ۵۵۱

۱۸۹۲ (۱۶۲) - اردو دریائے کلہا پور تھانہ ایڈیشن

سنہ ۱۲۶۶ھ

خطوط غالب ۱۳۳

مبلغ نظامی کا پتھر میں چھپا

۱۸۹۲ (۱۶۲) - مولانا فضل حق خیر آبادی کا بزم ائمہ ایمان میں انتقال

خطوط غالب ۳۳۵

## مترجمین غالب

- پروفیسر احمد حسن (انگریزی) • ہادی حسین (انگریزی)
- صوفی سدید احمد • عبدالرحمن طاہر سودی (عربی)
- صوفیہ سعد اللہ • رفیق خاور (فارسی و فارسی)
- ملافتہ دہلوی • ڈاکٹر ملیح آبادی (پنجابی)
- خورشید الاسلام • دشا د کلانچوی (پنجابی)

۱۸۹۲ (۱۶۲) - بہادر شاہ ظفر نے بھارت فیر دہلی میں انتقال

خطوط غالب ۳۰۶

کیا۔ (مالک دام ۱۲ فروری)

خطوط غالب ۶۹

۱۸۹۳ (۱۶۳) - سر رابرٹ منٹگمری لکھنؤ گورنر پنجاب بنے غالب کو

خطوط غالب ۹۳ - ۸۹

خدمت دیا۔

خطوط غالب ۳۲۹

۱۸۹۳ (۱۶۳) - غالب نامہ میں غلط ہے

مکاتیب غالب ۱۶۳، غالب ۳۱۸

۱۸۹۳ (۱۶۳) - مفید خلائق آگرہ میں اردو دریائے کلہا

سنہ ۱۲۶۶ھ

خطوط غالب ۱۳۳

پانچواں ایڈیشن چھپا

خطوط غالب ۸۸، غالب نامہ ۲۴

کلیات نظم فارسی کی

۱۸۹۳

مبلغ نو لکھنوی کے اشاعت

خطوط غالب ۱۲۶

غائب ۱۱	ذکر غائب : مئی جون؟ خطوط ۲، ریشتر کو غائب کوٹلا	غائب ۱۱
غائب ۱۲	غائب ۱۲ : ذکر ۱۲، خطوط ۹۲	غائب ۱۲
غائب ۱۳	غائب ۱۳ : ذکر ۱۳، خطوط ۹۲	غائب ۱۳
غائب ۱۴	غائب ۱۴ : ذکر ۱۴، خطوط ۹۲	غائب ۱۴
غائب ۱۵	غائب ۱۵ : ذکر ۱۵، خطوط ۹۲	غائب ۱۵
غائب ۱۶	غائب ۱۶ : ذکر ۱۶، خطوط ۹۲	غائب ۱۶
غائب ۱۷	غائب ۱۷ : ذکر ۱۷، خطوط ۹۲	غائب ۱۷
غائب ۱۸	غائب ۱۸ : ذکر ۱۸، خطوط ۹۲	غائب ۱۸
غائب ۱۹	غائب ۱۹ : ذکر ۱۹، خطوط ۹۲	غائب ۱۹
غائب ۲۰	غائب ۲۰ : ذکر ۲۰، خطوط ۹۲	غائب ۲۰
غائب ۲۱	غائب ۲۱ : ذکر ۲۱، خطوط ۹۲	غائب ۲۱
غائب ۲۲	غائب ۲۲ : ذکر ۲۲، خطوط ۹۲	غائب ۲۲
غائب ۲۳	غائب ۲۳ : ذکر ۲۳، خطوط ۹۲	غائب ۲۳
غائب ۲۴	غائب ۲۴ : ذکر ۲۴، خطوط ۹۲	غائب ۲۴
غائب ۲۵	غائب ۲۵ : ذکر ۲۵، خطوط ۹۲	غائب ۲۵
غائب ۲۶	غائب ۲۶ : ذکر ۲۶، خطوط ۹۲	غائب ۲۶
غائب ۲۷	غائب ۲۷ : ذکر ۲۷، خطوط ۹۲	غائب ۲۷
غائب ۲۸	غائب ۲۸ : ذکر ۲۸، خطوط ۹۲	غائب ۲۸
غائب ۲۹	غائب ۲۹ : ذکر ۲۹، خطوط ۹۲	غائب ۲۹
غائب ۳۰	غائب ۳۰ : ذکر ۳۰، خطوط ۹۲	غائب ۳۰
غائب ۳۱	غائب ۳۱ : ذکر ۳۱، خطوط ۹۲	غائب ۳۱
غائب ۳۲	غائب ۳۲ : ذکر ۳۲، خطوط ۹۲	غائب ۳۲
غائب ۳۳	غائب ۳۳ : ذکر ۳۳، خطوط ۹۲	غائب ۳۳
غائب ۳۴	غائب ۳۴ : ذکر ۳۴، خطوط ۹۲	غائب ۳۴
غائب ۳۵	غائب ۳۵ : ذکر ۳۵، خطوط ۹۲	غائب ۳۵
غائب ۳۶	غائب ۳۶ : ذکر ۳۶، خطوط ۹۲	غائب ۳۶
غائب ۳۷	غائب ۳۷ : ذکر ۳۷، خطوط ۹۲	غائب ۳۷
غائب ۳۸	غائب ۳۸ : ذکر ۳۸، خطوط ۹۲	غائب ۳۸
غائب ۳۹	غائب ۳۹ : ذکر ۳۹، خطوط ۹۲	غائب ۳۹
غائب ۴۰	غائب ۴۰ : ذکر ۴۰، خطوط ۹۲	غائب ۴۰
غائب ۴۱	غائب ۴۱ : ذکر ۴۱، خطوط ۹۲	غائب ۴۱
غائب ۴۲	غائب ۴۲ : ذکر ۴۲، خطوط ۹۲	غائب ۴۲
غائب ۴۳	غائب ۴۳ : ذکر ۴۳، خطوط ۹۲	غائب ۴۳
غائب ۴۴	غائب ۴۴ : ذکر ۴۴، خطوط ۹۲	غائب ۴۴
غائب ۴۵	غائب ۴۵ : ذکر ۴۵، خطوط ۹۲	غائب ۴۵
غائب ۴۶	غائب ۴۶ : ذکر ۴۶، خطوط ۹۲	غائب ۴۶
غائب ۴۷	غائب ۴۷ : ذکر ۴۷، خطوط ۹۲	غائب ۴۷
غائب ۴۸	غائب ۴۸ : ذکر ۴۸، خطوط ۹۲	غائب ۴۸
غائب ۴۹	غائب ۴۹ : ذکر ۴۹، خطوط ۹۲	غائب ۴۹
غائب ۵۰	غائب ۵۰ : ذکر ۵۰، خطوط ۹۲	غائب ۵۰

ص ۱۴۲، احوال غالب ۱۴۲

ازاد حیثیت عرفی کا دعویٰ

۱۸۶۸ء (جنوری) کلیات نثر فارسی کا پہلا ایڈیشن مطبع ذکثر و مکثور

ذکر غالب ص ۱۹۱

پرستش ایضاً

سے شائع ہوا۔

۱۸۶۸ء (۲۱ مارچ) اردو کی آخری نزل مسب ذرا نثر غالب امین الدین

نغمہ مکاتیب نمبر

خالی تھیں۔

۱۸۶۸ء (۲۳ مارچ) معتمد ازاد حیثیت عرفی کے دست برداری

اردو سہ ماہی اپریل ۱۸۶۸ء ص ۱۴۲

## غالب پر چند خاص نمبر

- ۱۔ منکا و مکثور غالب نمبر ۱۹۲۸ء مرتبہ ۱ صبا ہادی آہستہ
- ۲۔ علی غرڑہ میگزین غالب نمبر ۱۹۴۹ء \* فتا رالدین آرزو
- ۳۔ آج کل دہلی غالب نمبر ۱۹۵۹ء \* عرش ملیانی
- ۴۔ اردوئے معلیٰ دہلی غالب نمبر ۱۹۶۰ء \* خواجہ احمد فاروقی
- ۵۔ نگار پاکستان کراچی غالب نمبر ۱۹۶۱ء \* ضیا زینت پوری
- ۶۔ تحریک دہلی غالب نمبر ۱۹۶۱ء \* گوپال منٹ
- ۷۔ انکار کراچی غالب نمبر ۱۹۶۶ء \* صبا ہادی

دس ہجری کے مطابق غالب کی بدست آمد پر ہی ہے

- ۸۔ ماہ نو کراچی ۱۹۶۹ء \* ادیب
- ۹۔ فروغ اردو مکثور ۱۹۶۶ء \* محمد حسین شمس الدین عظیم عبد القوی دیکھا
- ۱۰۔ صحیفہ لاہور ۱۹۶۶ء \* ڈاکٹر وحید قریشی
- ۱۱۔ الشجاعت کراچی ۱۹۶۶ء \* امین الدین فیاض الدین سلمان کارشد
- ۱۲۔ اردو سہ ماہی کراچی ۱۹۶۶ء \* جمیل الدین حالی - مشفق خواجہ
- ۱۳۔ قومی زبان کراچی ۱۹۶۹ء \* " " " "
- ۱۴۔ محفلش لاہور ۱۹۶۹ء \* سیف زلفی
- ۱۵۔ جہا اردو ڈائجسٹ دہلی ۱۹۶۹ء \* ادارہ
- ۱۶۔ مشعل دہلی ڈائجسٹ دہلی ۱۹۶۹ء \* " " " "
- ۱۷۔ نگار پاکستان کراچی ۱۹۶۹ء \* ڈاکٹر فرمان فتح پوری

ذکر ۱۱۵۰، احوال غائب ۱۳۲	وہ مقامات غائب
ذکر ۱۳۵، مکتب دیباچہ ۲۳۳	ذکر ۱۸۶۸، ۱۸۶۹ (۲۷ راکٹر)
عزیز صوفی آخر، غائب ۳۰۲	دہرہ راکٹر، غائب ۱۳۰۲، ۲، رحیب، مائیتی، مارویہ
غائب نامہ ۱۹۴	۲۷ راکٹر، کجک، ۲۷ راکٹر
غائب نامہ ۲۰۱، ذکر غائب ۱۰۵	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
مکتب ۲۷، دیباچہ غائب ۳۳۸	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
یادگار، غائب ۱۳۲	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
ذکر ۱۳۷، غائب نامہ ۱۹۳	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
مکتب ۲۳۹	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
ذکر غائب ۱۱۳، مکتب دیباچہ ۷	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
غائب نامہ ۲۰۵	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
ذکر ۱۲۸	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
مکتب کل، ۱۵ راکٹر، ۱۹۳	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
ذکر غائب ۱۳۳	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
ذکر ۱۱۱	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
مکتب دیباچہ ۹	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
ذکر غائب ص ۱۵۶ (چھٹا، ۱۵۶)	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر
غائب ص ۶۹	۲ راکٹر، قدر ۱۲۸۵، حوٹان، ۲ راکٹر، ۲ راکٹر

## گنجینہ معنی

سید ذہلی کتبوں کے نام غائب کی مخصوص ترکیب اور اختراعات پندی کے راجہ مشتاق

(۲)

(۱)

محشر خیال

ذکر مرآت

ہے آدی ہمیں خدا کے محشر خیال  
ہم انہیں کہتے ہیں غلوت ہی کیوں نہ ہو

تیرا خدا تو سنی مشائخ و اہل  
تیسری دنیا پر تم جہنم ہی جہنم



(۳)

گنجھرائے غم سے مایہ — رشید احمد مدنی  
مقدور ہوتے خاک سے پتھر کی گتے  
ٹوٹے وہ گچ اسے گمان مایہ کیا کتے

(۳)

نقشِ خریبا دس — فیض احمد فیض  
نقشِ خرابی ہے کس کی طوخیِ خسریہ کا  
کاغذ ہے پر ہن ہر سیکر تصویر کا

(۵)

دستِ شہیدِ سنگ — فیض احمد فیض  
دھڑائے غرقاری و پیرری الفت  
دستِ شہیدِ سنگ آمدہ پانہ دھکے

(۶)

منفرد کے خداوند — سعادت حسن منٹو  
کیا وہ نمرود کی مشدائی تھی  
بشدت میں مرا بھلا نہ ہما

(۷)

لازخِ سنگ — سعادت حسن منٹو  
سرکھیا ہے جہاں زخمِ سراپا ہر مائے  
لازخِ سنگ با نوازِ تقریب نہیں

(۸)

گو یاد بہشت کھل گیا — چودھری محمد علی بدو لوی

(۹)

دور و رس کی جانِ دانش — محمدرضا صدیقی  
دنگلانی استرا و نسکی کے ناول کا اردو ترجمہ  
قد و گیسو میں قیس و کوہ کن کی آزمائش ہے  
جہاں غم ہیں وہاں حاد و رس کی آگِ نعل ہے

(۱۰)

سختے تلے گھٹن — کلیم الدین احمد  
بیادیدِ گرامی جاو و زبانِ دانستہ  
فریبِ شہرِ سخن اسے لکھتی دارد

(۱۱)

آکھٹے ہیاں میری — رشید احمد صدیقی  
کیا جہاں کو کہ مراد و یوں گے یاد  
نثرِ آکھٹے جہاں میری

(۱۲)

غائب نامِ آدم — نادر سید نور  
غائب نامِ آدم نامِ دنِ خمِ پیرس  
ہم اسما اللہیم و ہم اسما للہیم

(۱۳)

چشمِ ننگِ راز — عزیز حامد مدنی  
نہجِ کشودند و لہجہ ہر سہرا کیم بستہ  
دل و دہر و دہ و چشمِ نوازِ نامِ دادند

تو اور آرائشی عیش کا کل

یہ اور اشریفہ ہائے دور و زمانہ

(۲۰)

مشہور آرزو ————— باستر مہدی

(۲۱)

ماستیم یکے مشہور آرزو ————— عبدالعزیز عثمانی

اب میں ہوں اور عاقبت یک شہر آرزو

قرآن مجید نے آئینہ نشان وار تھا

(۲۲)

ورقے ناخواندہ ————— عبدالعزیز عثمانی

کوئی آگاہ نہیں باطن ہمسد بجھ سے

ہے ہر اک فرد جہاں میں ورق ناخواندہ

(۲۳)

گلے نعتیہ (غیتا بلی کا ترجمہ) ————— عبدالعزیز عثمانی

نہ لگی غنیمت ہوں نہ پردہ ساز

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

(۲۴)

چند تصویر بچاؤ ————— سترم، جعفر منصور

چند تصویر جان چند حسینوں کے خطوط

بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساراں نکلا

(۲۵)

ہزاروں خواہشیں ————— عسائی جعفر

(۱۳)

دشت امکاوتے ————— عزیز حامد مدنی

ہے کہاں تہ کا دوسرا قدم یارب

ہم نے دشت امکاوتے کو ایک نقش پا پڑا

(۱۵)

خونے جگر ہونے لگے ————— فضل احمد کریم فضل

ما شقی مہر طلب اور تہ بند کا ب

دل کا کیا رنگ کروں خون بھر ہوئے یک

(۱۶)

قطبہ سے قہر ہونے لگے ————— صاحبزادہ میر

دام ہر روح میں ہے حلقہ صفا نہ ہنگ

دیکھیں کیا گز رہے ہے قطبہ پر ہر ہنگ

(۱۷)

دیوار چٹھری ————— سیدہ قائم محمد

کہاں تک دووں اس کے بچے کچھ قیامت ہے

مزی قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار چٹھری

(۱۸)

گلے نعتیہ ————— فراق گورکھ پوری

نہ لگی غنیمت ہوں نہ پردہ ساز

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

(۱۹)

ہم کا کل ————— سیف الدین سیف

ہزاروں خوابیں ایسی کہ ہر خوابش پہ دم نکلے  
بہت نکلے مرے اومان لیکن پھر بھی کم نکلے

(۲۶)

قعینہ رنگے ————— اکرم ظکار  
سحری کف خاکستر و بلبل غنچہ رنگ  
اے نادر شاہ جگر سوختہ کیا ہے

(۲۷)

بوند ہو گئے ————— جو مسترد پال  
کافی ہے سراسر انگشت خان کا تصور  
دل میں نظر آتی تو ہے گک بوند ہو گئے

(۲۸)

سنگے و خشت ————— کہنیا دل پیر  
دل ہی تو ہے سنگ و خشت دوسے بھڑا آئے کیوں  
بد نہیں گئے ہم ہستاد بار کوئی ہمیں شاکہ کیوں

(۲۹)

غالب آشفقت سے سر ————— عبادت بریلوی  
اے ساکتان کو بچہ دلدار و بھمتا  
تم کو کہیں جو عنایت آشفقت سرے

(۳۰)

شیخ ہرزگ میں جلتی ہے ————— مرتبہ مرزا عابد عباس  
(دردنا و مشاعرہ)

(۳۱)

سحر ہونے لگے دُورائے، ————— ناصر دانش  
غم ہستی کا اسدوس سے ہو بزمِ مرگ علاج  
شیں ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے لگ

(۳۲)

کہتے ہیں جس کو عشق دکھایا، ————— مجا فراد اسحق  
بہن کے کاروبار پہ ہیں خذہ دہشے گل  
کہتے ہیں جس کو عشق نعل ہے دواغلا

(۳۳)

مرے سے پہلے ————— اسد علی  
قیہ حیات و بند علم اصل میں دوروں ایک میں  
موت کے پہلے آدمی علم سے نہات پاسے کون

(۳۴)

سنگے گراہت اورد ————— ڈاکٹر احسن فاروقی  
ہر پند سبک دست ہوئے بخت شکنی میں  
ہم اپنی تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اورد

(۳۵)

دو دو چراغ محفل ————— ظکار ارحمن

(۳۶)

دو دو چراغ محفل اڈرے، ————— رفیعہ سلطانی

(۳۷)

دو دو چراغ محفل ————— مرزا عابد عباسی  
دردنا و مشاعرہ، حمایت علی مشاعر

رنگِ سنگ سے چلتا وہ ہو کہ پھر نہ تھکتا  
جسے غم کھو رہے ہو وہ اگر مشاعرہ جوتا

(۳۸)

ہونے لگے ناعادہ دلے دودھ کا دشا عروہ مرزا عاید عباس  
بولے لگی، نازِ دلک، دودھ چراغِ محض  
جوتی، نرم سے نکلا سو پریشان بھلا

(۳۹)

اور پھر بیاد سے اپنا ————— اخلاقِ احمد و جوی  
فکر اس پر سیاوش کا اور پھر بیان اپنا  
ہن گیا رقیبِ آفرختا ہوا زدن اپنا

(۴۰)

وطن سے دور ————— مفتاحِ المریحہ ظفر  
مادا ویا رخصت میں مجھ کو وطن سے دور  
رگوں کی مرے خدائے مرکا بے کسی کی شرم

(۴۱)

بشرے کیا کہتے ————— عابد علی عابد  
دیا ہے دل آگاس کو بشر ہے کیا کہنے  
ہوا رقیب تو ہونا مرے کیا کہنے

(۴۲)

دلے ناعادہ ————— کرشن موہن  
دلِ نادان تجھے ہوا کیا ہے  
آتشِ مس دودھ کی دوا کیا ہے

(۴۳)

لگے سنگے ————— انور رحمتا

(۴۴)

خاندانِ زنجبیر ————— نورم جعفری  
نہ تارِ حاصلِ دلِ بستیِ فراہم کر  
سارِ خاندانِ زنجبیر جز صد معلوم

(۴۵)

کاغذی پیر صہ ————— خلیل الرحمن اعلیٰ  
نقشِ فراہی ہے کس کی شوخیِ سخن کا  
کاغذی ہے پیرِ سخن ہر پیکرِ تصور کا

(۴۶)

خزینہ سے گوش ————— ہوشِ طیبان  
لطفِ خزام ساق و ذوقِ صدائے چنگ  
یہ جنتو نگاہ وہ فراوس گوش ہے

(۴۷)

طرحِ گلہ رقیب ————— کلیم علی  
کوہ کن گرسنہ مزدورِ طرحِ گلہ رقیب  
بہ ستونِ آئینہ خواب گرانِ شیریں

(۴۸)

دیدہ بے حق ————— ورش صدیقی  
نہ چوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی  
سفیدی دیدہ بے حق کی پھر تھے زخاں پر

(۴۹)

صفحتہ جیسٹ کے گھر — شاہ احمد دہلوی

## غالب سنہا

غالب کی زندگی، شخصیت، اندازِ فکر و کلام چلا ہم اور قابلِ ذکر کتابیں

- ۱ - یادگارِ غالب (۱۸۹۷ء) مولانا الطاف حسین حالی - غالب - ایک مطالعہ ڈاکٹر نور محمد اسلام آباد
- ۲ - حیاتِ غالب (۱۸۹۹ء) ذاب سید محمد رضا عروج - مشکلاتِ غالب نیا فتح پوری
- ۳ - شریعتِ کلامِ غالب شریعت میرسن - غالب نام اکرم انوم مسیت پوری
- ۴ - عباس کلامِ غالب (تقریباً ۱۸۹۸ء) ڈاکٹر عبدالرشید بنوری - مشکوٰۃ غالب پرمختوی چند
- ۵ - غالب (ڈاکٹر علی ۱۹۲۸ء) ڈاکٹر سید عبداللطیف - مقامِ غالب میار الدین رفعت
- ۶ - غالب (ڈاکٹر علی ۱۹۲۸ء) شریعت میرسن (۱۹۲۸ء) - غالب شکی میرزا یگانہ چنگیزی
- ۷ - غالب غلام رسول مہر - غالب فکر و فن ڈاکٹر شوکت مینواری
- ۸ - غالب نامہ (۱۹۳۶ء) شیخ محمد اکرم - قصیدۂ کلامِ غالب ڈاکٹر شوکت مینواری
- ۹ - اورنگِ غالب شیخ محمد اکرم - غالب کا روزِ نامچ خواجہ حسن نظامی
- ۱۰ - حکیمِ قرآنہ (۱۹۵۷ء) شیخ محمد اکرم - فرحنگِ غالب امتیاز علی عرش
- ۱۱ - حیاتِ غالب شیخ محمد اکرم - اہامِ ادبِ غالب ملک عنایت
- ۱۲ - دیگرِ غالب (۱۹۳۸ء) مالک رام - بیابانِ غالب آغا محمد آفر
- ۱۳ - خطوطِ غالب مالک رام - شرحِ دیوانِ غالب لکھنؤ طباطبائی
- ۱۴ - ادبی خطوطِ غالب مرزا محمد عسکری - مطالعہِ غالب سید الدین احمد
- ۱۵ - ملا تیبِ غالب امتیاز علی عرش، لکھنؤ - مرتعہِ غالب غیر مہروری
- ۱۶ - باقیاتِ غالب وجاہت سندی - لکھنؤ الدین قادری
- ۱۷ - غالب کے خطوط ہمیشہ پرمشاو - سرگزشتِ غالب (۱۹۳۹ء) لکھنؤ الدین قادری
- ۱۸ - کادراتِ غالب آفاقِ مبین کافق دہلوی - رحلتِ غالب (۱۹۰۹ء) عبدالرشید شوق لکھنؤ
- ۱۹ - احوالِ غالب مختار الدین احمد آندہ - تلامذۂ غالب مالک رام
- ۲۰ - نقوشِ غالب مرتجہ مختار الدین احمد - مطالعہِ غالب اختر شکی
- ۲۱ - انکارِ غالب حفیظ محمد الحکیم - متأثرِ غالب قاضی عبداللہ

## زیر طبع

- غائب - چند مطالعات
- مرتبہ : منشا لکھنوی
- در فضیلت کاویان مع خواش
- مرتبہ : ڈاکٹر محمد باستر
- لائحۂ حمید میہ
- مرتبہ : چودھری رحیم احمد خاں
- اسٹارن میٹھ غائب ہے
- مرتبہ : وسیم الرحمن - ڈاکٹر کاویا قریشی
- فنارس غائب تھا کھائے غائب
- مرتبہ : عثمان رسول مہر
- دیوانہ غائب منحنی شیراز
- مرتبہ : ڈاکٹر وحید شریفی
- دیوان غائب و لفظی شدہ لفظی
- مرتبہ : امتیاز علی مسترشی
- غائب ہے : اکبر علی خاں

- ۳۳ - لکھتہ غائب
- ۳۴ - کتب اور غائب
- ۳۵ - سرگزشت غائب
- ۳۶ - متفرقات غائب
- ۳۷ - ملا تیب غائب
- ۳۸ - غائب کے خطوط
- ۳۹ - لغات غائب
- ۴۰ - غائب غائب
- ۴۱ - اشعار غائب
- ۴۲ - روت غائب
- ۴۳ - غائب کی باتیں
- ۴۴ - مرزا غائب کی خوشیاں
- ۴۵ - غائب اور اس کی شاعری
- ۴۶ - غائب کی نادر تقریریں
- ۴۷ - غائب کے لیلیے
- ۴۸ - نگارشات غائب
- ۴۹ - وثوق صراحت و شرح
- ۵۰ - روح کلام غائب
- ۵۱ - دیوان غائب کی مشرق
- ۵۲ - خطوط غائب
- ۵۳ - انتخاب خطوط غائب
- ۵۴ - شرح دیوان غائب
- ۵۵ - ترجمان غائب
- ۵۶ - مراقبہ غائب
- ۵۷ - مرزا غائب کی شاعری
- ۵۸ - نشا غائب
- ۵۹ - جان غائب
- ۶۰ - غائب اور اس کی شاعری

- ۷۱ - احوال و نقد غائب
- ۷۲ - تجزیہ کلام غائب
- ۷۳ - انتخاب غائب
- ۷۴ - مرزا ارشد
- ۷۵ - اسرار غائب
- ۷۶ - غائب کے مصنفات کے ساتھ احمد خاں پاشا
- ۷۷ - غائب کے ڈرامے
- ۷۸ - مرزا غائب رائل پارک میں آئے - حمید
- ۷۹ - مقام غائب
- ۸۰ - جہان غائب
- ۸۱ - کلیات نظم غائب فارسی

۸۲ - کلیات نظم غائب فارسی	غلام مرتضیٰ قاضی	۱۰۱ - دوہرہ سہرا بے حلق	سید حامد الدین طاہر
۸۳ - محو ہندی	" "	۱۰۲ - پنج آہنگ درجہ	محمد مرزا میر
۸۴ - مجروحہ نثر غائب	خلیل الرحمن خاں	۱۰۳ - غلبہ کا منشور دیوان	مسلم بیگ
۸۵ - اردو کے معنی	سیرت الدرب	۱۰۴ - نغمہ غائب	عبدالمعین عروج
۸۶ - غائب شناسی	ظہر انصاری	۱۰۵ - سب اچھا کہیں ہے	پروفیسر کریم حسین
۸۷ - غائب تاریخ کے آئینے میں	نکیر حسین ندوی	۱۰۶ - غائب نما	ابن حسن قیصر
۸۸ - مزاحیہ شریعہ و احکام غائب	غلام احمد فرقت	۱۰۷ - غائب نام آور	رائس تھانہ اٹک پٹان
۸۹ - جانی غائب	محمد حسین شمس علوی	۱۰۸ - بیاد غائب	شہینا بیگم صاحبہ
۹۰ - غائب کے کام میں	تادم سید پٹوکی	۱۰۹ - غائب دیوان	دوشاد گلہ پوری
۹۱ - میرزا غائب	ابوالخیر کشنی	۱۱۰ - غائب - غائب - غائب	ڈاکٹر خدیجہ احمد خان
۹۲ - سرور غائب	ایسٹ بنگالی دہلی	۱۱۱ - جہان غائب	قاضی عبدالودود
۹۳ - دولت غائب	صفیہ تبسم	۱۱۲ - Ghalib - his	ڈاکٹر اے۔ سی۔
۹۴ - اطراف غائب	ڈاکٹر سید عبدالرشید	Life and	ایس۔ ٹی۔ بی۔
۹۵ - غائب اور مغل غائب	ڈاکٹر عبا بخت بدیع	Persian Poetry	
۹۶ - غائب کا فن	" "	Ghalib - Life	پروفیسر رائف رسل
۹۷ - مقام غائب	عبدالصمد صادم	and Letters.	خوشیاد اسلام
۹۸ - یادگار غائب	خلیل الرحمن دلاوی	Ghalib Letters	قرۃ العین حیدر
۹۹ - ہر نیم لفظ درجہ	ڈاکٹر عبدالرشید	Life of	۱۱۵
۱۰۰ - غائب ایک مطالعہ	عزت زحیر	Ghalib	ملک رام

## کتابیات

واقعات غائب کے سولہ مؤلفین و ایڈیٹرز جن کی کتاب درج ذیل سے مشہور

کی جگہ ہے، ان کے تفصیلی بیوگرافی

اشاعت

۱ - تصانیف غائب مرتبہ

• کلیات نثر غائب غائب اپریل ۱۸۸۸ء مطبع ذی کشور لاہور

• اردو کے معنی از مولوی محمد رفیع ۱۹۲۲ء مطبع جمہوری کلاں پور





آپ کی لائبریری کیلئے

مکتبہ افکار اور اردو دنیا کی خوب اور خوبصورت کتابیں

تفویض و تفویض

- |      |   |                        |                        |
|------|---|------------------------|------------------------|
| ۱۰/- | ۱ | تفتیدی تقریب           | خانگاہ اہل سنت برطانیہ |
| ۱۵/- | ۲ | محرم اور محرم المومن   |                        |
| ۱۲/- | ۳ | شامی اور شامی کی تفتید |                        |
| ۱۵/- | ۴ | جدید شامی              |                        |
| ۲/-  | ۵ | رسالہ الامانات         |                        |
| ۲/-  | ۶ | ہفت گلشن               |                        |
| ۲/-  | ۷ | شکستلا                 |                        |
| ۵/-  | ۸ | ملاحون اور کام کنندہ   |                        |
| ۵/-  | ۹ | تذیب و تخریر           | عقبتی حسین             |

ملک

- میرے ساتھ کی سرزمین { مشرق پرست ۵۰
- عیا بخنوی ۴/-

Case

- ٦/٠ - پروفیسر شو علیگ  
٣/٥ - مختار مدنی

100

- طالب، چیتھڑے

یہ یورپیوں اور انگریزوں کے لئے مخصوص لوگ کی رعایت

آپ کی طلب فرمائیے

## اسلام

- میرت رسول اشرہ ہمدانی سید نقاب علی ۴/۱  
تاریخ صفحہ مملوئی + ۵/۱  
معاذ اللہ ۵/۲

## تأليف وادعاء

- |      |                                 |
|------|---------------------------------|
| ۶/-  | جیدی کی متفرک بنیاں ڈاکٹر عباسی |
| ۹/-  | پانڈی کا گائڈ گرش چنڈ           |
| ۶/-  | ایک دانسی سندی کے کسے           |
| ۶/۲۵ | سنگ داپس جاتی ہے                |
| ۵/-  | ایک عورت جلد دینے لے            |
| ۵/۲۵ | ایک خوشبو ڈائی ڈائی سی          |
| ۸/-  | دھواں دھواں سویرا ڈوہلیم        |
| ۳/۲۵ | تنگ باندھوکی جو گندہ مال        |

مختصات

- |      |               |                 |
|------|---------------|-----------------|
| ۱۵/- | (د باغی فستق) | سماز ایکس ایکس  |
|      | مرتبہ: ۱۰     | دوسرا ایکس ایکس |
| ۲۱/- | ۱۰            | جوش ایکس ایکس   |
| ۲۷/- | ۱۰            | عقیدہ ایکس ایکس |
| ۱۷/- | ۱۰            | ضلع ایکس ایکس   |

مکتبہ افکار دہلی روڈ، کراچی فون: ۳۹۹۳۷

# مَنَاجِ خَانَهُ

(نادرونا یا ب تحریریں)

## مالک رام

# نیکر غالب

(کچھ نئے حالات)

ابھی کچھ دنوں میں نئے اپنی کتاب "نکر غالب" کا نیا ایڈیشن مرتب کیا ہے۔ اس پر انڈیائی کے ملک کے دو نامور ماہر پروفیسر خضر خاں برکات کے پیش کے حصے سے مشفق قری و نثر مانڈیہ (NATIONAL ARCHIVES OF INDIA) نئی دہلی میں موجود ہے۔ میں نے اس ایڈیشن میں اس شخص سے مشفق قری کی تصدیق ملے دکھائی، لیکن وہ قری کے حالات میں مجھے غالب کی سب سے پہلی درخواست میں ملی تھی جو انھوں نے ملگلی کی گئی جزلی کی خدمت میں پہنچی تھی۔ فرسٹ ہندو کی کہیں کوئی نشانہ نہیں کر رہا ہوئی۔ بہر حال چونکہ مرزا نے اپنی اپنی خدمت و رعایت میں اس کے مضامین کا بار بار حوالہ کیا ہے۔ اس کی عدم موجودگی سے ملک کے کوئی تفصیلی تشنہ نہیں رہ گئی۔

بار سال بچے لڑکے جانے کا اتفاق ہوا۔ اڑیا پس ڈیئر نکائی گرا تو یہاں میں نے غالب سے مشفق قری نام کا قصہ لکھوئے، انھیں میں چاند ڈاؤن سب کی مل گئی۔ اس سے مقدمے سے مشفق قری کوئی نئی بات نہیں ملی تھی، اس کی جہد را دیکھیں کہیں اور یہاں سے کسی اور شخص نے ہستہ کسی ایسی بات لکھی ہے جس سے اس کی زندگی کے بارے میں ہمیں نئے حالات کا انکشاف ہوا اور بدھل مسور حالات کی تصدیق یا تردید ہوئی۔ ان کی کا بیان یہاں مفروضہ ہے۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان کے اپنی درخواست میں نکائی اور گوند جلال کے دفتر کا فارسی حکمران کا انگریز کی یہی ترجمہ کر کے کوئل کے دفتر پیش کر دینا تھا، یقیناً کتب کے بھی پڑھ کر عواطف فارسی کی بھی ہر گ اور دفتر حلف نے اس کا انگریز کی یہی ترجمہ کیا۔ اب میں اس کا انگریز سے اور وہی ترجمہ کر رہا ہوں۔ یہی بیان میں اس کی درخواست کے اختتام پر مل کر اس کا انداز فرود سے محسوس ہونے تو مانجے میں کوئی حریف حوالہ یا اشارہ کر رہا۔ یہ ضروری نہیں کہ معلومات سب ملی ہوں بلکہ مفروضہ اگر غالب کے بعض معلومات کا حوالہ دیکھ ہے۔ مفروضہ ہے کہ یہ تمام ہے و صرف

۱۱ اس درخواست کی تاریخ ۱۱ مئی ۱۹۲۱ء ہے

اس سب قری کی کتاب ۱۹۲۰ء (M. P. ۱۹۲۰) کے مطابق تھی اس کی قیمت سے میرے ہاں خضر خاں آگر کے قندھار مقرر ہوئے۔ ہر جب انگریز قری نے اس حصے میں پہلی قری کی درخواستیں گناہ نے جہاں مثال دیکھے۔ اور انگریز کی حکومت سے

میرزا علی سے اس حوالہ سے ۲۰۰ روپے مل گئے تھے، "نکر غالب" ۱۹۲۱ء گرا انھوں نے حالات کا جائزہ لیکر قری کا نتیجہ دیکھتے ہوئے اپنی دعا سے پہلے لکھا۔

لی گئے تھے اس کے بعد جب احمد نے دارشیک سے ملاقات کی تو ان کا موضوع ملے کسی خلو کا نظم و نظم کا ذکر ہوا یہ اس سے متعلق تھا۔ پھر جب مشرور نے ۱۸۵۱ء میں کٹر و قتلہ دارمقرر ہوئے تو مصر کا عند مقام بدل گیا۔ اس نے دارشیک خان خرمیہ اور دارشیک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں چار سو سواروں کے دستے کی کمان ان کے تحت لیں ہوئی اور مشرور سے پہلے ادا و قتلہ مقرر ہوئے تھے۔ اس کا جب ماہ ہجرت تھی سے دو سہارا ملاقات قائم ہو گئے اور دارشیک کی روایت کرنا چاہیے کہ انھیں ہوا تو وہ اگلے سے پہلے ان کے لئے ان کی دعا داری اور دعا کے اعزاز میں، انھیں دارشیک خان کو صدمہ آگئی ہیں سرگ اور سونے کے دو گچے جن میں مایہ موزیہ جاگیر کے عطیہ کے ہیں ان کا بیج دعا کی چندہ ہزار اشرف سو ۱۰۰ روپے مسلمان مقرر ہوئی سالہ دونوں پرگنوں کی سالانہ آدنی ایک لاکھ روپے سے زیادہ تھی تھے۔

اس چار سو سواروں کے دستے کی کمان اور مشرور کے مشابہے احمد ہاگ سے ان کی طاقت اور اثر و رسوخ میں بہت اضافہ ہوا۔ ۱۳ مارچ دارشیک کی اصلی دستخطی سند اور اس کی کٹر لیاؤ کی مصدقہ نقل اور دارشیک سے صورت کا کٹر لیاؤ پر ماہی انھوں نے انھیں دارشیک خان کو عطیہ کیے میرے پاس موجود ہیں۔ اور ان کی نقول اس در خواست کے ساتھ منسلک کر دیا ہوں۔ ۱۵ اس جاگیر کے دس گیارہ بیٹے بعد انھیں دارشیک خان جب کہ وہ باہر سے گئے ہوتے تھے اہاں تک اپنے احمیہ سے گئے۔ ان کا ایک فرسٹ گئی اور چھ بیٹے بھی تھے۔ چند دن کے بعد ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس پر دارشیک کو مصدقہ لیا اور اس کے لئے ل اور اس کے لئے کو مستحق کر دیا۔ ۱۶ انھیں دارشیک خان کے کوئی ادا و قتلہ نہیں تھی۔ وفات کے وقت ان کے دس سب بچے تھے۔ ۱۷ میں ۱۳ مارچ چٹا بھائی اس میری دادی تین انھیں دارشیک خان کی والدہ اور انھیں دارشیک خان کی تین بہنیں۔ اس وقت میری عمر نو برس کی تھی اور میرے بھائی کی سات کہ۔ میری دادی میری کہیں چکی تھیں۔ ۱۸ اس مادہ کے وقت خاندان میں یا تو دو بیٹے تھے یا ہم دونوں کہیں تھے۔ اس لئے ہم جت سے ملنے لگے ال اسباب کہیں کہیں کی کوشش نہیں کی۔

ایک شخص خواہ وہ میری دادی تھے یا اس کا نوکر کہ اس کے جہان کا خادم تھا۔ میدان خالی دیکھ کر جو میرے کہنے کے تمام سارے سال مال اسباب بھوں چھو لداروں اور تھوں پانچوں دلیو پرتھ کر لیا۔ اور پھر انھیں اس کا ایک باقی رہا تھے۔ ان کے کو اب انھیں خاں سے مل گیا۔

یہاں انھیں میری دادی تھیں، انھیں دارشیک خان کا دادا دیکھتے تھے میرے یہ کہنے کی غلطی ہے۔ انھیں دارشیک خان ان کے دادا نہیں بلکہ بہن تھیں۔ اور ان کی جڑی اس سے پہلے لاولوٹ

۱۹ ذکر غالب ص ۲۸

۲۰ میر نے جب انھیں ان کا کوئی تھا اور میرے سہلی، ۲۱ میں کٹر و مشرور مقرر ہوئی۔ مشرور جو کہ پہلے ادا و قتلہ دارشیک کے تھے ان کا تھیں۔ ۲۲ میر نے انھیں ان کے تھے۔ ۲۳ ذکر غالب ص ۲۹۔ نیز اردو کے سہلی، ص ۲۹ (ادب کا تذکرہ)

۲۴ احوال غالب ص ۲۸۔ ان کا تھیں غالب ص ۲۸۔ انھیں











یہاں تک تو گزشتہ پیش برس کے واقعات تھے۔ اب نیا نعرہ بگ فائل کے خلاف ہے کہ اور اپنی قوائی شکاک ہے، اور خاص اپنی دنیا سے الگ کرنا چاہتا ہے۔

11/11/2011 11:11 AM

واللہ، لہذا اگر ایک خان کے خطبے میں، ایک شخص غلامِ حاجی نام لیا تو اس کا ۱۰۰ برس تک اچھا خوشی خاں کے ذریعے حد  
بازار رسالہ اولیتا نام کو کوئی حق نہیں رہے گا اس کا جہنم کے عریشے سے انتقال ہو گیا اور اس کے بعد اچھا خوشی خاں کی جائیداد اس کے حد بازار اس کے  
بچوں کو ملے گی۔

فہم عالم کا تقرب ہے۔

نور اللہ بیگ خاں کے والد کے لڑنے میں، جن کا نام قرقان بیگ خاں تھا ایک فوجیان خواہ مرزا امام علی کے ہاں اسلام آباد کے دستے میں باریگیر و سائنس کے طور پر کام کرتا تھا اس کی تحریروں پر پانچ دفعے ملوث تھے قرقان بیگ کی پہلی و دین نور اللہ بیگ خاں کی والدہ کا ایک بھائی ہمیشہ احمدیوں کے ایک نام لکھتا تھا کہ احمدی۔ نور اللہ بیگ خاں کی والدہ اپنے دوسرے شعلیں احمدی مضمین کی طرح انہیں سچوں اور بھائی لکھی یہ شخص اور جھوٹا شخص کرتی تھیں۔

تو قاتل، بیگ خاں نے ہنسی بھری کی، اس شہیم بھائی کی کاٹھن خواہ مرنا سے کہو یا۔ یہ خواہ حاجی انہی غفلت کی اولاد تھا۔ دوسرے غفلت میں خواہ حاجی کی والدہ، انصاری بیگ خاں کی والدہ کی بہن کی بیٹی ہوتی تھیں۔

اس کے علاوہ دونوں کے درمیان یگانہ کے دارالرحمہ بھی ہے۔ درمیان، نہ پہلے ذاب ہی کوٹا اور نہ شستہ یا اخلق تھا۔

دب، انصاف بیگ خان کے جائز وارثوں میں سب سے پہلے میری دادی امین انصاف بیگ خان کی والدہ انھیں انصاف احمد بخش خان  
 پہلی زندگی میں ہندو سونو پے سوانہ دیتے رہے۔ اسیات کی وفات تک کے بعد بھی رقم ان کی سب سے بڑی بیٹی امین انصاف بیگ خان کی  
 سب سے بڑی بہن اکوٹھ علی کے یہ انصاف بیگ بھی بنتی ہے۔ اسی سے وہ اپنی بیویوں پر لڑائی بیویوں کے گھر سے کا اختتام کرتی ہیں لیکن جو گھرانے کے  
 موزم جانی انصاف احمد کے پہلے خان غلام اور منٹھلی بھی انھیں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس سے یہ تمام کسی طرح اس کے خیر کے کو کفایت نہیں کرتی۔  
 انھوں نے انصاف احمد کے پہلے خان غلام کے انصاف بیگ احمد کے مقروضوں کی تلافی

یہ سب باتیں محض لڑکھائی اور سرکشی تھی۔ یہ اختلافات خائبہ ۶۶ء وہاں انجمن تخلص کا نام نہیں رکھی اور تخلص کا تخیل نہ کیا۔  
اس سے مسلم ہو گا کہ قرآن کی ۲۰ آیتوں کے نتیجے میں مرزا فوجی اشرار ہو گئے۔ دستانِ فوجت، اصغر چارم، اور  
گلشنِ کبیرہ لکھے۔ ظاہر ہے ان کے یہ قصائد آپس ہی بجا نہ آتے تھے تو سرسری گفتی صورتِ لفظ ہے۔

چراں تک اب کا تعلق ہے یہاں ایک دور کا رشتہ ثابت کیا جا سکتا ہے یعنی قاتل کی بیوی کا پھر میرزا خان کے شوهر میرزا اکبر بیگ تھے۔ اور میرزا اکبر بیگ کی ایک بہن خواجہ حاجی کو بہاؤ اختیار، اور وہ آپ خود دشمن کی بیوی اختیار فرما کر دلا کر میرزا اکبر بیگ کے ایک بھائی میرزا افضل بیگ تھے، یہ میرزا فرشتہ شاہ بیگ کے یہاں رہا تھے۔

تھے جیسا کہ ان کے بچہ کا ہوں رعائیت ملی اس سے بھی ثابت ہوا کہ اہل دیوبند سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

میرے خیال ہی یہی ہو گا کہ جس کے انتقال کی خبر انھوں نے ۲۲ دسمبر ۱۹۵۳ء کے اخبار میں ملنے والی مجلس خیر کردی تھی (ادارات خائب  
ص ۱۰۳)۔ دیکھو کہ کونایت، ان کا انتقال اس سے دو دن پہلے ۲۰ دسمبر ۱۹۵۳ء کو ہوا تھا۔

۱۴) میرے چاٹھرا شریک خاں کے وارثوں میں پوسٹ انڈر فال ایلر بھائی ہے جو مرحوم کا بھتیجا ہے۔ فاکس انجنئرس خاں نے اسے پہلی گڈی کی نہیں دی وہ کئی مرتبہ انھیں گڈی خاں کے پاس گیا اور پتا دکھلا دیا، لیکن فاکس صاحب ہمیشہ غلطی کے دھڑکتے سے اس کا منہ بند کر دیتے اور وہ اپنا سامنے کر دیا پس چلا جاتا۔ آج تک اس کا لڑا اور گھرا کا سامنا نہ کیجئے اور میری مدد نہ رہے۔

۱۵) وہ جوان تھا اس کی سٹا دی ہوئی تھی، خرچ بڑھ رہا تھا اور کمالی مقررہ، انھیں انکار نے اس کے دماغ کا قانون بگاڑ دیا اس پر خدائی اور منزل کی کیفیت طاری ہو گئی اور اب وہ مستقل بیمار ہے۔

۱۶) میں کچھ سوچ رہے تھا، تاں اس کے خلاف ہر فرما کرتا ہوں، اس کے بھائی ہے، ایک بڑا کب ہے جس کی محبت کے نسلے میں پیدا ہوئی تھی، تو کر پا کر اور غلام و ملازم اس کے خلاف ہیں چار دیواری قسرت اس کی ٹکرائی اور دیکھ بھال ہی کے لئے ہا ہیجہ۔ آج تک اس کی بچی گر کر چر بست پیچ پیچ کر گڑا کر لے رہا ہے، لیکن جب تک

۱۷) انڈرا شریک خاں کا املا وارث آپ کا یہ درخواست گزار ہے۔ میرا نام محمد امجد شاہ خاں ہے اور عرف میرا فاکس صاحب۔ انجنئرس خاں مجھے چند سو سال دیتے تھے۔ میں نے آج تک اپنے والد مرحوم کے ترکے کو کچھ بچ کر زندگی بسر کر لیا ہے۔ اس کے خلاف میرے نا خواہ غلام حسین خاں نے بھی کچھ ہاتھ دھو لیا تھا۔ وہ آٹھ کے چوٹی کے خلاف میں سے اور فاکس صاحب نے دبا کے مضبوط دھواں بند سے لے۔ اس نے غرضت سے مجھ پر کرا کر پھوٹا اور دلی کی سکونت اختیار کی، جو میرے بزرگوں کا اصل وطن تھا۔ یہاں سے بھلا ہوا وقت اس کے خلاف اس ناکی کو کرنا تھا اور اس کے باوجود ان کو مجھ پر جس بڑا کر فاکس ہے۔

۱۸) اب میں دو بیٹے تھیں اس داد کی گاہ و گلستہ میں آ جا ہوں، میری خواہش ہے کہ حکومت میری شکایتوں کا ازالہ کرے تاکہ میں غرضت و فرم داپس پاؤں اور خاں کا نام سے داپس دے کر اپنے بھائی کا خلاف کر سکوں۔ اور اگر حکومت نے میری شخصائی کی قرین کرے پھر اگر کسی طرف نکل جاؤں گا۔ ملازم ہے، عجم ہے۔ اور زندگی کے باقی ایام کہیں بھیجک آگے آگے کر دے گا کیونکہ میرے جو تعلقات حکومت سے ہیں ان کے پیش نظر یہ قرار نہیں ہے کہ میں ہندوستان میں کسی کے دروازے سے جا کر خیرات آؤں۔

۱۹) عرض میری درخواست ہے۔

حکومت نے جب فاکس انجنئرس خاں کو جائیداد دی ہے، تو شرط یہ تھی کہ وہ اس کی ۲۰-۳۰ فیصد میرے ساتھ حکومت کو دے کر دے رہے گے۔ پھر جب انڈرا شریک خاں فوت ہوئے تو فیصلہ ہوا کہ ان کے اسبابوں کی دیکھ بھال کریں گے اور نیز مرحوم کے پس ماندگان کو لڑا دیں گے اور ان دونوں خاندان کے عرق میں یہ فیصلہ عائد کر دی گئی تھی۔ حکومت تحقیق کرے اور فاکس صاحب جس الدن امور خاں سے گزشتہ جس باتیں برس کا حساب طلب کرے تاکہ معلوم ہو کہ انھوں نے کتنے اسرار کئے؟ ان پر کیا لے چکا؟ اور انڈرا شریک خاں کے خاندان کے گزشتہ کتنے کتنے رقم وصول کی؟ فاکس انجنئرس خاں نے انڈرا شریک خاں کے خاندان کے لئے غور و جود کی اپنی ہزار ہا روپیہ رقم مقرر کر دی اور اس سے کیا بھی عرصہ میں گزارے، لیکن وہ غلام و ملازم کا چارے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا کیونکہ تمام رقم جو فاکس صاحب انجنئرس خاں کی جائیداد میں سے انڈرا شریک خاں کے پاس مانگا جن کے لئے مقرر ہوئی تھی اور میں داکا جا پہنچے تھی، اس میں سے بھی عرصہ میں ہزار سال ملے، اور وہ



مرغیٰ حسین فاضل لکھنؤ

## غالب کی ایک نئی تحریک

(کوئٹہ اسٹریٹ میں خدمتِ سہیہ سہا سناٹہ)

۱۸۵۰ء کے بعد انگریزوں نے برصغیر میں اپنے قدم جما کر کئی مختلف اقدامات کئے، اداکاران اقدامات کے دوسرے نتائج حاصل ہوئے مثلاً خاص مقامہ کے مدرسوں کا بچوں اور تعینات و تالیف کے اداروں کا قیام، جس کا سلسلہ فرسٹ لیگ سے شروع ہو کر تمام جمہوریوں میں پھیلا رہا گیا۔ ۱۸۵۰ء کے انقلاب میں ان کا بچوں اور سکولوں کو نقصان پہنچا اور متعدد سکول بند کر دیئے گئے۔ لیکن اخبارات و رسائی، لکھنے پڑھنے والوں اور مصنفوں، انگریزوں اور انگریزوں سے رابطہ پیدا کرنے کی یہم شروع ہو گئی ان لوگوں کو نئے نفسیاتی اصولوں سے ہر بات میں کھانا لیا کر ان کے عقیدے بدل گئے۔ اب جو شخص اخبار سے بندہ میں غیب میں غیب نظر کرتے تھے، وہ اپنی تاریخ، اپنی ثقافت، اپنی تعلیم اپنے آپ کے لیے بھگتے ہیں غرض تھے۔ انھیں اس کام کی داریابی تھی اس لیے۔

برصغیر میں قومی مزاح کی نشوونما اس ہی وقت ہو چکی کی نشا میں ہوئی۔ غریب تاریخ نے سسکا مدد، بار کو تھیں حاکم اور انھیں شخص کا متہائے کمال یہ تھا کہ ان کو اب سے مایہ پیدا ہوئے، ان کو دیر سے غیب چلے، غائب اداکاران سے تعلق ہے۔ جاگیر و وظیفہ، خزانہ باغیچہ کو ہوا زیادہ اس کا خیال کم ہوتے ہوئے غم ہو گیا تھا۔ اگر کسی کو یہاں وراثت کے خزانے سے دوسرے ملے ہیں تو وہ ان میں پہلا دنیا نہیں لکھا اس کا ہمیشہ ہی دفتر میں رہے۔ چلے، چلے اس کا احترام کرتے اور شہر چلے سزا چلے تھے۔ اداکاران کے ساتھ۔ غائب دور۔ لاد ملک۔ لاد خان پہاڑ۔ غائب جنگ۔ کا وہی غائب لگا دھڑلے پر پڑا ہے۔ وہ سزا شہر کی بہ دھڑلے کی ہے وہ سزا دھڑلے کا باعث کی شہر ہو گئے۔ غرض غالب جب تک کہ ان کے دل میں کوئی اور شہر کی عورت و صورت کو نہ لائی تھیں تھے جس دن سے دھڑلے اور شہر کی عورت اس دن سے کہا شروع کیا۔

غائب و غیب خواہ، دوست اور کوہ

وہ دن گئے اگرچہ تھے ذکر نہیں ہوں میں

انقلاب ۱۸۵۰ء کے بعد مشرق و مادی اور قومیت کے گھاٹ اتر گئے اور ہر غائب ہو گئے۔ جبکہ وہ عادت کے مطابق ہر ناچار و ناچار کو قائل کر لے۔ مصیبت یہ تھی کہ ناچار ہندوستان میں تھا ہاں اس کے ساتھ سے غم شہر میں غم و مرہو تھے۔ بچا سے پہلا قدم کے بارے میں کوہاں ان دنوں گئے اور انہی سے ملی کر سرزدائی جانے کی تمنا کرتے تھے۔ ان کا ایک ہرے دھڑلے سے تھا۔ اگر انہوں نے غم کی رسی لگ دی تو اس اب غم کی انتہا دھکی۔ ایک ایک کو وہ رسید کھائی جا لیتی تھی۔ خیالی قتلے ملے چلے تھے دھڑلے سے

ہوتے تھے۔ غائب کے نام کو خسران کا خا کا یا۔ غائب کو گردن سے جواب لکھا، غائب کی بڑی درد انگ رسا لکھی ہے۔ انگریز نے اس احساس کو لکھ لیا۔ اس نے ایک شخص کے تحت ملک کے تمام بڑے افسران کو جو مشہور ہیں ان کو سزا سنائی۔ اور انہیں جہدیب نامی ادارے قائم کرنے میں کامیاب حکومت اور سزا سنائیوں سے راہبر قائم رکھنا۔ حکومت کے انکار و ممانعت سے غلام کو متاثر کرنا۔ حکومت کی تعزیرات اور بددیانتی۔ لکھنے کے خسران و خوشیوں، انگریزوں کی ممانعت پر دیکھنا۔ اخلاق اور انسان دوستی کا ایک نمونہ تھا۔ غائب چاہتے تھے کہ غائبوں کے خدائے عوام کے رجحانات بدل دیے جائیں۔ مگر ان عوامی خیالات سے غور و فکر باخبر نہیں۔ اور مگر گردن پر دین زنجیر کی لہروں اور ان کی بدستاری سے بے خبر تھے۔

انہیں جہدیب۔ انہیں مطالبہ فہرست۔ انہیں اصلاح رسوم۔ سوسائٹی۔ قرض جو نام بھی ہو۔ اس کا صد اور سربراہ۔ اس شہر کا کھنڈر، قریب کھنڈر کا حکم دار کا رکن اور اعلیٰ جہدیب دار تھا۔ اس ادارے کے جسے شہر کے مرکزی مقام میں منعقد ہوتے تھے پہلے دو ماہ اور پھر ماہ طلب لوگ میں نیت و سیاسی مقاصد کے تحت جمع ہوتے تھے۔ صاحب دگر دے ملاقات ہوتی تھی۔ حکام کے پہلو میں نشست ملتی تھی۔ اور پہلے عدلیہ کے لئے سرائے تھے اور دل سکون پاتے تھے۔ انگریز سمجھتا تھا کہ ان کے دل میں مگر کربا ہے اور وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہمیں عزت دی جا رہی ہے۔

مختار، دلی اور لاہور میں اس قسم کے اداروں کے الگ الگ نام تھے۔ انہیں جہدیب یا ملیر جہدیب سمجھتے ہیں۔ دلی میں دلی سوسائٹی یا ایک قریبی علوم و فناء نام۔ یا دلی سوسائٹی تھی۔ لاہور میں انہیں پنجاب ناموں کے اختلاف سے قصداً متاثر تھا۔ بات دیکھ ایک تھا، معزز مشہور ہیں اور دانشور ہیں مگر ان کا کام کی قربت میں آکر اور حکام کے لئے خیالات کی شہادت کا ذریعہ کام میں کرنا۔ یہاں انہیں جہدیب کام بھی انجام دینا تھا یعنی ادارہ یعنی قریبی، فناء کا اور ماحولی مساکی پر بحث و تبادلہ خیالات سے مشہور اسکولوں یا بہت بہت اسکولوں کی بددیانتی تھی۔

میں نے مکتوب کے رفقاء عام ہال میں انہیں جہدیب کی انگریز اور کارستانی کا دفتر دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت یہ خیالات آ کر کہ اس کا مطالعہ کرنا اور ماحول کا کارستانی سوسائٹی کے بارے میں کسی نے ہم کو کلام نہیں کیا۔ بدست ہوتی جب ان کے عہد استوار صاحب مدد ملے تھے ایک مضمون لکھا تھا اور اس سوسائٹی کے بارے میں کہہ رہا تھا جہدیب انہیں اس مضمون کی ایک اشاعت علی گڑھ میگزین غائب نمبر ۱۱۱ ہوتی۔ دوسری مرتبہ جہدیب مضمون احوال غائب میں چھاپا۔ میرے سلسلے میں لکھا تھا، ان مضمون سے چند فردوں کا تعلق تھا ہوا۔

دلی سوسائٹی کا بنیاد کا اجلاس دہرہ لائی ۱۹۰۷ء کو کالج کے وقت کرنا، پٹن کٹر دلی کی کوٹھی پر ہوا جس میں عزیز مشہور اور انگریزوں نے شرکت کی۔ پٹن نے ملیر کا مقصد بیان کیا۔ اور کہا ہوا، علی گڑھ دلی کے عدلیہ کے ایک انہیں قائم کرنے کا منصوبہ پیش کیا۔ اس انہیں کے مقاصد تھے۔

۱۔ علی مضامین لکھنا پڑھنا۔

۲۔ تاریخ اور ہمارے ملک اور قدیم ممالک اور مذاہن کی طروت کو۔

۳۔ قریبی تجارت و صنعتی۔

۴۔ یہ انہیں سمجھنے، ایکسپریس یا دوسری جہدیب کرے گی۔

۵۔ کتب خانے کا قیام

و۔ منتخب تجویزوں کی اشاعت۔

نظم تقریر کے لہجے پاکیزہ اور سادہ دلی سوانحی باعث ترقی علوم و دفاع عام۔ نام و یا اجالت۔  
جس سے فار۔

۱۔ کرنل ہاشی، کسٹرن دلی، بیڑن

۲۔ کہتان میکسٹین { پریسیڈنٹ  
۳۔ مرزا الہی بخش

۴۔ دار صاحب سنگھ داس پریسیڈنٹ

۵۔ فیلو کراؤسٹریم، جج عالیہ خیلہ، آریزی سکریٹری۔  
میران کارنگ کنٹی۔

۱۔ ڈاکٹر خدیوہ

۲۔ پادری کسٹن

۳۔ نثر پیکر، اسٹنٹ کسٹرن دلی

۴۔ نشیستہ، گروٹ، اسٹنٹ کسٹرن دلی۔

۵۔ خائب ضیاء الدین احمد خاں

۶۔ پادری وکی، پرنسپل دلی کالج

۷۔ رائے جس مال، ڈاکٹر اسٹنٹ کسٹرن دلی

۸۔ خائب شہاب الدین احمد خاں، آریزی کسٹرن دلی

۹۔ ڈپٹی وکیل، حسین خاں، میونسپل کسٹرن دلی

۱۰۔ اور بھیجی داس، آریزی کسٹرن دلی

۱۱۔ دار دام کسٹن، صفت، جہاں آریزی کسٹرن دلی

۱۲۔ سٹیج، محبوب بخش، آریزی کسٹرن دلی

۱۳۔ پرنسپل، بشیر شاہ

۱۴۔ مٹن، جیت لال، آریزی کسٹرن دلی

۱۵۔ مولوی ضیاء الدین، اسٹنٹ، ہر دوسرے دلی

۱۶۔ مولوی جعفر علی

۱۷۔ حکیم محمود خاں

۱۸۔ پندت گرہاں سہاگے، بابونک دلی

۱۹۔ دار و زجر سنگھ



مشتعل ہوئے جس کوئی ساتھ نہیں ہونے، سرکارِ مخلص کی کالنگ خوار ہیں اور مشتعل یعنی دس برس کے شہنشاہ و بکرو بہارِ حیات  
فلکِ راحت، گلہ منور کا محبت نگاہوں۔ دفعہ سے میرے ہدایت پہنچ گئے۔ انہیں سے ایک کی رسم کی اطلاع کوئی آگاہی، بیرونِ قیام  
میرے سوا مانتے اور دوسرا اس کا مطلع ہے۔

نامہ زکوٰۃ کوڑیا چو نامہ در آمد

ادائیگی نامہ آفتاب بزم آمد

یہ تصدیق اس کے سزا دل ہے کہ ایران بچھا ہلکے اور وہاں کے شعراء سے داوا لگی جاتے۔

اب میں جناب صاحب کثیر پناہ اور مجبورِ سماجی حاکمِ عالی شان کو سلام کرتا ہوں اور نگاہِ رشتہ کو تمام کرتا ہوں۔

دائم اسداش خاں شاعر غائب فاضل

برآمدہ نادانہ شعرِ اشرفیک خان بہادر رشتہ سونگ ہونا

مرفیض وادہ انگست قشندہ

انگست قشندہ کے اسی اجلاس میں اشرفیہ چار سال نے جو طعنوں پر چھا تھا اس میں ایک نگہ غائب کے تین شعر نقل کئے گئے جو  
سماورِ دیوان غائب ہی نہیں تھے۔

ہندوستان کی بھی عجب سہولتیں ہے

جس میں وفادار ہو محبت کا ہے دستور

جیسا کہ آفتاب نکلتا ہے مشرق سے

اعلیٰ کا جہل ہے اسی ملک سے ظہور

ہے اصلِ حق ہند سے اداس زمین سے

پھیلتے ہیں سب جہالتیں یہ سچہ و درودور

جناب فی کثیر عبادتِ استاد صاحب کو اس کے بعد سوسائٹی کی کاروباری زندگی۔ جلد ہی ہست۔ جو کہ یکن قشندہ  
کی کاروباری زندگی۔ دستِ بابت نہیں ہوتی کمال۔ اس سال کی اہم آمدنا دو تقریریں ایک غائب کا لکھا ہوا سپاس نامہ مل گیا۔ یہ  
سپاس نامہ کمال سے موجودہ، داغ لیا، داغ چڑھا۔

بچے مرنے لگے کی سادگی اور ادبی جدلی کے بعد دس سطروں کا مسطر بنایا، بین اسطر خوش فہم گنہاں اور  
قلم سے یہ عبارت مدد ہے جو یقیناً مرزا غائب کی تخلیق ہے۔

سطر علیٰ آفتاب جہل، آفتاب، عظیم اعلیٰ، علمائے کمال، افروز اور علم کے قہر دان، خدا کی عبادت کرنے والے اور یقین پر  
مہران۔ جناب مستطاب ویم کو کثرتِ شرم صاحب۔

سطر علیٰ بہادر سے عرض کیا کہ آپ کے کہی ہوئی کلامِ شعر میں گنہاں اور بی شمناس ہے، آپ کے نظریات نے جانتے ہیست  
تکلیف اور ان سے ہے۔ آپ کے اعلیٰ



**سطر ۸** سے اس شہر میں علم نے وہ دروازہ پا کر کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے دنیا کو غلام بنایا۔ انبیاء کے معجزوں میں خدا کا  
ہے مرنے کو جانا، حق مارے

**سطر ۹** نزدیک اس سے کم نہیں ہے، جاہل کا عالم عالم بتانا۔ آپ نے جو ہر طرف ہزاروں ہزار جاہل عالم بنا دیے ہیں گناہ گار  
احادیث کے تم دوسری جہاں تک

**سطر ۱۰** نقرہ کام کرتے مرنے جلد کیے ہیں۔ دوسرے، مرنے جسم کی اور علم مرنے عقل کا ہے دانشمند لوگ کھیل دہانوں کو علم رہتے ہیں  
دوسرے سولہ۔

**سطر ۱۱** آپ جس ملک میں انفریٹس نے ہائیڈرو گیس پیدا کی وہاں آپ سے نہیں پالیجے، وہاں دلوں میں لاش پائی گئی۔ اور ان کی  
کی سوسائٹی کے میر کی

**سطر ۱۲** اس ملک کے آدیوں پر شک کرنے کا تو قرآن اتفاق دیتے ہرگز امر قرار پائے گا کہ نہیں، حسد کی جگہ دہشت نہیں، دیکھ کر ہائی  
کما۔

**سطر ۱۳** محلی دیکھا نہیں۔ دھواں علم جمیع ممالک میں دھندلے ہوئے دلوں جیسے تم کا سیلاب ہے اور ان کو بھی بہرہ مند ہونے دو۔  
مصلحتیہ راستہ

**سطر ۱۴** یہی دلی نہیں ہے اور ہم کو اس کا یقین ہے کہ یہاں سے حکومت آئیں، ہم کو بھول دیا جائیگا اور وہیں سے ہماری فرقی  
**سطر ۱۵** توہ فرما جائیگا

یارب اس سرور و داد کو اس خداوند بلند و پرورد کو  
شاد و آلودہ سطر و شعلہاں کیجو اور ہم سب پہ مہربان کیجو  
فقد مرنا الی بخش

مہارت کے بعد ۳۰ کہ ستر ۲۶ نام دوا اور ۱۹ نام بخیر کیا ہیں، دستخط کے نئی کلم سے ہی کہہ سکتے ہیں جاتے جو یہاں  
نام صاف لکھے ہیں ان کی فہرست ہے۔

اور دستخط۔ ۲۶

- مرزا الی بخش
- چمن دلی نیری کی بخش
- غلام حمید دغاں
- راجو سالک دام
- ہیش داکس آری کی بخش
- نیازی پورنا کی بخش
- محمد ضیاء الدین
- غلام رضا
- نور حسین حقیر
- عبدالقادر
- راجو وکی سنگھ
- محمد لطیف حسین
- حکم چندی
- ..... حق
- سالک دام مشاہد علی
- خدا بخش

● گورنمنٹ	● تجارت کا غائب۔ اسٹیشنریاں غائب
● میر... قان و مسالار	● بکشت اور مکتی
● انٹرنیشنل	● کالے خان
● وینا آف	● مشام نعل
● واریٹ ٹی	● سیلج محبوب نعل آفریقا کی ٹریڈ مارک
● گر... غائب ہونے	
● دستخط انگریزی کا۔	
● بکسٹن	● چنائل
● جیمز اسٹو	● نام کشی
● آئی سی ویٹے	● شیخ محبوب نعل آفریقا کی ٹریڈ مارک
●	● ہڈات گرہاں ہڈات کی سسٹم غیر ملکی دواؤں کی ٹریڈ مارک
● ٹریڈ اسکاٹ	● انیشور
● شہاب الدین احمد	● سدھال
●	● پیارے دل سکرینز کی دوا سوراخی
●	● ورنج سٹو
● خواجہ	● نوٹروپک پیلیو آفریقا کی ٹریڈ مارک
● ایک	● کچھ چند تھپتا
●	● کدو
●	

سہارا کی حالت غور کرنے کے بعد جو وہ جیون کی اسٹیج پر آئے، غائب ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ادب پارے کی حیثیت کو سمجھا ہے۔  
ابتداء کے بعد فقرہ قوت میں ہی جہان کے غور میں بکثرت مرنا ہے۔

”جیل انقائب“ عظیم الامان، لیکن یہاں ولیم کوڈل سٹریم کی مناسبت سے ”صاحب کا اضافہ کرنا ہے۔ لیکن انقائب نامک کے بعد یہ کہ عبارت متعلق نثر اور مشورہ ہے۔ فقرہ ”رجسٹر“ اور ”کے“ غلط لکھے ہیں۔ ولیم کوڈل سٹریم کی ذاتی وجہات سے ان کا تعلق جیل یا ان کی اخلاقی حیثیت کو متروک انگلیز بنا رہا ہو سکتا تھا۔ لیکن غائب کی نانا غائب کی ذاتی افتادے ایک اور نوعیت کو سامنے نکالا۔ وہ ولیم کوڈل سٹریم کی علمی دلچسپیاں اور اگر کہیں بھی اپنی حیثیت کو سامنے لے آئے اپنے انصاف کو چھپانے کے

غائب کے سہارا کے لیے کوڈل سٹریم کو اپنا چند باب ”رسم ال“ محبوب مدام، علم ہند بنا لیا ہے اور آگے بڑھ کر اپنے خاص مشنوں اور شک کو مخصوص اخلاقی بیان کرتے ہوئے نکلا۔

”اگر وہ اپنی سوسائٹی کے مشنوں کا سلسلہ کے آدمیوں پر چلے آئے گا تو غیر اخلاقی

راتے ہم دگرے اسرقا رہے گا کہ نہیں مسجد کی جگہ رہنا نہیں۔ دنیا کے پانی میں بھل و کار نہیں  
 دکان علم کجورج نواک میں دو چہرہ ہے وہ جیسے تم کا سبب ہے اللہ کو بھی بہرہ مستند  
 ہونے دور۔

دیکھ کے پانی کی روانی جیسا ہوا رہی اللہ کی سی حرکت۔ اپنی غرض اور دوسروں کی قربانی کشنی خوبصورت ہے۔ نصحت ہونے  
 والے کے بدل والہ امت سے عموماً پر تم نہیں کرتے بلکہ جناب دلائل پر دستک آتا ہے کہ وہ لوگ کو لاسٹریم کی سادہ دہرہ کی شہین  
 پائینگ اہم محروم نہ جائینگے۔ پہلو کا منظر کرنے کا یہی گہرے منظر دیکھ کر نمایاں کرتا ہے۔

سپیش کے خالق ہیں دوسروں کا ایک قصہ بھی عکس ہے جو بھی تک اشعار خاکینگر کے دفتر میں ہر کا نظریے نہیں گزرا

یاد اب اس سرور و داد کو

اس خداوند جندہ پرور کو

مشاد و آبا د و مستاد ماں دیکھو

اور ہم سب پہ ہر مان دیکھو

سپاس اس کے جو دل کے کچے بڑے خوش خدا قسم ہے ایک تقریر ہے، لیکن یہ کہ یہ نوٹ خود کو لاسٹریم کے ہاتھ کی تقریر ہو اس  
 نوٹ میں لکھا ہے:-

"یہ سپاس نامہ ۲۰ مارچ ۱۹۶۶ء کو دہلی میں میرے گھر پہنچا جو سوانح نگار کے عہدوں نے پیش کیا تھا

عہدوں کا یہ دفتر اب شہاب الدین خاں، چھاپا خانہ ویش داس اور دلچ سٹیک پر مشتمل تھا۔"

اصل عبارت یہ ہے:-

THIS SPES NAMA WAS PRESENTED TO ME AT MY  
 HOUSE IN DELHI ON THE 22ND OF MARCH, 1966 BY  
 A DEPUTATION OF MEMBERS OF THE DELHI SOCIETY  
 CONSISTING OF HAFIZ SHAHABUDDIN KHAN, CHAND BHAL  
 MENSH BASS, WAJIR SINGH "

ناکردہ گستاہوں کی بھی حسرت کی مٹے داد

یاد اب اگر ان کردہ گستاہوں کی سزا ہے

قیس بھی وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں

تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ہستم ہوئے

- قہرِ مستطیلِ کمالِ دعا نہ ہوا
- پہلے کا شیر کا کچھ نہ مستطیلِ کمالِ دعا نہ ہوا
- جیسا کہ مستطیلِ کمالِ دعا نہ ہوا
- پھر ہوا وحشت کہ ہوا ان مستطیلِ کمالِ دعا نہ ہوا
- پاکستہ خداؤں سے پاکستہ خداؤں کا دعا نہ ہوا
- اسے کمالِ نشانِ حشر سو عزت کیا ہے
- جیسا کہ ہم ہیں وہاں وہی وہی کی ہر ماہی ہے
- کسی کو جسے کے دل کوئی نہاں ہے
- دل سے تری نگاہِ حشر کیسے نہاں ہے
- ہوس کو ہے نہاں کیسے نہاں ہے
- ہاں ہجومِ آشوب سے تباہ نہاں ہے
- نہیں نہاں کا ہوا نہاں ہے
- میں نہاں ہے نہاں ہے

# اعْتِبَارِ نَعْمَةٍ

(نذرِ غالب)

## غالب

### تفہیم خاوند

دل سے گیا پھر بھی اسے دلیر نہ کہا جائے	دل برد و حق آنست کہ دلہر نتواں گفت
بیدار ہے جاں، رستم گزند کہا جائے	بیدار قراں وید وستم گزنتواں گفت
مذکور کہاں دن میں تیرے تیغ و ساق کا	در دزم گیش ناچرخ و خنجر نتواں برد
مخل میں تری باد و ساغر نہ کہا جائے	در دزم گیش باد و ساغر نتواں گفت
مے دیتا ہے دن رات یہ ساقی کہیں کیسے	پیاستہ دم باد و ساقی نتواں خواند
ہمت ڈھکا ہے روز بہ آواز نہ کہا جائے	ہوار تراشد بہت و آذر نتواں گفت
اب بیٹ چکا جو بھی گذرنا تھا فناں کا	ہنگامہ سرآمد پہ زل و دم ز قنصلہ
ڈھکائے ہیں رستم پر سر مشرد کہا جائے	گر خود سستے رفت بمشر نتواں گفت
یہ گرم دوی سائے نہ چٹکی کی طلب ہے	در گرم دوی سایہ و سر مشرد بخیریم
ہم سے سخن طوئی و کوثر نہ کہا جائے	یا عاشق از طوئی و کوثر نتواں گفت
جو راز ہے سننے میں نہاں و غلط نہیں ہے	آں راز کہ در سینہ نہاں است نہ و غلط
بردار کہا جائے یہ منبر نہ کہا جائے	بردار قراں گفت و یہ منبر نتواں گفت

## غالب تذکرہ رفیق خاور

ہو کر نقشِ دولہا اندر قیاسِ سیمہ ما  
 ہو کر نقشِ دولہا اندر قیاسِ سیمہ ما  
 اسے نگاہتِ الفت صیقہ آئینہ ما  
 اسے نگاہتِ الفت صیقہ آئینہ ما  
 وقت تاراجِ غمِ مست چہ پیدا چہ شاہ  
 وقت تاراجِ غمِ مست چہ پیدا چہ شاہ  
 ہمو رنگ از دہخ ما رفت دل از سید ما  
 ہمو رنگ از دہخ ما رفت دل از سید ما  
 چہ تماشا ست زخو رفتہ بحیرتِ بودن  
 چہ تماشا ست زخو رفتہ بحیرتِ بودن  
 صورت ما شدہ عکس تو در آئینہ ما  
 صورت ما شدہ عکس تو در آئینہ ما  
 عرصہ بر الفت اختیار چہ تنگ آمدہ است  
 عرصہ بر الفت اختیار چہ تنگ آمدہ است  
 خوش فرو رفتہ بہ طبع تو خوشا کینہ ما  
 خوش فرو رفتہ بہ طبع تو خوشا کینہ ما  
 محشم زادۂ اطراف بساطِ عدیم  
 محشم زادۂ اطراف بساطِ عدیم  
 گوہر از ہیضہٴ عنقا ست بہ گنجینہ ما  
 گوہر از ہیضہٴ عنقا ست بہ گنجینہ ما  
 نیستستان ترا تفرقہٴ بدوہ ہلال  
 نیستستان ترا تفرقہٴ بدوہ ہلال  
 یادہ بہتاب ہند در شبِ آدینہ ما  
 یادہ بہتاب ہند در شبِ آدینہ ما  
 غالب اشبہ ہر از دیدہ چکیدن داڑ  
 غالب اشبہ ہر از دیدہ چکیدن داڑ  
 خون دل بود مگر یادہ دو مشینہ ما  
 خون دل بود مگر یادہ دو مشینہ ما

## عناص رفیعہ خاور

بہ گیتی شد عیاں از شیوہ عجزِ اضطراب  
 ز پشت دست ما با شد قماشِ رشتے کار ما  
 خوشا جانے کہ اندھے فرو گیر و سراپا  
 ز فویدی توان پُر سید لطف انتظار ما  
 نشستن بر سرِ راهِ تمہیتِ مصلحت  
 کہ ہر کس میرود از غوشِ میگرد و دو چار ما  
 حریفانِ خوش مشقِ ترا بے پردہ دیدھے  
 بیامانِ مژنگشتے موسمِ گلِ پردہ دار ما  
 ہنوز از مستی چشمِ تو می بالندنا شائے  
 بھوج بادہ ماند چہر تو شمعِ مزار ما  
 خوشا آوارگیِ گدردِ نوردِ شوقِ برہند  
 بہ تار و اسنے شہرا زہِ مشتِ غبار ما  
 نہالِ شمعِ زینتِ دیابِیاں ہوتا ہے کاہش  
 گدازِ جو ہر ہستی ہے غالبِ آبیارِ ما

## غالب

ترجمہ  
رفیق خاورد

برہنہ آید ز چشم از جوشش میرانی مرا	آنکھ سے باہر نہ آئے ہے وہ میرانی مجھے
شد نگہ ز قار تسبیح سلیمانی مرا	ہے نگہ ز قار تسبیح سلیمانی مجھے
ہم چرخیں بیگناہی بامن دل و جان کسے	لیٹے ہیں بیگناہ رہ مجھے مرے جان و دل
بدگماں کر دم، اگر دانم کہ می وانی مرا	یہ جانا نہ جانتے ہو "عین" نا وانی مجھے
باہم خرمسندی از دوسے شکوہ ہادرم ہے	اتنا خوش ہونے پر بھی کیا کیا مجھے شکوہ نہیں
تا اندازہ صید پر سہاٹے پہنانی مرا	تاکہ جلستہ صید پر سہاٹے پہنانی مجھے
تا براحت مردم و یکجہ بنانم نامدی	جب سے تری رہ میں جاں دی تو نہ آیا خاک پر
دوڑنے گرویدہ اندوہ پشیمانی مرا	بہن گیا دوزخ یہ اندوہ پشیمانی مجھے
خوشی راجوں سوچ گوہر گرچہ گرد آوردہم	گرچہ خود کو سوچ گوہر کی طرح سٹا لیا
دل پرست از فوق اندازہ پرافشانی مرا	دل ہے پر از ذوق اندازہ پرافشانی مجھے
تشنہ لب بر ساحل دریا زینت جاں دم	تشنہ لب ساحل پر جاں ہے ڈالوں زینت کے سب
گر بوج اندک گمان چین پشانی مرا	موسک پر گر ہو گمان چین پشانی مجھے
با سراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست	با سراج الدین احمد چارہ جز تسلیم کیا
ورنہ غالب نیست آہنگ غزل خوانی مرا	ورنہ غالب کی ہے آہنگ غزل خوانی مجھے



## عناص تہیہ رفیق خاور

از گشت اگر ساختہ پروا خستہ ما  
ہے تجھ سے اگر ساختہ پروا خستہ اپنا  
کفر سے بنود مطلب بے ساختہ ما  
کب کفر ہوا مطلب بے ساختہ اپنا  
پرویدہ نازیم ہر سمت کدہ عجز  
ہر پائے تو لاشہ سرا فرا خستہ ما  
ہم طرحی سودا زوگان تو بجا شد  
کاشانہ اصیاء برا انداختہ ما  
در عشق تو بر ماست دیت اہل نظر ما  
ایروے تو تیغ بخیال آخستہ ما  
حیرانی ما آئینہ مشہرت یارست  
شد جادو بگویش نفس با خستہ ما  
وقت ست کہ جوں گرد ز تحریک نیچے  
ریند پرواہی نفس فاحستہ ما  
ہر جادو کہ از نقش پے شست ہر گلشن  
ہا کیست بہ حبیب ہوس انداختہ ما  
ہم پر جی روا جانتے ہیں اہل نظر  
ایروے تجرہ خبیالی آخستہ اپنا  
حیرانی مری آئینہ مشہرت محبوب  
کوچہ کی طرح ہے نفس با خستہ اپنا  
ہے وقت کہ ہو موج ہوا سے صفت گرد  
ریزاں پرواہی نفس فاحستہ اپنا  
ہر جادو گلشن ترے نقش کف پاسے  
ہے چاک بہ حبیب ہوس انداختہ اپنا

## عالمِ حقیقہ رفیقِ خاور

زمینِ غربتِ جنودِ بادِ انتظارِ بیا  
 بہانہ جوئے مباحِ دستِ زکارِ بیا  
 ایک دوشِ پیوہِ ستمِ دلِ نمی شود خُرد  
 ہر گھم من کہ بیا مانِ روزگارِ بیا  
 بہانہ جوستِ درِ الزامِ مدعیِ شوقِ  
 یکے پر عزمِ دلِ تا امیدوارِ بیا  
 ہلاکِ شیوہِ شکلیں خواہِ مستانِ ما  
 عمنانِ گسہِ شرازِ نامِ تو بہنارِ بیا  
 زما گستی و بادِ بچراںِ سر و پستی  
 بیا کہ عہدِ وفا نیستِ استوارِ بیا  
 و دایع و وصلِ بُدا کا نہ لڑکتے وارو  
 مستزارِ بارِ بر و مدِ مستوارِ بارِ بیا  
 تو غفلِ سادہ دل و ہم نشینِ جاہلِ زست  
 مبتازہ گزرتاں دیدِ بر مزارِ بیا  
 فریبِ خوردہِ نازِ چہا نمی خواہم  
 یکے پر پریشانیِ امیدوارِ بیا  
 زخوئے تفتِ مہا و مشکبِ نازکِ تر  
 بیا کہ دستِ دلمی رود زکارِ بیا

کج کو نہیں یقیں اگر ز صحتِ انتظار  
 یونہی بہانہ جوئے بن اور سستِ زکار  
 ایک دو رنگِ جوئے کیے ہو شادمانِ یہ دل  
 تیرے شاربے کے تو کلفتِ روزگار  
 تیرا مدو بہ التفاتِ وچ گمانِ شوقِ ہے  
 دل کی امید کے خلافِ جانی امیدوار  
 صحتِ جہاں کے لئے خیرِ ضبطِ صبر ہے  
 بادِ بہار کی طرحِ ٹوٹ کے رہ سپار  
 ہم سے قرارِ تو ذکرِ دوسروں سے ہولِ شوق  
 عہدِ وفا نہیں ترا حیف کہ استوار  
 تیرا فراقِ تیرا وصل، دونوں میں اور ہی شرا  
 ہاں تو ہزار بار جا، ہاں تو ہزار بار آ  
 تو ہے کہ غفلِ سادہ دل اور حریفِ فتنہ کار  
 مگر تو جہازہ پردہ آئے، غیرِ سبِ مزار  
 ہائے وہ ناز کے سنو، کیا کہوں دل میں کیا نہیں  
 ایک فز بہ پریشانیِ امیدوار  
 تیرے شراز سے فزونِ نازِ کئی شکبِ جاں  
 آ کہ ہے اب تو جا رہا ہمت سے اختیار

## عبد الحمید عذم

کچھ ہوا اکابر عشق یا نہ ہوا  
 حسن و صو کے میں مبتلا نہ ہوا  
 حسلہ کو اپنا گھر تو مست سمجھو  
 داحسلہ گروہاں کھلا نہ ہوا  
 عین جہنم سے آدمی سے عسلہ  
 لیکن اس بات کو زما نہ ہوا  
 کچھ تو ہوتا ہے۔ شہیک ہو کہ غلہ  
 خیر جو کچھ ہوا۔ بُرا نہ ہوا  
 اُن کے احساں توبہ نہایت تھے  
 انصافاً مرا سبب نہ ہوا  
 مصلحت کے تمام رشتے تھے  
 کوئی جنجال دیر پا نہ ہوا  
 ہائے وہ بد نصیب خطہ رگن  
 جو ترا سائے قبا نہ ہوا

کچھ نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے  
 اک فرشتہ ہوا، خدا نہ ہوا  
 مدعا خود ہی مر گیا جنس کر  
 مشکوے خون مدعا نہ ہوا  
 بات کی آن رہ عین شامت  
 بات کا کوئی فیصلہ نہ ہوا  
 میں نے پیچھا ست مصلحت صلے  
 وہ بھی کچھ سوچ کر خفا نہ ہوا  
 جوئے شیر ایک مرتبہ بلی  
 پھر کوئی مجسم وفا نہ ہوا  
 میں تو در توڑنے لگا سنا عذم  
 پاسباں حوصلہ شہزادہ ہوا

## جمیلہ الدین عاتق

(۱)

ہوئی تاخیر تو مشہر مندا تاخیر بھی تھا  
کیا جانتے کہ ادھر کئی عاتق گھر بھی تھا

(۲)

پہری ہر رات جفا ہے تو یمن اور بھی  
اپنا پاپیشہ بھی گلہ ہے سو گلہ اور بھی  
یوں بھی کچھ کم تو نہ تھا اتنی بہاروں کا جہوم  
ان میں شامل ترے دامن کی ہوا اور بھی  
میں مقرر بھی تھے اظہارِ ندامت پہ نہیں  
آج سے معنی انازاں وا دا اور بھی  
سو برس بد عطل نے غزل پھر لکھوائی  
کم ہوا مدیخہ تو خوب اور بڑھا اور بھی

عمر بھر شہت و حشمت سے نیا ہی ہم نے  
گو ہمیں مدیخہ عزاں باری زنجیر بھی تھا  
اُسے یہ جبرِ خوشی کہ ہم اس مصل میں  
ایسے تازاں ہیں کہ گویا یہ تفریح بھی تھا  
حیف عاتق بھی غزل اُس کی غزل پر لکھیں  
وہ جو غالب بھی تھا اور معتقد میر بھی تھا

ملہ حضرت علامہ الدین عاتق عاتق عاتق عاتق کے واسطے ۔

### شیر افضل جعفری

دل کی شہن پہ چہنگ اٹھی ہے کیا مورچ شرب  
 دے رہی ہے مجھے کھاگن کا پتا ' سوچتا شراب  
 جلتے بجھتے ہیں ہے جوات پہننے میں کہاں  
 کبھی دیکھ، کبھی ملہا رُسدا مورچ شراب  
 رُوح میں پہلے چمکتی رہی عیسیٰ کی طرح  
 دے گئی پھر اسے بھل کی ادا، سوچ شراب  
 یہ تو کروں کو ہمشبیل پہ جنم فرماتا ہے  
 خطِ تقدیر کھینچا اور کھینچا مورچ شراب  
 گسنگناقی ہوئی آنکھوں کے بھل دُوروں میں  
 کوئی تہا سے لٹت راگ ہے یا مورچ شراب  
 آرتی کرنے کو چڑھتا ہے بھارن کی طرح  
 من کے مندر میں جلتا ہے وہ مورچ شراب  
 دُور بوتل میں تو یہ آگ پر ہی لگتی تھی  
 آگے ہونٹوں پہ ہوئی آگ، بقا مورچ شراب  
 پس کی رات میں مسختر ہے ہوئے زاہد کے لئے  
 بن گئی جیٹکی دھوپ اور ضیا مورچ شراب

## جمعہ طاهر

سب الفاظ نہ یہ طرز معانی مانگے  
آج کا دور تو آشفستہ بیان مانگے  
صبح اک زخم جو ہر گل کا گرجانی ہے  
شام چھائے تو چمن مرثیہ خوانی مانگے  
آنکھ اک ابو شفق رنگ بنے اور پرے  
غم کی یہ آگ تو غمنا بہ نشانی مانگے  
اب جو اگلے توکان بن گئے سورج فرات  
آج اک تیر مری تشنہ دہانی مانگے  
یہ نگاہوں کا پیچھے یہ زبانوں کا سکوت  
اور کیا موت کی قوم سے نشانی مانگے  
مژدہ امن و اماں نفوذی نور من حیات  
آج اندازِ بخت عالمِ خانی مانگے  
کاروائی تشنہ ہے یاد کوئی چشم پھٹے  
چشمِ صحرائیں زمرم کی روانی مانگے

ہمتِ عشق سے کمزور خبردار نہیں  
آگ سے بھول تو پھر سے یہ پانی مانگے  
گوریا، مصر، فلسطین، جنوں و قیام  
آج کیا کیا نہ تری ریشہ روانی مانگے  
ہم تہی دست و سخن مست قلند و مہیلبے  
جلنے کیا ہم سے دنیا یہ روانی مانگے  
تختِ دل پر اسے برسوں سے بھارا کھابہ  
کیا گردن یار تو اب تاج کیانی مانگے  
غمِ فراق میں کیا پھوٹ کے دھتے ہیں پیاز  
اسے کیا لہو شیریں یہ کہانی مانگے  
دیکھ یہ طرز و طراز سخن و طورِ کلام  
دادِ غالب سے مری، امجدانی مانگے  
ہم شہنشاہوں سے واقف نہیں جعفر طائر  
ہم سے ہیبت کوئی نوخیز جوان مانگے

## یزدانی جالندھری

تسلیم درضا شیوہ اربابِ وفا ہے  
ہیں زخمِ یکجے میں تو ہنٹوں پہ دعا ہے  
تہائی میں یوں بھی مجھے موس ہوئے  
میں طرح کوئی میری طرف دیکھ رہا ہے  
اک حشر شبِ حیر کے پہلو میں پہلے  
تہاں کا بر لو مجھے ڈسنے لگا ہے  
جرا نکم ہے تصویر سی ہے سوزِ دہوں کی  
جھاٹک ہے آئینہٴ احساسِ وفا ہے  
دُستِ نذا کوئی ساتھی جو کہیں دشتِ وفا میں  
اک اپنا ہی سنا یہ مجھے ہمراہ ملا ہے  
اب دیکھئے ہنگامِ سحر ہوتا ہے کیا رنگ  
یہ دل کا دیا جلنے کی حد تک تو جلا ہے

مغرور نہ ہو خود پہ قرآنِ شمعِ فروزاں  
پرداسے کی آنکھوں میں کوئی اور ضیاء ہے  
دُعا کن کی عجب صُوت ہے دیرانہٴ دل میں  
بیسے کسی دیوانے کے گرنے کی صدا ہے  
اس طرح الگ بیٹھا ہوں صحرائے وفا میں  
جیسے کوئی نغمہٴ دلِ مطرب سے بجا ہے  
ہے مطلبِ حالات پہ یوں مہرِ تغیر  
بیسے کسی شاعر نے نیا شعر کہا ہے  
افشاءِ حقیقت ہے حقیقت میں بڑا ہم  
منصور ہے یہ مازِ مہر دار کھٹلا ہے  
یزدانی سے ملنے چلے آئے ہیں بگولے  
پر جا دلِ وحشی کا بہت دور گیا ہے

## شرقی بنے شاد شوق

صرف اتنی سی نسبت ہے مجھے زادِ سفر سے  
سرمایہ مری راہ کا ہر عنصرِ شہ پاس ہے  
رہنے دو مجھے خوشہٴ ظلمت میں ہی بارہ!  
ہر نام اُمالوں سے اندھیرا ہی بھلا ہے  
تسکین کی باتیں بھی بڑی چیز ہیں یس  
دل محو رہے تباہی، مہیا اب نہا ہے  
بکھرے ہیں ہر اک راہ میں اشکوں کے نشانے  
مطلوب بہت شہرِ رنگاراں کی ہوا ہے  
میں خوب کے بھی زندہ جاوید ہوں شرق  
ہروں نے مرا نام سمندر پر لکھا ہے

جنا ہے ہیں آج تو یہ کس کی خطا ہے  
خود سوکھے ہوئے پتوں نے شلول کو چنا ہے  
رنگ اس کا ہے شامل مری خوشبوئے فنا ہے  
یوں کہنے کو ہر پتوں بہاروں کی عطا ہے  
یہ فیصلہ کرنا بڑا گوشوار ہوا ہے  
تو کب سے مرے ساتھ ہے تو کب سے قبا ہے  
نغمے ہی نہیں بکے ہیں اب نغمہ سرا بھی  
دلچسپ بہت جرمِ بصیرت کی مزا ہے  
وہ شمعِ طرب ہو کہ چراغِ شبِ ہجران  
ہمدانہ ہر اک رنگ میں پا بند فنا ہے  
اب من و مہبت میں کہاں رشتہٴ خاطر  
انسان خود اپنے ہی عناصر سے خفا ہے



## حزب سے لڑنا ہیانتوہی

بہر شو، سر کی، جاں کی، تن کی، من کی آزمائش ہے  
 "جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے"  
 چمن ویران، غل، اندر وہ، ہوا ساکت، فضا وحندلی  
 وہ موسم ہے، مشرا براہل فن کی آزمائش ہے  
 کڑکٹی بھلیاں ہیں، آندھیاں ہیں، یخ ہوائیں ہیں  
 شجر کی، شاخ کی، گل کی، چمن کی آزمائش ہے  
 مہر و شستہ دشا ایسی ہوائیں چل پڑیں یا رو  
 گویاں کیا، بدن کے پس من کی آزمائش ہے

کہیں آئینہ بندی ہے کہیں گھر عمر ہے ویرانی  
 خرد کے شہر میں دیوانہ پن کی آزمائش ہے  
 اسے تیشے کے راتوں کی چپٹا نہیں کاٹنا ہوں گی  
 نئے انداز سے اب کوہ کن کی آزمائش ہے  
 فضا کو جھگڑا ہے، چراغوں کو جھلانا ہے  
 اندھیری شب ہے، اہل انجن کی آزمائش ہے  
 مہتاب کی کج کلاہی خستہ ہو جانے کے دن آئے  
 سہرے مقل ہمارے بانگپن کی آزمائش ہے  
 وہاں سنا امتحان مقصود وصال کی کشت کا  
 یہاں قرآن حزقیہ ہر اہل فن کی آزمائش ہے

## امورِ حارث

حسِ کیم ناز میں مندرقِ مراتب درمیاں کیوں ہو  
 تکیا زبے سرو سے اماں سرِ یغیر آساں کیوں ہو  
 یہاں ہر لحظہ برق و باد کی ہنگامہ آرائی  
 جسے ہے فکرِ فردا وہ قریبِ آشتیاں کیوں ہو  
 کیا ہے قصداً اس در کا بعد سے اماں کی رسوائی  
 گریباں خندہ زن جب ہے تو خوفِ رازداں کیوں ہو  
 ابینِ ماز میں حساں و مغیلاں و شمعِ عزت میں  
 لبِ گلِ پائے رنگیں پر جنوں کی داستاں کیوں ہو  
 پیغامِ آشتیاں سب سے بیگانہ دیتا ہے  
 چمنِ دلاور! نہیں پھر فکرِ لطفِ باغیاں کیوں ہو  
 دلِ بے راہِ روا جب ہر قدم پر فکرِ منزل ہے  
 مرا ذوقِ سفرِ رہن و رائے کا رواں کیوں ہو  
 ادائے خاص سے اس بحر میں حارثِ غمخوار ہے  
 ولے ہر شعر میں صائب کا اندازِ بیاں کیوں ہو

## کشتارِ پاشی

دل کی صدائے دردِ یونہی بے اثر گئی  
 لفظوں کی اک لڑی کہ گرمی اور بھر گئی  
 اک چاند کی تلاش میں اپنی یہ زندگی  
 عظمت کے اک عبق سہنور میں اُتر گئی  
 منظر کھٹلا جو سامنے اُن کے سماں کا  
 دنیا مرے خیال کی رنگوں سے بھر گئی  
 تپکے دیا بہ خوابِ طرب سے تو کیا ہوا  
 اک دشتِ بے کراں تھا جہاں تک نظر گئی  
 اک شعلہٴ فنا تھا جو تن من جلا گیا  
 اک موجِ سخی ہوئی جو سر سے گزر گئی  
 مشغول میں کہہ گیا ہوں میں پاشیِ صومیلِ دل  
 غالب کی یہ زمیں بھی بڑا کام کر گئی

## حسنِ اکبر کمال

نہ تھا پہلے سے وہ بدلا ہوا کسی  
 کہا کیا میں نے اور اس نے سنا کیا  
 تھی اپنی خوش گمانی، درد اس سے  
 عشق تھا نہیں تو ٹوٹا کیا  
 یہ آنکھیں مجھ دیں پہل کر نے  
 مجھے تھرتھگے میں خواب کیا کیا  
 تب تم اب بھینپاؤ ہے ہوں کا  
 گہا، تو نے کیا وہ مجھ سے کیا کیا  
 شب و روز تھا کا ہے سب کہیں  
 صنم نا آشنا و آشنا کیا  
 نہ پا کر بھی اُسے ہم ہیں اُسی کے  
 اسی کو لوگ کہتے ہیں وفا کیا  
 یہ خالی گھر نمائش کے لئے ہیں  
 کسی بھی در پہ اب دیکھو صدا کیا  
 یہ آنکھیں اس قدر دیوانہ کہ تھیں  
 کوئی آسیب ان میں بس گیا کیا

وہ غم ساتھ پر چپائیں کی صورت  
 کمال اپنا ہی تھا آشنا کیا

## پیکرِ واسطی

انتظارِ موسمِ محفل کیا مسہرِ خواب تھا  
جو تہتم کا ورق تھا آنسوؤں کا پاپ تھا

یوں جہاں مغز کی سمت اٹھے پائے شوق  
راستے ہی راستے تھے نقبِ پانا پاپ تھا

کون بڑھتا کشتیِ عمرِ بھراں کھیتا ہوا  
وقت کا دیا حیدرِ نفا رہ نکل پایا پاپ تھا

وہ گیا منتِ کیشِ مفہومِ لطفِ نعلی  
ہر قرآن اک صلائے محشرِ اسباب تھا

## شاہینِ شریعت

حسابِ دوستان میں اور کئی دویاں کیوں ہو  
بھینسِ مسرِ فروشاں بھی رہیہ آساں کیوں ہو

دلِ دیوانہ پا بتیرِ جرسِ کس واسطے ہوتا  
مہینے ہونے جب منزلِ قرباں کا دہلی کیوں ہو

مری دیوانگی کی محبت ہی لائے سنی پریش بھی  
سنی تم نے جو غیروں سے وہ میری داتا کیوں ہو

پہلے ہے چہ پیشِ نیلی نام سے منزلِ تری شاہین  
مردِ انجم کہاں کے اور یہ جدا سماں کیوں ہو

## منتخب اشعار

کیا کہیں ہم کما زل ہم سے ملی سکتے ہم کو  
ایسی تنہائی کہ تم سے بھی مدد نہ ہوا  
لوگ ہم جیسے تھے اور ہم سے خدا ہی کے طے  
ہم وہ کافر ہیں کہ ہم سے کہیں سجدہ نہ ہوا  
ہیں مرے پاؤں سے پہنچ رہی آکام کی گرد  
دل کا آئینہ کچھ ایسا تھا کہ دھندلا نہ ہوا  
ابھی سوچا ہی تھا میں نے کہ اتنا الحق کہہ دوں  
کون بھتا جو کہ مری جان کا پیا سا نہ ہوا

### مکا امروہیہ حسنہ

دل وہ شعلہ ہے کہ کچھ بھجے کچھ بھی ٹھنڈا نہ ہو  
منہ سرد آگ کا بہتا ہوا دریا نہ ہوا  
حسرت و خواب و تمنا کا وہ ہنگامہ رہا  
مدتیں گزریں کہ خرواپنے سے ملنا نہ ہوا

### آلے احمد سرور

دل میں آگ کچھ تو باقی ہے ابھی ان کے لعل  
گرچہ خوابوں سے کبھی گھر میں اُجالا نہ ہوا  
تیری خاطر میں سراووں کو بھی دریا بہتا  
پہرے دہیہ بینا کو گوارا نہ ہوا  
شہر میں سب پر سیاست کا جنوں طاری تھا  
کوئی سفاقتِ آدابِ تمنا نہ ہوا  
زندگی اور محاذوں میں لیکوں میں آسیر  
یہ تواریب و محبت کا طریقہ نہ ہوا

### تھیلین الرحمن علی اعظمی

خود بخود دور کبھی دل کا اندھیرا نہ ہوا  
جب تک اس خاک سے ہیں کوئی شعلہ نہ ہوا

### آنتا ہے ششوی

ہم نے دیکھا کہ کسی غم کا مداوا نہ ہوا  
روح کے ساتھ اگر ہم بھی پیسا نہ ہوا  
میں بھی کہ نہ سکا کوئی غزل اے ششوی  
بدردِ ذہن پہ جب تک کوئی چہرہ نہ ہوا

### قادر شاہ کھٹکائی

دشتِ اسکاں میں اک آواز کا تھلپ  
لب کشا کوئی اس عالم میں دوبا ماند ہوا  
اپنی تصویر وہاں بھی نظر آئی مجھ کو  
یہ بھی اچھا ہوا صحرایں پوریا نہ ہوا

### صباحِ ایسی

اے وادیِ سراب یونہی رہنا جلوہ گر  
ممکن ہے آگے پھر میں یہیں آرمیدہ ہوں  
حرف اور لفظ دست و گریباں میں مجھ سے بڑا  
گووانے ادب کا میں کوئی جریدہ ہوں

انتخابِ ازبکارہ بہترین غائبِ مکتوبی  
نہا ہتام اجنہ اردو کے مکتوبی غائب

حیرت کے لئے بن ہاں ملتا ہے ہم کو  
سرد اک پہل کو یہی احساس کا سحر نہ ہوا  
یہ بھی کیا کہ ہے کہ تنہائی کا غم ساتھ رہا  
میں بھی غلوستِ دل میں بھی اکیلا نہ ہوا

### شمس سرکیاں

آندھیاں آئی تھیں لیکن کہیں ایسا نہ ہوا  
خوف کے مارے مجھ اشارے سے پشیمان ہوا  
خوب دُنیائے کہ سوچ سے ثابت تھی نہیں  
اُن کو نہ مل کسی دیوار کا سایہ نہ ہوا  
وقت کی ڈور کو تھامے رہے مضبوطی سے  
اور جب چھوٹی تو افسوس بھی اس کا نہ ہوا

### فیثشہ پور سید

احساس کو یہ ناز کہ وہ لفظ سے بلند  
فغے کو یہ غرور کہ میں ناشیدہ ہوں  
دردِ اذہ زندگی کا ہتھیں میرے واسطے  
خوش قاصدی کے جرم میں کب سے خمیدہ ہوں  
یہ زندگی اکائی ہے تقسیم کیوں کروں  
میں بھی نئی کتاب پُرانا جریدہ ہوں

# گوشہ بساط

(نئے مضامین)



## مولانا عیلام رسول مہر

# فکر غالب کی معجزاتیات

## حکیم غور طلبہ کا انتخاب

وہ تم ہر صورت غالب چیدہ ہم نہاؤ  
تاؤ دی تم کہ سر مست سخن خواہ شدن

شعر کے بڑے عشق وہ ہیں، جن تین اور لطیف اماہیں مضمون اچھوتا، دل پہ ہر، بلند اور حقائق زندگی سے  
گہری وابستگی کا حامل ہوا اور اسے بیان ایسے انداز میں کیا جیسے کہ کوئی ضروری گوشہ نظر انداز نہ ہونے پائے۔  
کچھ صوبہ بانگ میں اور فطری ہیں، اسے عمل زندگی سے جتنا گہرا تعلق ہوگا اسی کے تناسب سے وہ دونوں کو  
سمجھائے گا اور زبان پر جاری ہو جائے گا۔

میرزا غالب کی متعدد خصوصیات ہیں، جن کی جامعیت کے باعث وہ شعری دنیا میں منکبت کے لیے تمام  
برفائز ہو گئے۔ بلکہ حقائق بیان میں روشنی کا ایسا سینارہن گئے، جس کی جلد ریختروں اور نورانی خیوں سے افق  
حیات پر پروشیاں رہے گا۔ قدرت نے انہیں ایسی ہر گیر و ہر دس نظر عطا کی تھی کہ وہ ہر صوفی کے طبع و  
فطری ماحول کا اندازہ ٹھیک ٹھیک فرما سکتے تھے۔ یہاں تک کہ کوئی ضروری تحریک طلب پسواں سے اوچل نہیں  
ہونے پاتا تھا۔ کچھ اسے بیان کرنے میں ایسا انداز اختیار کر لیتے تھے جس میں مضمون کے تمام پہلوؤں کا مستقیم  
پرجا من ہو جاتا۔ شعری معنویت سے پوری طرح آگاہی حاصل کر لینے کے بعد خود بخود یہ حقیقت بھی ہر فرد  
پر عیاں ہو سکتی ہے کہ اس سے بہتر انداز دنیا ہر ممکن ہی نہ تھا۔

## مصطفیٰ خان شفیقتہ کا بیان

نواب مصطفیٰ خان شفیقتہ مرحوم نے، گلشن بے غار میں میرزا کے متعلق لکھا ہے :  
مضامین شعری را گما ہو حقیرے فہم وہ چھ نکات و لطافت

چلے ہی برد واری لفظی ہے است مخصوص یعنی اہل سخن۔ اگرچہ سخن شناس  
 داری پر ایسی نکتہ دہری، چہ خوش فکر اگرچہ کیا اب است، اما سنی ہمیں  
 کیا اب تر..... بالکل جہیز نکتہ سنج نغز گفتار کمتر مرئی شد۔  
 اس اقتباس کا مفاد یہ ہے :

- ۱۔ میرزا غائب معاش میں شہری کو اسی طرح کہتے ہیں جو کہنے کا حق ہے۔
- ۲۔ وہ تمام نکات و لطافت کی جہر تک پہنچتے ہیں۔
- ۳۔ اس حقیقت کا صحیح اظہار صرف سخن شناس طبیعت ہی کر سکتی ہیں۔
- ۴۔ اگرچہ خوش فکر ہی کیا اب ہیں مگر سخن فہم کیا اب تر ہی۔
- ۵۔ فرض آیا نغز گفتار نکتہ سنج بہت کم دلچسپ تھا۔

### اردو مکاتیب میں مثالیں

داخلی وجہ کہ غائب مصطفیٰ خاص شہید، میرزا غائب مسک بہت بلند مرتبہ معنوی راہ اور نکتہ شناس بزرگ  
 تھے، اور میرزا کے شہنشاہوں نے جو کہ فرمایا اس کی تائید میں میرزا کے اردو مکاتیب سے متعدد اقتباسات  
 پیش کئے جاسکتے ہیں۔ جن میں انہوں نے غزنی یا ظہوری کے اشعار یا بعض لہجے اشعار کی مشہور کی۔ ان عبارتوں  
 سے پورا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح مشہور کا ایک ایک جملہ اور لفظ اللہ کے پیش نظر رہا تھا اور وہ ایک ہی حرف  
 کو معنویت کی آرائش سے بے معرفت یا بے سلی نہیں سمجھتے تھے۔

میں فروزید کو خوش فکری کے علاوہ خوش فہمی میں یہ درجہ کمال حاصل تھا، عزیز فرمائیے کہ اس کے اپنے  
 اشعار میں یہ تا دیر صلا حیت کس اعلیٰ پایا سے صرف ہوئی ہوگی۔ ذیل میں اسی صلاحیت کی بعض کثرت فرمائیں کہ  
 ایک سرسری خاکہ پیش کرنا منظور ہے۔ اس خاکے کی روشنی میں آپ میرزا کے پورے اردو اور فارسی کلام کا جھٹکا  
 زیادہ معائنہ فرمائیں گے یقین ہے کہ اس سے میرزا کی عظمت و برتری کا زیادہ بڑا نقش آپ کے قلب و ذہن  
 پر مرتسم ہوتا جائے گا۔

میرزا انتساب کردہ مومنوں پر عیب وہ نہیں تاہم تنبیہ میں ایک مثال پیش کر دینے سے آپ پر اصل وقفا ذیل  
 واضح ہو جائے گا۔ سب سے پہلے اس مثال پر غور فرمائیے۔

### غزنی کا ایک شعر

قرنی کے ایک انتہی قصیدہ کا یہ شعر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے کہ  
 لوزید بود حکایت دوازتر گفتہ  
 چنان کہ حرف عصافعت موسیٰ اندھ

ظاہر ہے کہ قرنی نے دراز نفسی کے لئے پوشاں ہیں، وہ سورہ طہ کی چند آیات کو یکے سے ماحفظ ہے۔  
طور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ چھا گیا تھا کہ اسے موسیٰ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا کہ یہ میرا عصیہ (ہذا عصای)۔

اس سوال کا جواب اتنا ہی تھا، اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ یقیناً یہ پوچھا نہیں گیا تھا کہ یہ کچھ تیرے اپنے ہاتھ میں ہے اس سے کیا کیا کام لیا جاتا ہے، تاہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اصل جواب پر گرنے نہیں بلکہ عرض کرتے گئے کہ اس عصیہ میں :

چھپنے میں سہارا لیتا ہوں، اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے چھاڑتا ہوں، اور میرے لئے اس میں اور بھی گونا گوں فائدے ہیں۔

سوال پیدا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کب، بنا پر جواب کو اصل حدود سے آگے بڑھایا؟ کلام کو مل کیوں دیا؟ قرنی نے اپنی دراز نفسی کا اعجاز چٹھ کر کے ہوئے کہ وہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لذت گفتگو کی صورت میں جواب کو پھیلنے لگے، قرنی کے نزدیک اپنی دراز کلامی کا سبب یہی تھا۔

### ”لذت حکایت“ یا ”ذوق حضوری“؟

یہ معاملہ ہمارے حضرت علامہ اقبال کو بھی پیش آیا، تو انہیں قرنی کی توجیہ پسندیدہ معلوم نہ ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس توجیہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقام کلام سے کوئی مناسبت نہ تھی، علامہ نے باطل نئی توجیہ پیش کی، اور آپ کو سننے ہی یقین ہو جائے گا کہ حقیقی صبح اور آفتاب توجیہ وہی تھی، جس پر علامہ کی نگاہ ٹکتے دسوں پہنچی۔ کہتے ہیں :

یہ حرف سے قوافل گفتگو قفس کے جہانے را

من از ذوقی حضوری طول و ادم داستانے را

یعنی دنیا بھر کی مثالیں اور آرزوئیں حقیقتاً ایک حرف میں ادا کی جاسکتی ہیں، جس طرح قرنی کہتے ہیں :

تمام بود بہ یک حرف گرم و ماحافل

حکایت کہ ہر نامت نامہ می گفتند

لیکن مجھے ذوق حضور کی داہمیت نے داستان طرازی پر مائل کر دیا۔ حق یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا پھیلنا، ذوق حضور ہی کا اثر تھا، کیونکہ حب تک معروضات کا دامن وسیع ہوتا جاتا، شرف حضور حاصل دیتا، حضرت کلیم اضطرطیہ العلوۃ والسلام کا مقصود حقیقی اپنی داستان کی لذت نہیں ہو سکتا تھا، صرف ذوق حضور ہو سکتا تھا۔

قرنی بہت بڑا شاعر تھا، کسی ایک معاملے میں مجھے توجیہ تک تارسانی کے باعث اس کی عظمت پر کوئی اثر

نہیں پڑ سکتا۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ قدرت ہر معاملے میں حقائق کے دروازے کسی ایک ہی قلوب پر نہیں کھول دیتی۔ ورنہ نے خود ایک قصیدے میں بواخرج اور اقوری کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ بلے شک :

اول رو میں نغم خروائشاں بہ سپرد و  
پس باز نمودیم بہم منزل ہم را

### میرزا کا اہمیت شعر

اس ہندی تحریر کے بعد آپ میرزا غالب کا ایک سادہ سا اردو شعر ملاحظہ فرمائیں :

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ و غاسے چھوڑوں  
وہ ہستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

ہنایت سلیس اور عام فہم الفاظ ہیں، جہتیں پڑھے وقت خاص منوہیت کا احساس نہیں ہوتا اور کہے یقین ہے کہ شاید ہی کسی کی نگاہیں اس شعر پر رکی ہوں یا اس پر خاص غور و فکر کی ضرورت سمجھی گئی ہو، لیکن آپ سوچیں گے تو اس میں معارف کا ایک عجیب و غریب مرقع نمودار ہو گا اور پتہ چلے گا کہ اس کا ایک بھی لفظ ایسا نہیں جو میرزا کے اس شعر کا مصداق نہ ہو :

عجمیہ ستم معنی کا ظلم اس کے کچھے  
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

### معارف کی دنیا

۱۱) اس شعر کا مرکزی مضمون و قلب ہے لیکن وہ وفا نہیں میں کا ذکر اردو اور فارسی کے بے شمار اشعار میں ملتا ہے۔ حالانکہ اس کی اصل حقیقت سے نہ کہنے والوں کے قلوب و اذنان آشنا ہوتے ہیں اور نہ سمجھنے والے پٹھنے والوں پر اس سے کوئی اثر مرتب ہوتا ہے، شاید ایسے ہی عالم تاثرات میں میرزا نے کہا تھا :

ہے یہ وہ لفظ کہ ستم مندۂ معنی نہ ہوا

۱۲) وفا کا مطلب ہے 'اہم اور بلند مقاصد کے لئے استقلال و استقامت کے ساتھ ہر وہ جدوجہد کا پیمانہ بذبح اور کسی بھی حالت میں اس سے روگرداں نہ ہونا۔

۱۳) اس پیمانہ و فک کے داعیات و لوازم کی بجائے آدری مہل نہیں۔ جب اجتلا و آزمائش کی زمہ و گردا زمین سے سابقہ پڑتا ہے تو بڑے بڑے ہاں ہاڑوں اور مذاکاروں کے پائے ثبات میں تزلزل آجاتا ہے۔

۱۴) میرزا کہتے ہیں کہ پیمانہ و وفا پانچ تو لیا تھا، لیکن نظم قدم پر کثافت و حوادث کے طوفانہ لٹنے شروع ہوئے اور آلام و مصائب کی، بھلیاں ہر طرف کوندنے لگیں تو قلب و روح پر سراسیمگی طاری ہو گئی، خیال آیا کہ شاید اس امتحانِ دار میں استقامت آخری دم تک ساتھ نہ دے سکے۔ یہ پوری داستان زیر غور شعر

کے صوفیوں و غفلتوں میں بیان کر دی ہیں۔ ۱۰ تذکرہ وفا۔

(۵) مردان کار کا سفیر و شاعر یہ نہیں ہوتا کہ کوئی عہد کر لیں تو آزمائشوں کے قوت سے ٹھہر کر اسے توڑ دیاں یا اس کے واجبات اور کسے سے گناہ کش ہو جائیں۔ اضطرابی حالت سامنے آگئی تھی۔ وفا کے تعاضدوں کو ہر دلی بھی ممکن نظر آتا تھا اور ان کی تکمیل میں ہر نظر موت کی تلخیوں کا جام زہر میوں سے دھوئے رکھنے کی ہمت بھی ساتھ دیتی معلوم نہیں ہوتی تھی :

مجھے کیا بُرا تھا سزا نگر ایک بار ہوتا

کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔

(۶) یہ تو ممکن نہ تھا کہ عہد وفا توڑ دیاں۔ یہی مناسب سمجھا کہ جان سے دینے تاکہ مستقل عذاب الیم سے نجات مل جائے اور وفا کا دامن بھی واہزار نہ ہوسکے۔

(۷) لیکن محب و عاشق کوئی کام محبوب کی رضا مندی کے بغیر کر نہیں سکتا تھا، جس سے پیمان وفا باندھا گیا تھا۔ مرنے کے لئے بھی ایک طرف فیصلہ حال قطعی تھا۔ سو چاک چلہ محبوب سے اذن لے کر امداد وفا سے چھوٹ جائیں۔

(۸) محبوب کی بارگاہ میں پہنچنے تو مرنے کا اذن بھی نہ ملا اور عاشق کے لئے جاں کاویں کے قیامت لگے ہیں وفا کے نقشے پر اسے کہنے کے سوا چارہ کار نہ رہا۔

### حاصل مطالب

پھر ملاحظہ فرمائیے کہ یہ سب کچھ ماضی کے ایک واقعے کی حیثیت میں بیان کیا، راہ وفا کے طوفان حادثہ و جہانگ کی کہانی بھی مستادی، میں میں شب و روز زندگی گتارنے کے بجائے جان سے دینا ہزار مرتبہ سہل تھا۔ پیمان وفا پر استواری و استقامت کا درس میں اپنے عمل سے دے دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ میں معذور رہنا نہ محبوب کے سوا کچھ نہیں جو سکتا۔

یہ اس شعر کی مسزیت کا سرسری نقشہ ہے۔ یہی ہے اصل مشاعری، جس کی یہ دولت آج میرزا کی مریدان پر بھی حالی پر اسے پرمانی جا رہی ہے۔ میرزا کے علاوہ کسی عالمی شاعر دنیا میں موجود ہیں تاہم ہمیں اتفاق ہے کہ عالمگیر تعلیم و برتری کا یہ مقام کسی طور پر آج تک کسی کو نہ ملا، اور اس کی ابتدا قدرت نے میرزا کے لئے مستعد رکھی۔

### ہیرانی تو حیات پر منحصر کیوں ؟

پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ ہم اس شعر یا ایسے ہی دوسرے اشعار کی ان ہیروں پر کیوں مصرع کی ہوسٹا زمین کام غالب نے وقتاً فوقتاً لکھیں۔ کیوں یہ نہ کہا جائے کہ میرزا نے اس شعر کے ذریعے سے جہنم مقاد

کے لئے جانیں ڈال دینے کی دعوت دی ہے۔ ساتھ ہی واضح کر دیا کہ اگرچہ اس منزل میں کام زنی کا وہ دے دینے سے بھی بددجھا زیادہ ممکن ہے لیکن جن مہنوں میں خیر و جہ و انسانیت کے لئے بلند مقام کی آگ بھڑک رہی ہو ان کے لئے ہرگز زیادہ نہیں کہ یہ راستہ ترک کریں یا جان دے کر کسی دجہ کی سختیوں اور مشقتوں سے نجات حاصل کر لیں یا نہیں۔ انہیں تمام معاشرہ مراد نہ دار پر ہوا شغفہ کیٹھنے چاہئیں تاکہ آنے والی نیلیں راحت و اطمینان کی فضا میں سانس لیں اس کا نام عزیمت ہے جو اٹھانیت کا سدرۃ المنتہی ہے۔

اب آپ یہ شعر دوبارہ پڑھیں :

میں نے چاہا تھا کہ اذوق و فاسے چھوڑوں

وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

محبوب کے لئے ستم گر۔ کا لفظ میں ملن و مقام پر استمال کیا ہے وہ عاشق کی انتہائی محبت و شفیقتی کی دستاویز ہے اس شفیقتی کا صحیح اندازہ وہی اصحاب فرما سکیں گے جنہیں شمر کی سنو سی لذت کے ساتھ الفاظ کے مقام و ملن کا صحیح اندازہ ہو۔

### نظیری اور غالب

یہاں اب صرف چند ایسی شاعریاں پیش کروں گا جن سے آپ پر واضح ہو جائے کہ ہندوئی مصنفین میں میرزا غالب کی وقت نذر، کہاں کہاں مشاعری کی حقیقت میثیت کیا تھی۔

نظیری کا ایک شعر ہے :

یہ میرانی ازای خام کہ از تشویش آزاد

نہرے سائے نہ دارم تاکہ از دست من گریز

میں برہنہ پر غرض ہوں اس لئے کہ تشویش سے نجات مل گئی۔ میرے پاس کیا س ہے ہی نہیں جسے کوئی چھین لے جائے گا۔ یہ ملائق و بھری سے انقطاع کا معاملہ ہے۔ مصنفین اچھا ہے مگر محض اداکارہ گیا، اور اس میں واقعی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ لیکن بے سرو سامان ہوتے؟ اس کا سبب کیا سمجھا جاسکتا ہے؟

میرزا غالب نے بھی مصنفین لیا تو یوں پوچھ لیا :

نہ مستحق کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا

کہ کھٹکا نہ چھدی کا دعا دیتا ہوں دہن کو

گویا میرزا نے یہ کہنا پسند کیا کہ میں بے سرو سامان ہوں اور اس پر غرض ہوں۔ کہا کہ سامان تھا لیکن وہ بھی کی روشنی میں رہنمائی کرے گیا اور بہتر دن ہی کے وقت یہ زور دے جیسے کہ ہے۔ رات آئی تو بالکل بے سرو سامان تھے۔ اس صورت حال میں اطمینان خاطر کا یہ پہلو پیدا کر لیا کہ چوری کا کھٹکا اور غرضتہ باقی نہ رہا اب بے غور و بے خبر ہو کر سوئیں گے۔ یہ بیان کرنا تفصیل حاصل ہے کہ سونے کا وقت رات ہی ہے۔ وجعلنا

اکتیلین مہاسنا و جھلنا انسان و معاشرہ۔ اصلاً قذافی خاطر کی ضرورت مانت ہی کو پیش آتی ہے اور چڑھا کا خوف مانت ہی کو ہوتا ہے نہ کہ دن کو۔ گویا میرزا نے ایک ادعا کی معنوں کو ہر پہلے طبعی، فطری اور قرآنی ضرورت دے دی۔

### حلقہ صد کام شہنگ

نکیر کا ایک اور شعر ہے :

تنتائے گہر سر عشق دام داد و دے دریائے

کو در ہر گام صد چالادہ ہر گام شہنگ فند

گوہر کی گزند و بچہ اس دریا میں سرگرداں لئے پھرتی ہے جہاں قدم قدم پر سو سو مرتبہ شہنگوں کے حلقوں پر سے گزرتا پڑتا ہے۔ پڑا ہی عمدہ شعر ہے لیکن میرزا نے ایسا ہی معنوں اردو میں بانٹھا تو اسے زمین سے آسمان پر پہنچا دیا۔ فرماتے ہیں :

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام شہنگ

دیکھیں کیا گندے بے فکرے چہ گہر ہونے تک

نظیری کے شعر کا مطلب یہ تھا کہ انسان کو اعلیٰ اوصاف و صفات سے پیدا کرنے میں بڑے خوفوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ نفس اور شیطان دونوں قدم قدم پر رہزنی کے لئے آمادہ رہتے ہیں۔ میرزا نے اس معنوں کو اولاً ارتقا کے انسانی کارنگ دے دیا۔ ثانیاً اس کے بیان میں ایسا انداز اختیار کیا کہ کسی بھی پہلو سے اس میں کوئی خرابی شے مطلوب نہ رہی۔

کہتے ہیں کہ دہلی یا سند کی ہر موج ایک جال ہے جس کے حلقے ڈوروں سے نہیں بلکہ شہنگوں کے حلقوں سے تیار ہوئے ہیں یعنی بے شمار شہنگ منہ کھول کر قطار در قطار بیٹھ گئے۔ ان کے حلقوں کے متصل و تواتر سے جال بنتے گئے۔ اس وحشت ناک ماحول کا نقشہ پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس ماحول میں فقراء کب کو گہر شہوار جتنا ہے دیکھیں نروبان ارتقا کے بلند ترین پائے تک پہنچتے پہنچتے پانی کی بوند کو کن کن آجالت و مصائب سے سابقہ پڑتا ہے۔

کال یہ ہے کہ ماحول کا نقشہ زیادہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ پیش کر دیا مگر پانی کی بوند کو پیش آنے والی آزمائشوں اور ابتلاؤں کے متعلق کوئی متعین بات نہیں۔ اس میں اولاً یہ وجہ ہے کہ ساحل کا دماغ خود بخود گونا گویں وحشت انگیز مبالغہ کا تصور کرنے لگا اور اس طرح اسے زیادہ سطح آئے گا۔ ثانیاً مبین بات نہ کہنے کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر نظریے کو ایک ہی انداز اور ایک ہی نوع کے واقعات سے سابقہ نہیں پڑے گا ضرور اس لئے کہ ہر وجود کی صلاحیت، استعداد اور نوعیت نقل خدا تک یکساں نہیں ہوتی۔ صحائف یا ان کی نوعیت کا اختلاف ہر وجود کے خاص احوال و ظروف اور معنوی حیثیت پر ہے۔

## قطرہ و گوہر

قطرہ و گوہر کے ذکر سے پہلے اختصار نظام الملک آصف شاہ اول کا ایک نہایت پر معاملہ شعر یاد آگیا، اگرچہ اسے پیش کرنے کا یہ موقع اور محل نہیں لیکن یہ نہیں چاہتا کہ خواندگان کلام کو اس کے لطیف و لذت میں شریک نہ کریں، اگرچہ اس سلسلے میں ایک گونہ عدم مناسبت کا مظہر مہرلوں، فرماتے ہیں،

قطرہ بودم و دریا شدتم بود امید  
عقدہ در کار من افتاد و جگر گر دیدم

یعنی آرزو تھی کہ پوری عمر یاد اپنی میں بسر دوں، اس طرح امید تھی کہ رحمت اپنی مساعد ہوئی تو میرا تذکرہ دریا بن جائے گا، لیکن میرے کام میں عقدہ آپڑا اور دریا بہنے کے بجائے گوہر بن گیا یعنی درویشی اور خدا متی کی زندگی بسر کرنے کے بجائے امارت و ریاست کا پسندیدہ زندگی میں بڑھ گیا، عقدہ کے باعث دریا کے بجائے گوہر بن جانا ایسا مصروف ہے کہ نظام الملک مروجہ کے حالات اور طبیعت کو پیش نظر رکھ کر جتنی مرتبہ فروری ہوئی وہی ہیکہ عجیب کی نہایت طاری ہو جاتی ہے۔

## روئے دریا اور قصیر دریا

عرفی کا ایک نہایت عمدہ شعر یہ ہے

ہم صند باش و ہم ماہی کہ در موجوں عشق  
روئے دریا سلبیل و قعر دریا آتش است

عرفی کا مطلب یہ ہے کہ عشق میں انسان کو ہر قسم اور ہر رنگ کے حالات کے درمیان زندگی گزارنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگر ہم عشق کو دریا مانیں تو اس کی سطح کی حالت سلبیل کی سی ہے جو سبشت کی ہر پہلو اور اس کی گہرائی سزا پا آگ ہے، مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں اور آگ سمندر کا مسکن ہے، یہ اڑنے یا چلنے والا جانور تو آگ ہی میں پیدا ہوتا ہے اسی میں پرورش پاتا ہے اور اسی میں مر جاتا ہے۔

میرزا غالب اس شعر کی عمرگی کے معنی نہ سمجھتے تھے لیکن انہیں دوسرے مصرعے کا عام انداز پسند نہ آیا، اصل مصنف کی مناسبت سے اسے کوئی صورت دینی ہی چاہئے لیکن عام حالات میں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دریا یا سمندر کی سطح سلبیل ہوتی ہے جس پر کشتیاں یا جہاز چلتے ہیں اور لوگ سیر و تفریح کا لطف اٹھاتے ہیں، عرفی کی اعتبار سے آگ ہے کہ ہر شے کے لئے پیام موت ہے۔ میرزا فرماتے ہیں، میں نے سوچا کہ یہ تو کب بات نہ ہوئی، چنانچہ دوسرے مصرعے کو چھٹا دیا، مینا ہل بنا دیا،

قعر دریا سلبیل و روئے دریا آتش است

پھر اس پر ہر طرح حقائق مصرعے لگایا،



بے تکلف دریا بہدوش بہ از بیمیم با ست  
تھو دریا سلیل دروے دریا آتش است

عجب تک درد جاتی ہے تو اس کا انتظار ہزاروں مصیبتوں اور پریشانیوں کا موجب بنا رہتا ہے۔  
جب وہ نازی ہو جاتی ہے تو ہم اس میں داخل ہو جاتے ہیں تو تمام آفتیں اور پریشانیاں عملاً ختم ہو جاتی ہیں۔  
یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ دریا کی سطح آگ سے کمزور ہر لحاظ ڈوبنے کا درد رہتا ہے، لیکن دریا کی گہرائی میں  
پہرچ جائیں تو پھر کسی خطرے، کسی تشویش اور کسی پریشانی کا سوال باقی ہی نہیں رہتا۔

اس صورت حال کی ایک مثال جنگ بھی ہے جب جنگ نہ پھڑکے، دل غنائی اضطرابات کی برنائی  
رہتا ہے کہ خدا جانے کیا عداوت چلی آئیں؟ کون کون سے چیزیں تباہ ہوں؟ کون کون کو جانوں سے ہاتھ دھو پڑے؟  
تجربہ کی صورت اختیار کرے گا یا شکست کی؟ لیکن جب جنگ چھڑ جائے تو صرف ایک ہی خیال روح و قلب  
پر چھا رہا رہتا ہے اور وہ یہ کہ دشمن کو شکست دی جائے۔ تمام خطرے، تشویشیں اور انہیں اس خیال کو عمل اور قوی  
صورت دینے میں لگ ہو جاتی ہیں۔

## وعدہ محبوب اور شادی مرگ

فارسی کا ایک شاعر محبوب سے کہتا ہے:

بیم از دنیا مدار، وعدہ وعدہ کہ من  
از دوقی وعدہ تو بہ فروا نمی رسم

بہن اسے محبوب تو دل آسنے کا وعدہ کرے اور اس تشویش میں نہ پڑ کہ اس وعدے کے ایسا کی نعمت کسے  
گی، کیا تیرے وعدہ کر لینے سے میرے دل کی خوشی اور شادمانی اس وعدے پر نہ پہنچ جائے گی کہ میں مر جاؤں  
گا اور نعمت وعدہ سے پیشتر ہی دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

نفس معنوں کے اچھا ہونے میں کلام نہیں لیکن اس وعدہ درجہ بخونڈے، غیر طبی اور غیر وقفی انداز میں  
بذرا لگایا ہے حتیٰ کہ اس کی خوبی منصفانہ نہیں لگتی ہے، خود فرمائیے:

۱۔ محبوب سے کہنے کا وعدہ دینا منکر ہے اور اسے پکڑ دیا جا رہا ہے کہ وعدہ  
کرے، ایسا کی نعمت نہ کسے گی۔

۲۔ کیوں نہ کہے گی؟ اس لئے کہ میں وعدے کی خوشی میں شادی مرگ کا شکار ہو  
جاؤں گا۔

۳۔ گویا شاعر جانتا ہے کہ محبوب کی طرف سے وعدہ ہونے ہی جاں بحق ہو جاؤں گا  
دوسرے منکوں میں محبوب سے وعدہ اکبر دنیا خود کشی کا ایک بہا نہ ہے۔

۴۔ جب شاعر جانتا ہے کہ محبوب کی طرف سے وعدہ ہونے ہی مر جاؤں گا تو آخر اس

پہاڑیوں کیوں ضروری سمجھا گیا؟ مرنا ہی منطوق ہے تو خودکشی کا کوئی دوسرا  
فرد یہ کیوں اختیار نہ کر لیا؟

فرض معصوم نعتیں معصوم کے اعتبار سے اچھا تھا مگر بیان نے اسے بولاں گا تو تفسیک بن دیا۔

## میرزا کا شعر

ایسے نازک معاملات کو بیان کرنا سہل نہیں۔ دیکھئے میرزا خائب نے اسے کیوں کر بانڈھا؟ فرماتے ہیں:

تھکے و دھڑے پر سچے ہم تو یہ جان بھرتے جانا

کہ خوشی سے مرزہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

محبوب نے وعدہ کر لیا اور فنا آشتی مہربوں کا شیوہ بجا رہے ہو کہ یہ وعدہ کر لیتے ہیں اور اسے پورا کرنا  
منظور نہیں ہوتا۔ عاشق خدا جانتے ایسے کتنے وعدوں کا بقرہ کر چکا ہے، اور اسے یقین ہے کہ نیا وعدہ بھی پورہ نہیں ہوگا  
لہذا گستاخ ہے ہم تیرے وعدے پر موصد اس کے بچتے رہے کہ اسے بھوتا کھینکتے۔ یقین تھا کہ پہلے جیسوں وعدوں  
کی طرح یہ بھی پورا نہ ہوگا، اگر ہمیں یقین ہوتا کہ تو نے سچا وعدہ کر لیا ہے یا تیرے وعدے میں سچائی کا شائبہ بھی ہوتا  
تو کیا ہم خوشی سے مرزہ جاتے؟

یہ اس معصوم کے بیان کا طبی اور دوقعی طریقہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل فکر و نظر کو سیکڑوں معصوم سمجھتے  
ہیں مگر بہت کم اصحاب ہیں جنہیں قدیمت کی طرف سے یہ سلیقہ عطا ہوتا ہے کہ انہیں طبی انداز میں الفاظ و بیان کا  
لباس پہنا دے۔

## آب و آتش

شراب مذہباً حرام ہے اور صحیح اسلامی حکومتوں میں اس کے لئے تعزیر مقرر تھی، جب اسلامی حکومتیں  
نہ رہیں تو بعض دوسرے جماعہ کی طرح شراب نوشی کی سزا بھی موقوف ہو گئی۔  
میرزا کا ایک شعر ہے:

پاک خود امروز و زنبار اپنے خروا منہ

دور شریعت باوہ امروز آب و دھوا آتش بہت

یعنی جو شراب تیرے پاس ہے وہ آتش ہوئی جا، اور ان کے منہ گھونڈ بھا۔ شریعت مقررہ اسلامیہ کے  
نزویک آج تو شراب کو صنف ایک مشروب کی حیثیت حاصل ہے جیسے پانی پی لیا جاتا ہے لیکن یہ مشروب محاسبہ کمزرت  
میں آگ بن چاہئے گا، اور آتش دوزخ میں جلنے کا موجب ٹھہرے گا۔

آپ خدا اس شمع کے دھانک پر غور فرمائیے۔

۱۔ شاعر کا مقصد حقیقی یہ ہے کہ شراب بالکل ہی کو ختم کر دینی چاہئے اور ان کے لئے

کچھ نہ رکھا چاہئے۔

۲۔ دوسرے مصرعے میں ایسے انفاد لائے جن کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آج شراب معنی مشروب ہے اگر اسے معنوں کے لحاظ سے لیا جائے گا تو یہی کلی ہنگ بن جائے گا دوسرے وہ معنی جو اوپر بیان ہو چکے ہیں شراب محاسبہ آخرت ہے مستوجب تعزیر کی چیز ہے گی اور دوزخ کی آگ میں ملنا ہو گا۔

دیکھئے، انفاد سے دونوں معنی کس طرح خود بخود آشکارا ہو رہے ہیں اور ان کے سطعے میں کسی تاویل و تفسیر کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

### حال دل اور بے نیازی

بعض اوقات ایک معشوق فارسی میں ایک خاص طریقہ پر ادا کر دیتے ہیں، لیکن اسے اردو میں لاسکتے ہیں، تو رنگ بالکل دوسرا ہو جاتا ہے اور اس کی لطافت انتہائی دلہنڈیری اختیار کر جاتی ہے۔ مثلاً فارسی میں کہتے ہیں:

تا چند نشوونوی تو مرا حسب حال غریب

انسان نہ مانے غیر مکرر کنسیم طریت

ہم اپنے حسب حال نئے نئے افسانے تیار کر کے جیڑ کرے جارہے ہیں، آخر تو کب تک سنے سے بے پروائی پر قائم رہے گا؟

اردو میں فرماتے ہیں:

بے نیازی جو سے گزری بندہ پورو کب تک،

ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرما مجھ کو کیا؟

یعنی ہم نے جب کبھی دل کا حال بیان کیا تو آپ سب سے نیازی سے فرما دیا، کیا؟ بندہ پورو! آخر یہ صورت کب تک چل جائے گی؟

### عجم دل اور نکتہ چینی

”حال دل سے“ عجم دل - کا ایک نہایت دل آویز مستخرج ہوا ہے،

نکتہ چینی ہے ”عجم دل“ اس کو سنائے نہ جئے

کیا بیئے بات جہاں بات بنائے نہ جئے

آپ خود بخبردار کریں کہ اگر کسی کے سامنے کوئی دردناک داستان بیان کرنے لگیں گے اور وہ نکتہ چینی شروع کر دے گا تو اس داستان کے عجم و حزن کی آبرو مٹ جائے گی اور اس فضا میں خلق آجائے گا جو عجم انگیز کہا بیروں کے بیات و سماعت کے لئے لازم میں سے ہے۔ میرزا کا محبوب بھی نکتہ چینی اور نفا ہے۔ میرزا حسب عجم دل سنائے ہر

آواز دے جاتے ہیں۔ محبوب کی نکتہ چینی کے پھوکیوں سے داستان کی علم آگینوں اور اندوہ افزائی ختم ہو جاتی ہے۔ اور بانوں وہی نقشہ پروئے کلا آجاتا ہے جو عاتقوں میں ملزموں یا گما ہوں پہنکتے چھین و کیدوں کی جڑ سے پیدا ہوتا ہے لہذا میرزا کہتے ہیں کہ جہاں بات نہیں بنتی وہاں کیا کیا جائے۔

## حقیقت و محاز

میرزا نے کہا ہے :

ہر چہند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے باوجود و سب عز کے بنیر

وہ ایک مقام پر حقیقت و محاز کا فرق : باوجود وسوسہ غریبہ کے انداز میں چلی کہتے ہیں اور دیکھتے ساروں سے اعداؤں کی کتا اہم نکتہ کس درجہ پر مثال طریق پر چلی کر گئے ہیں :

زاہد از ما خوشتر تاکے ہر چشم کم سہی

یہی حق والی کہ یک ہیما نہ نقصان کردہ ایم

اسے زاہد : ہم نے انکو کا ایک خوشتر بطور غلط فہمی نزدیک کر دیا :

اسے حیرت کم قیمت اور سولی ملے نہ کچھ : کیا تجھے معلوم نہیں کہ

یہ خوشتر سے محالہ کہ ہم نے شراب سے بھرے ایک پیالے کا

نقصان ڈارا کر لیا ہے :

خوشتر انکو کو ظاہری حیثیت کے لحاظ سے آپ کتا ہی مولیٰ خوشتر سمجھیں : یہ بھی معاملہ سلجھتے ہیں کہ بازار سے ایسے خوشتر مولیٰ حیثیت پر مل سکتے ہیں : لیکن مندرجہ اور حقیقت کا لحاظ دیکھیں تو اسی خوشتر سے اتنی شراب کھلی ہو سکتی تھی جس سے ایک پیالہ بھر جائے۔ خوشتر حقیقت خوشتر انکو نہیں : بلکہ پیالہ شراب تھا جس کی قدر و قیمت کا اندازہ شعلی ہے اور ناہد کے لئے اس خوشتر کی موزونیت انتہائی غریبہ کی محتاج ہے :

خوشتر یہ نکتہ بھی بیان کر دیا کہ جو کچھ ہم پالیتے ہیں وہ اصل خوشتر انکو ہی کا : خوشتر وہ ہے :

دائے وہ باوجود کہ خوشتر انکو نہیں

## مطالعہ غالب کی ضرورت

فرض میرزا کے فکر فلک پیا کی نیرنگیوں کا عصر حال ہے : اردو میں بھی ان برقلوئیوں کے مرتبے نہایت عجیب ہیں : لیکن میرزا کے فارسی کلام میں تو حیرت انگیز نقشہ ہر قدم پر ملتے ہیں : لاشان کے نظارے سے شعلی شعلی لذت اندوز ہونے والی نگاہیں مطالعے کی زحمت برداشت کریں : لاشان میرزا کے فارسی کلام کے تمام حصے

پروفیسر احمد علی

## سُکَّالۃٔ اسْلُوْبِ اور بَکَانۃٔ غَالِبِ

افکار عجیب اپنے اظہار کے لئے الفاظ کا لباس اختیار کرتے ہیں، اور الفاظ عجیب ایک مخصوص دروہیت کے ساتھ ترتیب پاتے ہیں اور اپنے انتخاب اور میلان کی بنا پر مختلف رنگ اور ذوق اختیار کرتے ہیں تو مشاعر کی شخصیت اور اس کی فکر کی ہم آہنگی سے اسلوب ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دوا دیب ایک طرح کی شخصیت کے حامل نہیں ہوتے، اس کے علاوہ آدمی کی فکر جتنی زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے اس کی شخصیت اتنی ہی پائیدہ ہوتی ہے، اور اتنی ہی جلیج اس کا اسلوب جو جاتا ہے۔ سوال صورت زمانے کا نہیں بلکہ زمانے کے علم و آگاہی کا ہے، آگاہی علم و آگاہی کے ساتھ سمجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے، اور زمانے کے جلیتر جتنی اسرار و افکار کا شعور ماہجر ہے، ایک مشاعر کی نگاہیں گہرائی جاتی ہے، وہ نظریات و تفصیلات کو اخذ کرنے کی جڑی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ روح شعر کو سمجھتا ہے، اس لئے اکثر اس عہد کا ایسا منتظر نہیں کرتا ہے جو خود اس عہد کی سمجھ میں بھی مشکل سے آتا ہے۔ اس پر مبنی غالب اس کی مثال ہیں، اور فرانس میں پروڈائیئر (Baudelaire)۔

جولوگ غالب کے افکار اور ان کی پیچیدہ دیوانی کو تفصیل سے سمجھنا چاہتے ہیں ان کو میری اس کتاب کا انتظام کرنا چاہئے جو اظہار میں غالب کی حد سانس پر سی کے موقع پر مشائش جو رہی ہے ہے۔ یہاں اس مختصر مضمون میں غالب کے اسلوب کی چند خصوصیات پر بحث کروں گا، اس اسلوب غالب پر جو اس عہد کے ہر شاعر سے بیکار تھا رویں صدی عیسوی کے قائم پڑنے شاعروں سے اسے ممتاز کرتا ہے۔ یعنی ان کے اشعار کی زیادہ ہیئت، روپ ۱۲ اخذ و دیوانہ اور اس کی وضاحت ظاہری جو شاعر کی شخصیت سے وابستہ ہے۔ یہ تمام چیزیں پہلے نظریں دوسرے ہر شاعر سے

۵ Ghaleb : Selected poems published in  
Serie Orientale Roma by Is. M. E. O., Roma.

ان کو نمایاں کر دیجیے گا۔ یہ سوال کہ غائب نے اپنی شاعری میں ایک خاص لمبائی، ڈرامائی، اکیس اختیاری کیا؟ یہ ایک اور قابل غور نکتہ ہے۔ وہ انکار کا پھر ورودہ نہیں تھا بلکہ جذبات کا پھر ورودہ تھا۔ اس کا ذہن اور اس کی شخصیت اس کے تجربات و احساسات کے تشکیل کردہ تھے اور دوسرے شاعروں سے مختلف۔ اس کے علاوہ تشکیلی حوشرات بھی یکساں نہ تھے۔ یہ بات فکر میں نہیں ملتی۔ اگرچہ درخت شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں بڑا کردار ادا کرتا ہے، غائب کا معاشی کوئی دوسرا نہیں ہے۔ غائب تمام شعرا سے الگ ہے۔ حالانکہ تقابلی خطرناک بھی ہوتا ہے اور گمراہ کن بھی، لیکن دیکھتے تو غائب اور میر بہت قریب دکھائی دیتے گئے۔ اگرچہ ان کے راستوں، طرزِ کلام اور نقطہ نظر میں بڑا فرق ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں دو شاعرانے زیادہ معاشی نہیں مل سکتے تھے یہ دونوں ہیں۔ میر کی زبان سادہ اور صاف ہے اور غائب کی زبان پیچیدہ اور مبہم ہے، پھر بھی زندگی کی پیچیدہ گیوں اور مشکلوں کے بارے میں یا مسائل اور فکر و فکر کے پس منظر کی تبدیلیوں کے باوجود دونوں کا اندازِ نظر میر گہری میں یکساں ہے۔ یہ بات حیرت انگیز بھی ہے اور قابل غور بھی۔ میر اپنے دلی یا جذبات کے توسط سے ان چیزوں تک پہنچتے ہیں اور غائب اپنے ذہنی یا عقل کے توسط سے، مگر انرا انگیزی کے اعتبار سے اہا اوقات دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ میر جذبات کو نکلا اور غائب فکر کو جذبات میں منقلب کر دیتے ہیں، اور دونوں کا حال یہ ہے کہ جب فکر کو اس کی انتہا تک پہنچاتے ہیں تو ابہام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ عام ڈگر سے ہٹ جاتے ہیں، قاری کی ذہنی ساخت سے جڑ ہو جاتے ہیں۔ دونوں کے یہاں فلسفیانہ مسائل، جمہور اختیار، ہر ممکنہ، ادا اندازِ نظر مختلف ہونے کے باوجود دونوں کا محور ایک ہی ہے۔ میر کہتے ہیں:

اب ایسے ہیں کہ صاف کے حرافہ اور پرہیز پہنچنے

جو خاطر خواہ اپنے ہم ہونے ہوتے تو کیا ہوتے

اس شعر میں وہ اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں جو غائب دوسری راہ سے پہنچتے ہیں۔

ذوق ہے پروا خراب و مشتبہ تفسیر

آئینہ منازہ مری تمثال کو نہ بخیر ہے

اپنے احساسِ خدا مت کے باوجود میر فائق کو مخلوق کے رشتے کے آگے میں اتار کر اس کی حقیقت کو دلچسپ بناتے ہیں۔ غائب بھی اس کو اسی گہرائی میں دیکھتے ہیں، لیکن اپنی فکر کا انہار کرتے ہیں تو جذبات کی پریمانی بھی اس پر پڑنے نہیں دیتے۔ غائب پر الزام ہے خدا سے بے نیازی کا، لیکن میر نے اگر ہر رضائی، کو میں خراب ہے لغو کیا ہے وہ اپنے معنوم کے لحاظ سے غائب کے اس شعر سے بھی زیادہ تند و تیز ہے۔

اپنی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے جنگی خواہش

ہیں تو مشرم دامن گیر ہوئی ہے خدا ہوتے

انہی جیسی، غائب اور بگے جڑتے ہیں اور جاتے ہیں کہ خالق مجبور ہے، وہ معاملات دنیا و اوقافِ عالم میں (جو خدا کی اختراع ہیں) مداخلت نہیں کر سکتا۔

فرصت آئی نہ صد رنگِ خرد آسانی ہے  
 روز و شب یک کلمہ انوس قماشانی ہے  
 خائبِ فانیس ما بعد الطبیعیاتی سطح کی گفتگو کرتے ہیں، حبیب یہ کہتے ہیں ہے  
 نہ تھا کچھ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا  
 ڈھونڈا کچھ کو ہونے لے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا  
 لیکن پروردگارِ بزرگوار Transcendentalism ہی سے

سزا آؤدو ہونے سے جندہ کر دیا ہم کو  
 وگرنہ ہم خدا تھے، جو دلیلے مدعا ہوتے

یہ بات خائبِ بغیر کہے ہوئے ہوا رنگِ دلی کہہ رہے ہیں۔ لیکن ان کی بات فکر کی دہ میں فلسفیانہ صداقت  
 کی طرح ادا ہو رہی ہے۔ جس میں دیہاتیاتی قوانین بھی ہے۔ مگر میرا گوشت پوست کی وجہ سے احساسِ ندامت  
 میں ڈوب جاتے ہیں۔ کیوں کہ گوشت پوست کی وجہ سے ذاتِ مطلق ہو جانا ناممکن ہو گیا ہے۔ روح اس سے  
 آزاد ہے جسے گوشت پوست نے پکڑ رکھا ہے۔

حجرات میں یہاں کہہ رہا ہوں، وہ ہے کہ وہ مشاعرے جو شدتِ احساس رکھتا ہے، وہ تفنن کے اعتبار سے  
 کسی طرح اس مشاعرے کو نہیں ہے جو بگڑی فکر کا حامل ہے، اور خائب ایسے شاعر تھے جو اپنے جذبات کو سوچتے  
 اور اپنے افکار کو محسوس کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس کی ذہنی ساخت بھی یہی ہے اور اس کا ذہن بھی یہی  
 ہے۔

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرہ ابرائیم تھا  
 شعلہٴ ہوا کہ ہر یک حلقہٴ عرقِ آب تھا

جسکوہ گل نے کیا ستاراں چراغاں آہ  
 یاں رواں شرکا بن چشمِ قرعہٴ خواب تھا

یاں ہر پر شور ہے خواب سے تھا دیوار جو  
 داں وہ فرقہٴ ناز جو باشی کنواں تھا

یاں نفس کرتا تھا روضِ شبنم بے خردی  
 جسکوہ گل داں ہوا با صحبتِ خواب تھا

فرش سے تا فرش داں طوئاں تھا سر پہ رنگ  
 داں زمیں سے آسماں تک سونٹیں کا آب تھا

ناگہاں اس رنگ سے خون تار پھسکائے نگا  
دل کہ ذوق کا وٹھا ناخن سے لذت باب تما  
مقدم سیلاب سے دل کیا نشا و آب گنگ ہے  
خاؤ عاشق مگر سدا بددائے آسب تما

غائب کی یہ غزل، ان کے اسلوب کا نمونہ ہے۔ اب بھٹے! اسلوب کیا ہے؟ اسلوب ایک پیرائے بیان ہے، اور پیرائے بیان، فکر کا قالب۔ دوسرے لفظوں میں اسلوب کو فکر یا بیان کی ساخت سے جدا نہیں کر سکتے۔ دونوں کا ہم و ملزم ہیں۔ فکر الفاظ کے ذریعے بیان کی جاتی ہے، اور الفاظ کچھ محدودات کے حامل ہیں۔ لیکن بذات خود الفاظ کوئی معنی نہیں دے سکتے۔ الفاظ کیا ہیں؟ آواز، یا تصویر، یا جو ہم نے وضع کر رکھے ہیں۔ خاص خاص اشیاء اور خاص خاص جذبات و افکار کی ترجمانی کے لئے، جو دراصل کیفیات ہیں؛ ذہن کی مراد معنی اور موضوعی حقیقتوں کے رد عمل کی۔ ذہن سے باہر خارجی اشیاء کے علم و آگہی کی۔ اور مہمانی احساسات کے شعور کی۔ سبب یہ تو ہیں اور جذباتی کیفیاتیں ایک دوسرے میں محلول ہو کر یک پیسیدگی اختیار کرتی ہیں تو الفاظ ان کے بیان کی کفایت نہیں کرتے۔ اس وقت ہم ان حالات کی ترجمانی کے لئے وہ دوسرے طریقے اختیار کرنے لگتے ہیں جو مٹاری کے احساسات کو اٹھا کر مکانی حرکت شاعری کے احساسات کے قریب آئیں۔ لہذا ہم ایسے تشبیہ و علامات استعمال کرتے ہیں جو قاری کے لئے قریب الہام ہوں، اور اس کے اپنے تجربات کی بنا پر زیادہ برسر ہوں، مثلاً جن کی عکاسی عموری ہو یا حوائث سے قریب تر ہوں۔ اس طرح ہم ایسے ترجمان ذرائع اختیار کرتے ہیں جو قاری کے اندرونی جذبات کے لئے محرک ثابت ہوں۔ یہ ذرائع تشبیہ و استعارہ کہلاتے ہیں۔ اور فکر کی روانی کے لئے جو کثرتوں کی بند خوں کے اندر رہ کر آئے بڑھ سکے۔ ہم صرف و نحو کی دوسری ترکیبیں اختیار کرتے ہیں۔ جو الفاظ کو مناسب بند خوں میں بانڈ سکتے ہیں۔ مثلاً سماع، اور مختلف لفظ کا ایک ہی صفت سے شروع ہونا، تظہیب؛ اصنافات اور دیگر طریقے، مثلاً تشدید لفظی، ایہام اور مبالغہ و غراق۔

اس اجمالی تجزیے کے بعد آئیے اب ذرا تفصیل سے نگاہ ڈالیں۔ اسلوب کا پہلا جزو الفاظ ہیں غائب انتہائی غریب فرہنگ (لوگش) استعمال کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غائب نے وہ سادہ زبان استعمال نہیں کی جو میر درد، سودا یا حمن نے استعمال کی ہے، اور جیسے غائب خود سمجھتے تھے ہیں، میں پڑو بچوں کی طرح نا زبانی کرتے ہیں۔ یہ ان کی زبان کی خصوصیت نہیں ہے۔

نثر سعیدیہ کی پہلے مشعل تجزیے کے لئے پیش کرتا ہوں یہ

نفس فریادی ہے کس کی شوقی سحر زکا  
کاغذی ہے پیرہن ہر پیچہ تصویر کا



آتشیں پا ہوں گدا ز وحشت زنداں نہ پوچھ  
 مونکے آتش دیدہ ہے ہر ملکہ یاں زنجیر کا  
 شوخی زیر نگ صید وحشت طاؤس ہے  
 دام سبزہ میں ہے ہر واہ چمن تبخیر کا  
 لذت ایجاد تا زاضوبی عرق ذوقِ قتل  
 نہل آتش میں ہے تیغ یار سے تبخیر کا  
 کاوے کاوے سخت ہائی ہائے تنہائی نہ پوچھ  
 بچ کر ناشام کا نا ہے جوئے شیر کا  
 خشت پشت دست غمزہ تاب آفریں وداع  
 پڑ ہوا ہے پیل سے پینا دمس تبخیر کا  
 وحشت خرابہ عدم شور تما مشہ ہے اسد  
 جو مژہ جو ہر منہیں آلیسنہ تبخیر کا

پہلا اور دہانہاں شعر زبان اور اس وقت کے اعتبار سے جس کو میں الفاظ کا دروہست کہتا ہوں، قوجہ طلب ہے۔ اگرچہ وہ فنِ اہمیت کے حامل ہیں، مگر پر ہدیہ، روشنی فراوانی کا۔ یہاں میں آپ سے درخواست کروں گا کہ بقیہ شعروں میں الفاظ کو جس انداز سے انہوں نے سما یا ہے ان پر غور کیجئے۔ اس سے پہلے کو میں ان پر غور نہ کر چکا ہوں ایک مرتبہ پھر شعر آپ کے سامنے دہرانا چاہتا ہوں۔

آتشیں پا ہوں گدا ز وحشت زنداں نہ پوچھ  
 مونکے آتش دیدہ ہے ہر ملکہ یاں زنجیر کا  
 دھند کے تمام اشعار

اس طرح کی بندش دیکھی کسی نے دیکھی نہ مثنوی اور نہ اردو کے کسی دوسرے شاعر نے ایسی بندشیں ہتھالیں ہیں۔ یہ غزل روشنی اور سلی سے معمور ہے۔ اس میں شعلہ آتش کی لہک اور جنگا ریل کے پھول ہیں۔ رنگ ہے، پانی ہے اور آئینے کی چمک ہے۔ اس دیوان (فخر صمدی) کی پہلی غزل ہونے کے لحاظ سے نہایت موزوں۔ کیونکہ یہ مگر کی ہر کاوی، محشر سامانِ نشان (محشر صمدی) اور ہمیش میں نگاہ کی خصوصیتوں سے مالا مال ہے، اور اس سے بھی زیادہ ان کے اسلوب کو واضح کرنے والی چیز الفاظ کا وہ انتخاب اور ان کا وہ دروہست ہے جو میر تقی میر، وشوار علی بیہم قاری کے قابو میں نہ آنے والے۔ مگر ساتھ ہی غور و فکر کرنے پر مجبور کرنے والے بھی ہیں۔

اس نثر میں غالب کے اسلوب کے متعلق ایک عام سی بات یہ ہے کہ ان کے الفاظ بالکل فارسی کے ہیں صرف افعال اردو کے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ غالب کے الفاظ انتہائی قوالی اضافات سے بڑھیں جن سے نثر بالآخر قائم ہوتا ہے کہ وہ مہیا از ہم ہیں۔ ہمیں فارسی الفاظ کے انتخاب پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال غالب فارسی زبان کے محقق اور مشاعر تھے۔ ان کے والد کی زبان اور ان کے اجداد کی زبان فارسی تھی۔ اظہار میں صفا میں سودا سے لے کر ہمد کے تمام شعرا کے الفاظ کو لکھیں، پھر اپنے بیان اور شاعری کی ساخت پر فارسی غالب رہی ہے۔ جہاں تک قرائی اضافات کا تعلق ہے، فارسی اضافات کی زبان ہے، لیکن غالب کے یہاں اضافات کا استعمال نہ تو عام ہے اور نہ آسان ہے، اور نہ وہی ہے جو عام طور پر اہل فارسی مستعمل کرتے ہیں۔ یہ غالب کے اسلوب کی خاص خصوصیت ہے، ان کے یہاں کالنگ ڈسٹنگ ہے۔ جس کے ذریعے وہ الفاظ کو اردو تقصیرات کو ایک خاص طریقے سے گونجتے ہیں۔ مثلاً اسی طرح جیسے انگریزی زبان کا شاعر ہرپکس کی گھبراہٹ میں کی مشاعری اسلوب اور تکنیک کے لحاظ سے غالب کی مشاعری اور اسلوب کے ملحق جیتی ہے، وہ غالب کا ہم عصر بھی ہے، اس کی وفات ۱۸۸۹ء میں ہوئی۔ اگرچہ وہ نثر کے میدان بڑا فاعل تھا، وہ ساخت میں اور غالب اس پار کے، اور تہذیب اور نفاذ نثر کی ایک دوسری کڑی دو مختلف تہذیب کی طرح ہی قدر اور جتنی! غالب کا اضافاتی اسلوب اردو زبان میں اس طرح حیرت انگیز اور دم بخود کر دینے والا ہے جس طرح انگریزی زبان میں ہرپکس کا طریقہ عام۔ ہرپکس کی نظم *The Wreck of the Land* کا ایک حصہ سنئے:-

No, but it was not these.

The jading and jar of the cart,  
Time's tasking, it is fathers that  
asking for ease

Of the sodden-with-its sorrowing  
heart,

Not danger, electrical horror; then  
further it finds

The appealing of the Passion is tenderer  
in prayer apart:

Other, I gather, in measure of mind's  
Burden, in wind's curly & beat of endraged  
sodden - <sup>seas.</sup>

کیا آپ نے دیکھا، وہی جھٹ جھٹلے الفاظ، اضافات کی صورت رکھنے والے مثلاً -

with - its - sorrowing heart - غالب کے یہاں یہ اضافات زیادہ پیچیدہ اور دم بخود کرنے والے ہیں۔

### ذلت ایمان و اتقان عسریٰ فوق قل

یہ پورا مصرع اضافوں کا ایک سلسلہ ہے۔ سارے الفاظ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ذہنی اور جذباتی کیفیت کو مزید کر کے ایک وحدت بنا رہے ہیں۔ مین بیک وقت قدرت، ایہام اور مبالغہ آمیز تقابل کو ایک تاثیر تک وحدت میں سمور رہے۔

غالب تشبیہات، ذہنی کیفیات اور جذبات کو باہم گوندھ کر ایک کر رہے ہیں۔ ایک پیچیدہ مرکب ہے مربوط اور غیر مربوط کیفیوں کا ملا جلا مرکب ہے، جس میں الفاظ صرف و نحو، تصورات و خیالات، معنی و انسان، احساسات و جذبات، سب اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور مل کر ایک وحدت کل کی حیثیت میں بھی ادا کر رہے ہیں۔ یہ بات جو پکنس یا کسی دوسرے شاعر کے یہاں نظر نہیں آتی۔ ڈون o-mne کے یہاں بھی نہیں، اور اس کے سہرنگوں میں بھی نہیں، جو تکنیک کے معاملے میں مختلف پہلوؤں سے غالب سے قریب تر ہیں۔

اب ہم اسلوب غالب کی تیسری خصوصیت یعنی ایہام پر غور کریں گے۔ قوال اضافات کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ الفاظ جذبے کے اظہار میں کفایت نہیں کرتے، یہ قوال اضافات وحدت فکری یا جذبہ کی تدریجی رفتار تک ذہن کی رسائی میں مدد دیتی ہیں۔ اس لئے کہ جذبہ ایک پیچیدہ اور مرکب حالت ہے جو آنگ کی طرح اصل شے کو جلا دیتی ہے، اور دوسری چیزیں اور سیاحی کیفیتیں پیدا کر دیتی ہے۔ اور ساختہ ہی ساختہ ان اجزائی ترکیب سے نئے پہلو اور پھر ان کی نفاذی شکلیں پیدا کر کے چلے جاتا ہے۔ مین اصل شے تدریجوں کے مرحلے سے گذر کر ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ باطل نئی چیزیں ساتھ آجاتی ہیں۔ یہ تحولی عمل جتنا شدید ہوگا اتنے ہی

اجزاء ترکیب پیچیدہ ہوں گے، اور اتنے ہی دقیق انداز بیان، مشاہدات اور نتائج بھی ہوں گے، لہذا اصل شے کی جانب لوٹنا (یعنی الفاظ کی طرف) بہت دشوار ہو جاتا ہے اور گہرے تحلیل و تجزیے کا مطالبہ کرتا ہے، اور نئی تشکیل چاہتا ہے۔ اگرچہ عطا نامہ ممکن ہے کہ اصل شے کو دوبارہ سامنے لایا جائے، اس لئے افکار احساسات اور جذبات اضافی چیزیں ہیں، ان کی ابتدا و رفتارت، حالات اور فیکٹی مشاہدات اور محسوس کیفیات پر منحصر ہیں، جو کبھی دہ افزائی و درمیان یکساں نہیں ہوتے۔ لہذا ماضی اور مشاہدات پر ہمیں قناعت کرنی پڑتی ہے۔ مین قریب تر چرچا کرنے والی چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں، تاکہ بنیادی ابتدائی حالت خود قاری کے ذہن میں پسیدہ ہو جائے۔ جس طرح زمین یا بج پڑ کر چھڑتا ہے اور اپنے مراحل سے گزرتے ہوئے بار آور ہوتا ہے۔ بعد میں ہی صورت قاری کے ذہن میں بنیادی ابتدائی حالت یعنی مٹی کے پیدا ہو جانے سے لے کر پیرایہ بیان میں آجائے تک ہوتی ہے الفاظ کے استعمال میں یہ ہے وہ دشواری میں پرہیز حاصل نہیں کر سکتے، جس وجہ سے کہ انتہائی شخصی اور داخلی احساسات تو دیکھا روزمرہ کے مظاہر کیفیات کا اظہار تک تکنیک الفاظ کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا، مثال کے طور پر گانہ اور رنگ کو الفاظ میں کوئی کیونترا داکر سکتا ہے؟ ہمیں مجبوراً یہ صورت اختیار کرنی پڑتی ہے کہ

ہم ایسی تحریک پیدا کریں جو قاری کے ذہن میں خود اس کے روشن کو بیدار کر کے اپنے تاثرات کے ذریعے ان اشعار کی قریب قریب شکلیں مجسم کر دے۔ مثلاً دہلی کے (جن کی سیٹی کی آواز بہت عام ہے۔ مگر اس عام آواز کے بارے میں کچھ ہم کہنا چاہیں تو یہ واقعہ ہے کہ الفاظ کے ذریعے ہم اس کی جو بہو نقل پیش نہیں کر سکتے۔ تاہم وہ جس اس پر قناعت کرتی پڑے گی کہ سیٹی کی اس آواز کے بارے میں قاری کے جو احساسات ہیں انہیں بیدار کر دیں۔ لیکن اسے بھی نہ بھولیں، یہ لازمی نہیں ہے کہ قاری کے احساسات اس سیٹی کے بارے میں جو کچھ ہیں وہ بالکل وہی ہوں جو ادیب کے ہیں، پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ میں شخص نے سیٹی کی آواز کیسی نہیں سنی، اس کے ذہن میں ہم سرے سے کسی تاثر و ارتباط کو بیدار نہیں کر سکتے۔ یہی حال رنگ کا ہے۔ قاری کے ذہن میں گھاس کے کسی خاص رنگ یا آسمان کے رنگ کو ہمیں اس کی صورت میں کسی طرح پیش کر سکتے ہیں؟ روشنی کے اثرات کو کسی طرح دکھا سکتے ہیں؟ چاہے کتابیں ممکن نقشہ ہم پیش کیوں نہ کریں۔ جیسے ٹیٹن سن نے لفظوں کے ذریعے تصور کیجئے دی ہے:

"The Casement shows a  
glimmering square."

ہمیں ایسے مشورک بیانات و محاشِ اطمینان استعمال کرنے پڑتے ہیں جو قاری کے ذہن میں وہ کیفیت پیدا کر دے جو مصنف کی دنیا کی کیفیت سے حق الامکان قریب تر ہو۔ لیکن جب ذہن اور جذباتی احوال کا معاملہ ہو تو یہ بات دشوار تر ہوجاتی ہے، اس واسطے کہ شعاع عام لوگوں کے مقصد میں زیادہ متاس اور مضطرب احوال اور سرخوش ہوتا ہے، امداد گشت اور کہیں وہ جو میں نے ہوپ کنس (Hopeless) یا غالب کی طرح جذبے کے آغوش میں پردوش پائی ہو تو اس کی فکر و احساس کی نزاکتیں اور وقت طلبیاں تقاضے کرتی ہیں کہ اس کی زیادہ ایام میں ہو اور تو جیج بھی، یہی سبب ہے کہ ہوپ کنس کی طرح غالب ہمیشہ نئے الفاظ تلاش کرتے ہیں، اور نیا پیرایہ بیان اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً شوخی، نیرنگ، آتشیں پا، گدا ز وحشت، آتش دہ، ناز امنوں، شست ہشت، دست بجز، آغوش و دایع، شورشِ آتش، آئینہ قیصر، جو اس فزل میں موجود ہیں جو زیرِ قلم ہے۔ اس سے بھی زیادہ چہچہہ یہ مصرع:

لوتہ ایجا دناؤ انسون مسرہو (دنی قتل)

جو ایک دوسرے سے ذوالِ انشا قتل کے ذریعے، مربوط، ایک واحد، جذباتی تصویر پیش کر رہے۔ غالب الفاظ کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ وہ ان تصوراتی حالات کا روپ اختیار کر لیتے ہیں، جو خوان کی ذہنی و عقلی کیفیات اور فنی تخلیقِ عقل کے مطابق ہوتے ہیں۔ جیسے - وحشت - ایک مخصوص کیفیت کے لئے استعمال کیا ہے، جو طرک کی تجربہ سی اور ماری دونوں صورتوں کا حامل ہے۔ "تسہر" عقلی سطح پر مفید ہوجانے کے لئے استعمال کیا ہے - مڑہ - آنکھ کی جگہ پر استعمال کیا ہے - "آئینہ" روشنی اور علم وغیرہ کے لئے استعمال کیا ہے۔ غالب کی دنیا نے انات، وسیع متنوع اور مشتبہ حیثیات کی حامل ہے۔ اس لئے خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ علم و تحقیق کا یہ نیا پہلو میں ماہرین کے لئے چھوٹی ہوں۔ کیونکہ اس پر غور کریں کہ غالب کے اس ایسا ہی طریق بیان میں الفاظ کا

معروف و رو بہست اتنا غیر معروف و غیر معلوم صورت اختیار کرنے پر مجبور کیوں ہو جاتا ہے؟ سمجھوں اور فقروں کی بندش اُنٹ کیوں جاتی ہے؟ صرف و غرور کیوں جاتے ہیں؟ الفاظ اپنے خاص عمل و مقام پر باقی کیوں نہیں رہتے؟ وہ ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ — معانی کی جگہ — کیوں بٹھا دیئے جاتے ہیں اور افعال ایک سے زیادہ فقرے کی طرف اشارات کرتے نظر آتے ہیں، جس سے قواعد کی پیچیدگیاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں اور ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔

خوشی نیرنگ صبر و مشقِ طاؤس ہے

دام سبزے میں ہے، پرواز چمن شیر کا

ہوپکنس بھی یہی ٹکٹک استمال کرتا ہے،

Ah, touched in your bowser of bone  
Are you! turn for an exquisite smart,  
Have you! make words break from me  
here all alone.

Do you! mother of my being in me, heart.

”So you“ کا ٹکڑا جگے میں غلط مقام پر ہے۔ ٹکٹک اسی طرح جیسے غائب کے معنی،

”دام سبزے میں ہے، پرواز چمن شیر کا“

میں ہے۔ اپنے محل سے ہٹ کر واقع ہوا ہے۔ اسی طرح ہوپکنس کے معنی میں ”Heart“ کا لفظ قواعد کے روئے اپنے مقام پر نہیں ہے جیسے غائب کے معنی میں لفظ ”دام“ اور ”پرواز چمن“ ہے۔ یہ افعال کا محل سے ہٹ کر واقع ہونا، جسے تعقید و لغتی، کہتے ہیں، ابہام پیدا کیے قاری کے ذہن کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ یہ تعقید و لغتی، جسے غائب و ابہام استمال کرتے ہیں، لیکن دانستہ نہیں، جس طرح ہوپکنس غموں کا کرک ہے، مثلاً۔

When will you ever, Peace, wild wood  
dove shying wings that,  
Your round me roaming end, and  
under be me boughs? - Peace

یہ صورت حال ہم غائب کے یہاں بھی دیکھتے ہیں، لیکن وہ اس سے مختلف ہے۔ غائب کے یہاں یہ صورت حال درحقیقت افکار کے طوفان اور صرف و غرور میں تصرف کا نتیجہ ہے۔

مثلاً وہ ایک فعل کو ایک سے زیادہ فقروں سے اور ایک سے زیادہ فقروں اور تجزیہ کی بیخیاات سے منہمک کر دیتا ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے

وحشت خواب عدم شور تماشا ہے اشد  
جو عسر جہیں آ نکستہ تبیر کا

یہاں پہلا فصل ہے۔ دو مختلف حالات کو مرعہ طر کر رہا ہے یعنی۔ وحشت خواب عدم اور شور تماشا۔ دونوں سے مرعہ ہے۔ اور یہ دونوں مل جل کر اس "مرثہ" سے بھی رلنا پیدا کرتے ہیں جو جوہر آئینہ تبیر نہیں ہے اور لیل خارجی حقیقت و تماشا، بنا بیت پر گریب ہے۔ اس سلا آئینہ خارجی حقیقت کے پرے نہیں دیکھ سکتی، جس طرح "خواب عدم" کے پرے نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ ذات خود وہ ایک فریب خیال ہے، لہذا یہ آئینہ سراپا وحشت اور سو زیمات بنی ہوئی ہے۔

یعنی الفاظ اور فقروں کو ایک دوسرے کے اندر پیوست کر دیا گیا ہے۔ یہ صورت حال طوفانی خیال کا نتیجہ ہے، جن کا اظہار مرکب الفاظ میں ہو رہا ہے اور صرف و کلام کے اجزاء کو پہلو پہلو رکھنے کے ساتھ ساتھ خیال میں انقلابی کیفیت بھی پیدا کرتا ہے جیسے پانی میں روشنی کی شعاعوں سے جو نقطہات پیدا ہوتا ہے اس کے پتے انوار تک پہنچنا نسبت آسان ہے لیکن الفاظ کے گزر کو دھندے سے گزر کر ذہن کی بھول بھلیوں سے ہوتے ہوئے خیال کے پیش تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ خاص کر ایسی حالت میں کہ الفاظ اور فقرے ذہن کے اندر مزید پرانہ ہو رہے ہوں۔ اس کے باوجود غائب نے اشعار باستان بکاج زہرہ و مشرقی کے لئے نہیں لکھے ہیں اور وہ لڑکھیں اسی کی قدر و قیمت کو سمجھ گئے ہیں جو خالص جذبہ اور حسیات سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔

غائب کے یہاں متقا و متقابل عناصر، جسمانی احوال، عادی اور غیر عادی اشیاء کا ایک سلسلہ ہے جو ایک دوسرے میں پیوست ہو کر سامنے آتا جاتا ہے۔ غائب نہ صرف الفاظ و خیال کو بلکہ استعاروں اور شعری تشبیہوں کو بھی ایک دوسرے میں بہرتے چلے جاتے ہیں جیسے "آتش پاؤ گداہ و وحشت، شوخی، نیرنگ، آغوش دواغ، شور تماشا، آئینہ تبیر و جبر"۔ جبرونی دنیا کے ساتھ دونوں دنیا کو مرا لاکرتے جاتے ہیں۔ اس طرح غائب نے ایہام اور مبالغے سے بھی کام لیا ہے۔ انگلستان کے ماہر الفیبا آن شوارز کے یہاں جو مقدمات اور شعری تشبیہیں پائی جاتی ہیں اس استعاروں اور لکڑیوں کا جوا غائب ان کے یہاں موجود ہے، غائب کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔

"The Funerall" کا ایک حصہ ملاحظہ کیجئے:

What are shee meant by it, bury it with me,  
For since I am  
Love's martyr, it might breede idolatrie,  
If into others hands these Reliques came;  
As't was humility  
To afford to it all that a Soule can doe,  
So, 'tis some bravery,

*That since you would save none  
of me, I bury some of thee.*

ذہن کی اس نظم میں ابہام مرنے کی بجائے اس سے اٹھنا نہیں ہے، جتنا جذبہ کی خدمت اور غائب کی وجہ سے ہے، حالانکہ غائب کے مقابلے میں یہاں شدت کم ہے۔ مثلاً

آتشیں پاہوں لگاؤ و مشعلِ زندانِ ناز و جھج

موسے آتش دیدہ ہے ہر جگہ زانِ زنجیر کا

غائب کے اس سفر کے مقابلے میں ذہن کی نظم کا کہنا آسان ہے لیکن غائب کے اس شعر میں وہ قرآنی نمایاں ہیں جو غائب کے پیرچوش افکار کے متحدہ و اجزاء کو ایک جگہ سمیٹ کر (مترجم کر کے) صنفِ واضح کر دیتے ہیں۔ یہ قرآنی قواعد و ضوابط ہیں جو موجود ہیں جو مفہوم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا مثال میں آتش کی معاون صفات جذبہ، محبت، وحشت کی فضا کا تعین کرتی ہے۔ مشعل میں وحشت کی یکسویت جو دل کو تیز کر دیتی ہے، اس جزوہ اور آتشیں جذبہ کو اس قدر بھڑکانے کے لیے کہ ہر موسم ہلکے اس کی گرمی سے تپ کر مل کھا جاتا ہے اور مل کھا کر گواہ بن جاتا ہے۔ یہ شعر زندگی کا، اس کی دردناکیوں کا اور بے قراروں کا، اور فنا کا شاعر بن گیا ہے۔ جو "موسے" اہل حق ویدہ کے تباہی شہری سے نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

فریب ہر اس پھر اس طرح سے قرآن و حرکات و دوسرے معاون صفات کی جانب ہمارے ذہن کو لے جاتی ہیں جو اور بھی زیادہ مہم پہنچتی ہیں۔ اور اس بنا پر اور بھی زیادہ دلکش اور

شوخی نیز نگاہِ صید و حشہ طائرِ سن ہے

دامِ سبزہ میں ہے، پروازِ چمنِ تنہا کا

اس شعر میں "نیرنگ" یہی خیالات کو جو نہ جانے کڑاں ہے جو کیفیتِ فریب کو ظاہر کر رہے۔ طائرِ سن کی فریب خوردگی بھی صحت جانے والی ہے اور سبزہ چمن بھی مٹ جانے والا لیکن طائرِ سن اپنے صنف کی شوخی "نیرنگ" میں کھوڑا ہو رہا ہے اور "پروازِ چمن" دامِ سبزہ میں گرفتار ہے۔ حالانکہ بیابان چمن اور جلوتِ صنف سب عارضی اور فنا ہو جانے والی ہیں۔ ہم اپنے آپ کو بے سبب دھوکا دے رہے ہیں جو ان کے دل لگائے بیٹھے ہیں۔ یہاں فریبِ جلوت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

ہاں کھائیو مت فریبِ جنتی

ہر صند کیس کہ ہے کہیں ہے

اس معاون صنف کی ایک اور قسم میں غائب کے یہاں وہ بھی ملتی ہے جو "ایس ایلیٹ" کی فکر میں ہم دیکھتے ہیں۔ اور جو خدا بدلت اور بے شمار دیکھ بھال اور موسوں کی ہوائی استیلا کے تجربات پر مبنی ہے اور جس کی دنیا و فاعل ذاتی اور تلقاتی ہے۔ جب کہ اس شعر میں ہے۔

فتش فریادی ہے کس کی شوخی، تحریر کا

کاغذی ہے ہر جن ہر پیکر نقویر کا

اس شعر میں قدیم فارسی کی ایک رسم کا تذکرہ ہے۔ جب کوئی استثنائہ مدامت کے سامنے پیش ہوتا تو مستقیماً کاغذی لباس پہن کر حاضر ہوتے تھے، یہی استثنائے کی علامت تھی۔ اس شائع سے غالب نے زندگی اور اس کی دردناکیوں (جو اس سے وابستہ ہیں) کی ہر فریب تصویر کی طرف ذہن کو متوجہ کیا ہے۔ جیسا کہ غالب خود اس کی مشعر کر چکے ہیں۔

غالب کا صرف یہ ایک شعر نہیں بلکہ پوری غزل ایک ہی خیال کی ترجمان ہے کہ زندگی ایک فریب ہے۔ اسی طرح غالب کا یہ دوسرا شعر بھی ایسے ہی نے بعد میں زیر بحث لائے کے لئے رکھ دیا تھا۔

کاؤ کا وضعت جانی دے تہائی نہ پوچھ

بج کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

اس میں شرابی کی طرف اشارہ ہے، جو نے شیر کا جو حاصل کرنے کے لئے چٹائیں کات کر دودھ کی ہنر جاری کرنا چاہی تھی (اور میں کی وجہ سے کوہکن مشہور ہوا) غلوں کی تہائی اور وحشت اور کاؤ غلوں کے بارگاہِ انعام یہ ہوا کہ آخر کار ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ کیونکہ جس کی خاطر اس نے یہ سب کچھ کیا وہ اسے نمل سکی۔ اس لئے یہ سب کچھ دام خیال تھا اور لیک در دناک خواب۔ پس واحد حقیقت جو ذاتی رہنے والی ہے وہ صرف اجل ہے اور بے چارگی۔ اور ایسی شدید اور مستحکم وحشت ہے کہ کوئی سیلاب بہا کر نہیں لے جاسکتا۔

خشتِ بخت دستِ مجن و غالب آغوشِ دل

بدر ہوا ہے سبیل سے پیادہ کس تعمیر کا

ہر پیادہ ہونے والی چیز آئی جانی ہے، کوئی پیادہ جہم انسان زندگی کے پیادہ بنی کو نہیں بھر سکتا۔ اس کا پیادہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ کا طلب گار ہے، اور کبھی سیر نہ کرنے والا نہیں۔ اس سلسلہ عروسی اس کی قسمت ہے اور آغوشِ دمار و آوار گشت ہے۔ اس شعر کی تشریح میں پھر اس ابتدائی منزل پر سے آئی جہاں میں نے غالب اور میر کا موازنہ کیا تھا۔ میر کیجئے ہیں۔

سے سانس بھی آہستہ کہ تازک ہے بہت کام

آفاق کی اس کارگاہِ مستحضر گری کا

اور غالب متنبہ کرتے ہیں۔

وحشتِ خوابِ عدم غور متا شاہِ اسد

جو مژدہ جو عسر نہیں آئینہ تبیر کا

اور میر نے بھی یہی کہا تھا۔

مستطربے خودی ہے یہ جہان

جستہ خستہ دار ہوا چاہئے



یہ وہ خیال ہے جسے میرے بار بار بڑی نزاکت کے ساتھ اپنے نقوشِ اعداد میں پیش کیا ہے۔ غالب بھی اس رنگ میں ڈوبے ہوئے ہی تھیں۔ غالب خود اسے اپنے ذہن کی - رنگ ہیں - سے دیکھ کر اسے اپنے اعداد میں پیش کرتے ہیں اور اس قدر مضائقہ آئیز طور پر دل قریب اسے عطا کر دیتے ہیں، جتنی دل قریب خود اس کے مضائقے میں ہے۔

غالب کی زیر بحث نزل قوس و قزحی رنگ کی حامل ہے۔ صرف و نحو کی تمام ترکیبیں انجاہ خیال کے لئے استہمال ہوئی ہیں۔ جن میں لفظ و بیان، تشبہ، شری و مبالغہ، استعارہ اور ایہام، زبان کی مرکب اور مرتب و غیر مرتب مناسبات اور ان سب کی وحدت، منوی و منی ہے جیسا کہ انگلستان کے ماہرِ طبیبیاتی شعراء کے یہاں نظر آتی ہے۔ ماروین (MARVELL)، کاوے (COWLEY)، اوڈون (DONNE) ایہام کو اس کی انتہائی شکل تک پہنچاتے ہیں، اور مرکزی خیال پھیل کر ان کے یہاں فکر کا آتش رن جاتا ہے۔ غالب کے یہاں بھی یہی وحدت پیدا ہوئی ہے بلکہ اور زیادہ شدت کے ساتھ ہے

لذت ایما و ناز امنوں عرصہ فوق قتل

نعل آتش میں ہے تیغِ یار سے خنجر کا

انگلستان کے ماہرِ طبیبیاتی شعراء کے مقابلے میں غالب نے کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ شدت، جذبات اور ہنگامہ خیزی کے ساتھ اپنا مفہوم ادا کیا ہے۔ پنج تو یہ ہے کہ غالب نے الفاظ کے قول میں فکر کو کچھ اس طرح بند کر کے چھوڑا ہے کہ قاری کا ذہن رسا جلد ہی اس کو شس کرے۔ وہ قول ہم کی طرح بھٹ پڑتا ہے اور من کا آتشیں طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ دم بخود ہو کر رہ جاتے ہیں اور کچھ اس کے معانی کی تہہ میں غواہی کرنے لگتے ہیں۔ وہ معانی جو - امنوں مرگ - کے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں اور جو عشق کی طرح آگاہی کو اپنے عین تنویم کے قدرے اپنا - معمول - بنکھینے ہیں۔ اور پھر اسے شہادت کے سرور انگیز حقیقتوں میں ڈوب جانے کے لئے بے تاب کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ زندگی کی دردناکیوں اور آلام روزگار سے آزاد ہو جانے کی تمنا ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ انارکسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ ہوبزکس اور ڈکن کے یہاں بھی نہیں۔

غالب کے یہاں اس آتشیں طوفان کی برق پاشی نذرِ دل کے سامنے آتی ہے تو درمیان دیکھتیں پید کرتی ہے۔ اس کا نظارہ اچھا و جمال مسرت بخش بھی ہو رہا ہے اور مسخر کرنے والا بھی۔ غالب اپنا اس صنعت کی دہرے جہیز اور سرور انگیز نظر آتے ہیں۔

غالب کی تکنیک کے مسائل یہی پہرہ ختم نہیں ہو جاتے، ان کی طرح کے کچھ اور بھی - حریے - موجود ہیں جو اسی طرح دقیق ہیں۔ غالب اپنے اشارے ایسے الفاظ و فقرے بھی صحت کر جاتے ہیں، جن کو منی والی کے لئے ٹوٹے اور تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور جو ایک فقرے کو دوسرے فقرے سے اور اسی طرح ایک خیال کو دوسرے خیال سے مربوط کرنے کا کام دیتے۔ اس بات نے خود غالب کے ہم عصروں کو بھی بہت پریشان رکھا اور

ہمارے دور میں بھی لوگ حیران نظر آتے ہیں۔

غشتِ ہشتِ دستِ ہمزہ غالب آفریںِ ودان  
پڑ ہوا ہے سیل سے چھینا نہ کس تعمیر کا

اس شعر میں پہلے دو فقروں یعنی "غشتِ ہشتِ دستِ ہمزہ" اور "غالب آفریںِ ودان" کے درمیان ربط کا تلاش کرنا خاصا دشوار ہے اور پھر ان دونوں فقروں کو دوسرے مصرع (مثنوی) سے جوڑا ہوا ہے سیل سے چھینا نہ کس تعمیر کا۔

سے مربوط کرنے والا ہیرو بھی غالب ہے۔ اب قاری سے چارہ کیا کرے؟ غالب نے صرف اشارات و قرائن لیے چھوڑے ہیں جو ان کے معنوم نگاہ کی جلدی تک پہنچنے کے لئے نیزہ کا کام دیتے ہیں۔ غالب ایسے شاعر تھے جو اپنی فکر کو تخیل کے غلطے سیکڑاں تک پھیلا دینے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ اگر غالب کے مذہب و روش کی آخری حد تک پہنچنے سے ہم قاصر رہ جائیں تو یہ غالب کی تقصیر نہیں۔ قصور ہمارا ہے۔ وہ خود کہہ چکے ہیں۔

آتشِ کدہ ہے سینہ مرا راہِ نیاں سے  
اے دشتِ اگر معرضِ انہاں میں آوے

تجنیبِ کمرِ معنی کا طلسم اس کو بچھے  
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

غالب کی حدود درج منظم و مرتب قوتِ ادراک و نزاکتِ احساس کے آچکنے میں تخیل کی بھری ہوئی تصویریں جو لفظ ہر ایک دوسرے سے غیر مرئی نظر آتی ہیں۔ ایک وحدت کا ادب و حارقی ہیں۔ اگرچہ قاری کا شعور بہت زیادہ ہو تو اس کا شعور معلوم ہو جائے۔ کیوں کہ مرکزی خیالِ دماغ میں پھیل کر ایسا قوس و قزح بن جاتا ہے کہ ان مختلف رنگوں کو سمیٹ کر روشنی کی ایک کرن بنانا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے تربیت و افتادہ پن کی سہولتیں مطلوب ہیں۔ غالب کا مرکزی خیال اپنے تمام اجزاء سے ترکیب کے ساتھ دیکھوں کہ کوئی خیال کہیں تنہا نہیں ہوتا بلکہ بہت سی کیفیتوں کا مجموعہ ہوتا ہے (معارف کا حامل ہے)۔ غالب کا شعور گویا ایک ایسا نظام جسمانی ہے جس کے اندر رنگ و باری (PLASMA) کی تہ نشیب و موجیں چہرہ رواں ہیں، جن کا تقاضا ہے کہ غالب کی مشاعری پر ہر دور میں ٹپٹ پٹ کر نگاہ ڈالی جائے۔ جلد پایہ مشاعری کی بلندی پہنچاؤں یہ ہے جیسا کہ کالریج نے بھی واضح کیا ہے۔

غالب کے بہم ترین اشعار میں بھی ایسی کشش ہے کہ آدمی غالب کی طرف پھٹنے پر مجبور ہے۔ یہ بات غالب نے خود اپنے زندہ کماؤ پر مشحون کہہ دی ہے۔

(تجنیبِ کمرِ معنی کا طلسم اس کو بچھے  
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے)

اس قسم کی سٹ وی سے نفسیاتی اپنا چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو اور ان کی سٹاؤ نہ مشکل پسندیوں اور عید انہم ایہام کتنی ہی الحسن کیوں نہ پیدا کرے، غالب کو نہ نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ انہیں کوئی ٹھیکہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے وہ ہمہ گیر ہے اور اس واسطے بھی کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس انداز سے کہو اور نہ نہیں کہا ہے۔

غالب کا انداز بیان شاندار اور ادبیات عالیہ کا نمونہ ہے اور کوئی سخن نہم یا عام قاری ان کے اشعار کو فراموش نہیں کر سکتا۔ یہی سبب ہے کہ غالب کی شاعری مسترت خیز اور تیسس انگریزی ہے اور یہی صفت غالب کو ذوق جاوید کر دیتی ہے۔ سخن جنہوں کے لئے غالب کے اشعار میں ذوق کہ معنوم و معنی کا شکر کرنا شادمانی خیز ذہنی فاضل کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور عام لوگ اوپر سے سطح پر رہ کر جڑی جہا پڑتی تسکین حاصل کرتے ہیں۔ اُن کا انداز بیان ناقابلِ متحجہ ہو جب بھی ان کے اشعار کا حسن تشکیل و جمال ترتیب الیہ ہوں گے پراسرار مجسمے کی طرح گواہے اہل اس کے اشارات و رموز ہمارا مسترت انگریزی کی کیفیت سے معمور ہیں۔

## فکر غالب کی معجز نمایاں

(سنہ ۱۹۵۵ء سے آج)

فریض، تصدیق، اشتیاق اور دبا محال — بنو دیگھے جا بھی — اور کلام بھی معجز نمایاں ہیں بہت چٹاپہ ہے۔ لیکن میرزا کا کہہ انداز آج بھی درست ہے، میں طرح انکا سے سوا مسائل پیشتر درست تھا،

فارسی ہیں تا بہ یعنی نقش ہائے رنگ رنگ

بجز راز جو مسلمہ اندو کہ ہر رنگ من است

## بہتیبہ ذکر غالب

(سنہ ۱۹۵۵ء سے آج)

لہذا میں خطوط اور فارسی نثری بھی غرضی بن جاؤں۔ اس مجسمے کا نام انھوں نے "باب وود" تجویز کیا تھا۔ اس کا حق، نظم اور نثر کا ایک میگزین والا ہونے کے آگے خط و کتابت اور معجز نثر است مسئلہ کے اعتبار سے میں شائع ہوئے ہیں، نثری جتنے ہیں خود خط و نثری مختلف ہیں غالب کے ہم لگا ہیں۔ ان میں سے دوسرے خط و نثری لکھتے ہیں لکھ

ایں بار طالع بار طالع کہ دوست دیرینہ

منست، بابو گرانے ہمدردش من

نہاوا چارسی فرجہ کرد ہمدی

کوہوں پہ کہ دیا یعنی کہتے کہاں اندو

ڈاکٹر سید محمد یوسف

## دُشوار تو یہی ہے کہ

## دستوار بھی نہیں

اردو نامہ نگار کی شمارہ ۳۲ - جولائی ستمبر ۱۹۹۷ء میں - مشکلات غالب مصلحتہ شیاد فتح پوری پر ایک تنقید " انجناب عبدالرب کوکب ، انظر سے گزری - غالب کی طرح کوئی عظیم شخصیت مشکل پسند مشہور ہو جائے تو اس کے شاعرانہ بعض اوقات خواہ مخواہ مشکل میں پڑ جاتے ہیں . غالب کے اردو کلام میں جو الفاظ اور ترکیبیں مشکل معلوم ہوتی ہیں وہ صرف اردو کی حد تک مشکل ہیں - فارسی عربی کی رو سے ان میں کوئی اشکال نہیں - رہے اصنافِ سخن ، موضوعات ، مضامین تو وہ متروک ہیں جو فارسی عربی شعرا کے یہاں متداول تھے - فقائد کے محرکات اور مسامحات وہی ہیں جو عربیوں سے ویداری مشاعری کے تھے - غزل کی لہجہ اور طبعی و قدح اپنی طریقت بان پہمائی ہوئی ہیں - تصنیفات میں ان کا اپنا کوئی مسلک نہیں - جو متصرفانہ اور فلسفیانہ خیالات فارسی شاعری میں رہتے ہیں جہاں تک و کلاست ان کے یہاں ملتے ہیں - ہاں انہیں ادا ، شوخی ، بیان و رنگینی ، تخیل اور قوت سے بہرہ ور نہ مل سکتا تھا - - - - - ان کا اندازہ ہے ، جو خواص سے تو چھوڑ کر وحش کی امید رکھتا ہے ، اور فوراً اور سرورِ بخشش ہے - الغرض غالب نے اردو کو بہت کچھ دیا لیکن اس سے شاید ہی کچھ کمایا ہوگا - وہ کلاسیکی روایت جس سے انہوں نے سب کچھ کمایا اگر اسے سامنے رکھا جائے اور ان کے کلام کی تشریح میں وہ مسلک اختیار کیا جائے جو فطرت میں اصحابِ ظاہر کا متنازعہ میر سے خیالی میں مشکل خاصی آسان ہو جاتی ہے - نیز اصحابِ کہیں کہیں اصحابِ تاویلی کے مسلک پر چلے ہیں - نبھا صاحب بڑی حد تک دورانِ کار و دجلوں سے بچے ہیں - کچھ لوگ اصحابِ کلام کی روش پر چلن پڑتے ہیں جو بزمِ شمس میں اپنی حشامی مرقاویں سے -

ذیل میں چند مشکلات غائب کی سطور پہلی کی جاتی ہے۔ اگر یہ مروجہ "سمنہ" ہم "حضرت کے نزدیک" قبول ہو تو اس کے مذکورہ بالا گزارشات کی تشریح ہوگی۔

(۱)

آشفقت علی نے نقشبیں سوچا کیا درست  
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دودھ تھا

سودیاء، جسے حشہ نقشب بھی کہتے ہیں، دل کے بچوں بچے ایک سیاہ نقطہ ہوتا ہے جسے شاعر مزین  
عشق ہی سے نسبت دیتے ہیں :

ہزاروں دل دیکھ چوڑی چوڑی عشق نے جہر کو  
سیر ہو کر سوچا ہوا گیا ہر قطرہ غلّوں تن میں

حدیث میں جس "نکتہ سوداگر" سے لکھاری سے پیدا ہونے والے داغ دیتے — کا ذکر آتا ہے وہ  
اوپر ہے۔ درست کرنا یہ شک فارسی کا تھتا ہے — فارسی میں درست کرنا = ساختن درست کرنا / درست  
کرنا ساختن بھی انہیں معنی میں ، دیکھئے فرسٹ آئند راج — اردو میں بھی درست کرنا انہیں معنی میں مستعمل ہے۔  
آشفقت نے خلق سودیا کو اور زیادہ گہرا کر دیا ، پھیلا دیا ، مکمل کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ داغ دل دودھ کا بنا ہوا  
تھا — دودھ سیاہ ہوتا ہے اور پریشانی کے لئے ضرب الش ہے۔ خلاصہ یہ کہ آشفقت علی، جنوں انسان کی فطرت  
میں ودیعت کیا گیا ہے۔ جیسے جیسے آشفقت علی بڑھتا ہے داغ سیاہ بھی دھوئیں کے نشان کی طرح بڑھتا جاتا ہے  
درست ہو جاتا ہے ، مکمل ہو جاتا ہے ۔

(۲)

سادگی و پیکاری بے خودی دہشتیاری  
حسن کو تعفن میں برائت آزمایا

حسن کی سادگی میں — یعنی زینت و آرائش سے بے پروائی میں — بڑی پیکاری — کہیں زیادہ تاثر — ہے ،  
میں سادہ ذوق حسن دیکھنے والے کے لئے — "کٹوہتم" (connoisseurs) کے لئے — جمال خانہ بدوش  
سے کہیں زیادہ دھنک ہوتا ہے۔ زینت و آرائش سے بے پروائی علامت ہے بے خودی کی — سلاطین کی  
اکبریا کی ، ان کی حسن کے ساتھ خود میں دلوں آراء ہونے کی — عفو و انصاف کی یہ نفسیات کینڈیت عاشقوں سے  
بے نوازی کے ، اور مشتاقانہ وید کی طرف عدم التفات کے — وہ انداز پیدا کرتی ہے جو ہشتیاری — یعنی خود کشانی ،  
ظرازی ، غریبہ جوئی اور گرویدہ ہونے کی شعوری کو مشبشوں سے کہیں بڑھ کر مؤثر اور کارگر ثابت ہوتے ہیں ، یہ حق کے  
اعتبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ سب غفلت — یعنی درحقیقت بے پروائی — نہیں بلکہ نشان ہے ، سادگی نہیں  
بناوٹ ہے۔ (عربی لغت اور مشتقاق کے خاص کی رُو سے تعاف میں مختلف تصنیف کا پہلو ہے — غفلت کا بناوٹ)

اعبار، یہاں طرق جہل اور تباہی میں ہے۔ میں سوچے مجھے منصوبے کے تحت شعوری طور پر بے پروائی اور عدم اہمیت کا اعجاز اختیار کیا گیا ہے تاکہ عاشق کی جرأت کی آزمائش ہو۔ جرأت اظہار و تمنا کی جو مقدر جذبہ اختیار و عشق ہوتی ہے۔ جس کا تعلق عاشق کے لئے تختہ (challenge) کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے جذبہ عشق کا امتحان ہوتا ہے۔ اظہار و تمنا میں جرأت کی آزمائش اس وقت ہوتی ہے جب میں عشق کی آویزش میں لطافت، نزاکت، تمکین ملحوظ رہے۔ یہ ہم سے کئی جاؤ..... والی بات نہیں۔ یہاں غالب اوج عظمت سے آداب عشق کی نگہبانی کر رہے ہیں۔

(۳)

مسنوئے کیجیے جو ہر اندیشہ کی غری کہاں  
کچھ خیال آیا تھا و محنت کا کہ سوراہا بن گیا

عقل و فکر کا اظہار و مکتب سے تو نا سہمت رکھتا ہے لیکن "مکتب غم دل" سے نہیں۔ دل اور غری اندیشہ کا باہمی ربط و ربط ہے جو اس ہیئت میں صاف طور سے بیان ہوا ہے :  
ابتداء و حوصلے سے یہی غری گرا ندیشہ میں ہے  
آہنگینہ تشددی مہیا سے پھٹلا جائے ہے  
جو ہر اندیشہ میں لطیف اشارہ جو ہر آئینہ کی طرف بھا ہے۔ ہیئت سے کہہ تاثر ایسا بھی ہوتا ہے جیسے "لفظیہ جاؤں تو دریا سے یا باب کہے :"

(۴)

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا  
مرنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

شعری روایت میں الفاظ کا جدیدی اختلاف ہو، معلوم دہی ہے جو شعرا کے یہاں متداول ہے :  
مرا در منزلِ حاناں ہے اس دھیش چل ہر دم  
برس مسرور دی دارو کہ بر بندہ کھنہا

مرنے کے بعد جو مجھے دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ موت کے باعث رنگ زرد ہو گیا ہے "حقیقت یہ ہے کہ مرنے سے پہلے زندگی میں بھی سہوا رنگ زرد تھا" جیسے ہر وقت موت کا کھٹکا لگا رہتا تھا اس اندیشہ مرگ کی وجہ سے مجھے زندگی میں اس دھیش حاصل نہیں ہوا۔ زردی کا سبب مرگ کا کھٹکا عشق کا کوئی ڈاکر نہیں۔

(۵)

دل حسرت زدہ مست مائلۃ لذت درد

کام یاروں کا عبتدرب و دناں بخلا

میرے دل میں حسرت کے سوا کچھ نہیں۔ طرح طرح کے غم ہیں۔ گویا ایک دسترخوان ہے میں پرانا فارغ و ختم  
کے دند چنے ہوئے ہیں، جو یاروں کے لئے سانا ہوا لذت ہیں۔ یار بہت دلرب و دناں — یعنی جی بھر کے دستیاب آن  
کے کھایا جاسکے۔ — میرے درد سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ کوئی پہلو غم گسار نہیں۔ میں سے مہدودی کی توقع ہو سکتی ہے  
وہی اندازہ لیتے ہیں اور غش ہوتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں۔

(۶)

مشمار سجدہ مرغوب نہ ہو مشکل پسند آیا

نرماشے بیگ کف جودن مدد دل پسند آیا

سُبح نامزد ہیں کے ماتحت ہیں ہوتا ہے اداسی کے ماتحت ہیں ہے۔ زائد شادی زریا کا ہے، عشق بناں دل  
میں چمکا ہے پاک ہاتھ کو دینا کو دکھانے کے لئے بیچ پھرتا رہتا ہے اور کئی کو یہ نرماشہ دکھاتا ہے جس سے اس کا مقصد  
میں کھائی سے ہم کام ہوتا ہے۔ وہ عشق کو متوجہ پا کر حد و اندیشہ کی زبان سے کہتا ہے: یہ ہے پیری مشاہد  
دل رباں! عشق کو یہ درپردہ گفتگو جسے آسانی سے ہر ایک نہیں کہہ سکتا، پسند آتی ہے۔ یہ اس کی مشکل پسندی  
ہے۔ اس کے برخلاف وہ عاشق ہیں کا فاسر ہواں کھیاں ہوتا ہے، جب وہ آسان، ہر ایک کی سمجھ میں آئے والے الفاظ  
میں حسن کی دل رباں کا بیان اور چرچا کرتے ہیں تو عشق کو پسند نہیں آتا۔

(۷)

بیاں کیا کیجئے پیدا کاوش ہائے مژگاں کا

کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے شمعِ مریاں کا

کاوش ہائے مژگاں یا رے عاشق کا دل خون ہو کر قطرۂ خوں عاشق کی مژگاں سے چمکتا ہے۔ جب قطرۂ خوں  
عاشق کی مڑ سے چمک رہا ہو اس وقت اس میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں، ایک قطرۂ سرخ دوسرے اس کے اندر قرعہ کا  
سیاہ خط، بالکل اسی طرح جیسے سورج داغ شمع اور اس کے اندر سیاہ دھبہ۔ اسی نسبت سے داغ شمع مریاں  
میں سورج اور سورج میں دھبہ شمع کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ایک اور تشبیہ۔ خاندہ مژگاں بہن دل، میں بھی ران

دو دنوں چمپینوں کی رعایت بالکل اسی آغاز سے ملتی ہے :

پچھلے مجسور ہا ہے خاندن شرکاں بکڑیہ دل  
ساڈ چن طرازئی دامان کئے ہوئے

”خزہ گوہر باد“ میں گوہر ہی نہیں، سنگ و خرو، بھی نمایاں ہوتی ہے اور سنگ کے لئے گوہر داخل، میں  
شہزاد کا لسان خروسی ہے :

تری اولاد کے خم سے ہے ہونے گردوں  
سکب اختر میں مہر تو شرف گوہر باد

(۸)

مری تعمیر میں مضربے اک صورت خرابی کی  
ہیوئی برق خرمیں کا ہے خولہ گرم و ہقان کا

وہقان اپنے گرم خون سے - محنت سے - گاڑے پسینے سے - خرم تیار کرتا ہے ۔ جیسے ہی خرم تیار ہوتا ہے  
کوئی بکلی اگر اسے نکلا کواڑی ہے :

بچ کر پہلے تو خرم داند داند کر کے تو  
آہی نکلے گی کوئی بجھل جھلنے کے لئے

یہ کہنا ہے جان ہوگا کہ خون گرم و ہقان جس سے خرم تیار ہوتا ہے ، اسی سے ، خرم کی تیاری کے ساتھ ہی  
ساتھ ، برق خرمیں بھی تیار ہوتی ہے ۔ وہقان کو یہی ٹھٹھا کھیتی کی تیاری کے دوران ہمیشہ لگا رہتا ہے ،  
خوشی کیا کھیت پر میرے اگر دوبار بارگش  
کہتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمیں کو

(۹)

نظر میں ہے ہماری جادو راو فنا غالب  
کہ یہ خیرازہ ہے عالم کے اجزاء پریشاں کا

اس بیت میں فلسفہ و تصوف کا ایک دنیاوی مشدش امرانہ خیال کے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے ۔ بقول اقبال  
عقل چڑھت ہے :

”نیکر دستعلہ دچیند مشہور ہا“



عقل حقیقت کو ہمیشہ تک نہیں دیکھتی بلکہ اپنی دلدل میں ایک کے ہزار کر ڈالتی ہے۔ ٹوٹے ٹکڑے پہاڑ لاشع ہے۔ عالم کے اجزاء پریشانی کو چا کا نہ دیکھتی ہے۔ اس کے مقابلے میں کشت سے سارے عالم کی حقیقت ہمیشہ تک مشاہدے میں آجاتی ہے۔ پورا کا پورا پہاڑ بیک وقت گرفت میں آجاتا ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ عقل ایک عضو آفکھ، کان، ہاتھ، پیر۔ سینہ و عینہ دیکھتی ہے، کشت سے پورا جسم بیک نظر دیکھا جاتا ہے۔ عیا دہ ما وفتا و دنیا فی انتہ، ہا نص قسوت کی اصطلاح ہے۔ یہ چارہ کا طویل خط ایک لمحے کی طرح ہے جو عالم کے اجزاء پریشانی کو یکجا کر کے ہی دیتا ہے۔ بحکوت ہوسے اور ان کی خیرانہ بندی کر کے ایک کتاب کی شکل میں سامنے رکھ دیتا ہے۔ ان فرضی راویوں کا سالک حقیقت ازل کا ہمیشہ تک مشاہدہ کرتا ہے۔

(۱۰)

رنگ بشتکت، صبح بیا پر نظارہ ہے  
یہ وقت ہے سنگفتی نگاہ سے ناز کا

عاشق کا رنگ بشتکت۔ یعنی جب اس کا رنگ فن ہو جائے اور چہرے پر سفیدی کی جھلک نمودار ہو تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ صبح پہا پر نظارہ طلوع ہو رہی ہے۔ یعنی معشوق اپنی تمام رنگینوں کے ساتھ جلوہ گر ہے اور اس کے گوشہ زریہ کا دیار ہو رہا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب ناز کے شکر نے کھلے ہیں۔ عیب عاشق دور ہوا اور اس کے چہرے سے خوں و اضطراب کے آثار نمایاں ہوں، تبھی معشوق ناز و غرہ کرتا ہے۔

(۱۱)

مسلمہ ازبکے تقاضا سے رنگ کرتا ہے  
جو ہر آغز بھی چاہے ہے مرگان ہونا

اس بیت میں جو تخیل اور استعارہ ہے اسے سمجھنے کے لئے فارسی کا یہ بیت سامنے رکھنا چاہئے جسے غریب آزاد راج میں نقل کیا گیا ہے۔

ہشتم حیران مرغان نمی پوشد بہم  
بجز جو ہر آغز آید بکار آئینہ را

جو ہر آغز مرگان بن جائے تو آئینہ کو ہشتم بینا کی شکل میں ہوا اس سے ٹکرائے اور محبوب کے ولی میر آئینہ دیکھنے سے خود مائل اور جلوہ آرائی کی ہوا ملک اٹھتی ہے وہ پوری ہو۔ خلوت میں تادم آئینہ دیکھتے رہنا عین سبب کا ہر سبب ہے۔ افس وقت اُن کے انداز، غازی آثار، نفسیات اور داخلی کیفیات۔ سب کی تصویر غالب

لے اس ایک ہیئت میں کچھ کر رکھ دی ہے جسے حقیقی نہیں۔ تنہا شائے فکر سے مستثنیٰ نہیں۔

ہمیں ازل کہ پروردگار و علی میں ہے جناب  
کہتے ہیں بے قراری سے سہلۂ عام کے لئے

(۱۲)

نواز شہادت ہے منہ دیکھتا ہوں

شکایت اپنے رنگیں کا بگڑ گیا !

رقیب پر نواز شہادت ہے جا۔ ساری اہمیت ہے جا۔ کو حاصل ہے۔ رقیب پر نوازشیں تو رنگ  
اور لگا کا سبب ہوتی ہیں لیکن نواز شہادت ہے جا۔ وہ تو حقیقی لطف و محبت کی علامت نہیں، بلکہ محض عاشق کو  
دکھانے اور اس کو جلاسنے کے لئے ہوتی ہیں، اور عاشق کے ساتھ دوسرے لگاؤ کا پتہ دیتی ہیں۔

تمہاری طرف تو دوسری جانتے ہیں ہم کیا ہے

رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے

یہی۔ ہمارے دکھانے اور سنانے کو اوروں پر مہر و نیاں کرتے رہتے ہوئے (شہاد)

ہمیں طرح رقیب پر نواز شہادت ہے جا لگا کا سبب نہیں، اسی طرح خود عاشق سے ہمیں شکایت ہانے رنگیں  
بھی لگا کا سبب نہیں۔ جھوٹی لزام ہے دہائی کے، بلاوجہ مشکوک شکایت، انہماک و انگلی، پرہیز، ہمارے رنگیں، جس سے  
ہمیں کی رنگیں ہیں اور اضافہ ہوا ہے، یا شکایتوں میں خوب نصیحت کا رنگ بھل کر ہے۔ یہ سب تو وہ چیزیں ہیں جن  
کے بغیر محبت کا مزہ نہیں، اسی سے توفیق کے لگاؤ کی یقین دہانی ہوتی ہے۔ کوئی گور و ذوق ہوگا، جو ہر سے دھوکا کھائے  
دوسرے حقیقت کو نہ چاہے، اور ان کا لگا کر ہے۔ رقیب پر نواز شہادت ہے جا اور عاشق سے شکایت ہانے رنگیں، دونوں  
ایک دوسرے کا تہہ ہیں، ایک ہی سکر کے دور رخ ہیں۔

(۱۳)

نگاہ ہے مہربان ہوں

تفہا لہا سے تمہیں آزما گیا !

اسی معنوں کا اسی غزل میں چار ہیئت بدیہوں اور کیا گیا ہے،

نما یا گیا ہے، میں خامن، اور دیکھ

مشہدیان، نگہ کاروں بہا گیا

(۱۴)

دماغِ عطر پیسہ راہی نہیں ہے

عسبِ آوارگی داسے صبا گیب

یہ بیت سادہ ہی ہے لیکن اس سے زیادہ صاف الفاظ میں بعینہ اس خیال کو غالب یوں لدا کر گئے ہیں :

محبت نئی چمن سے لیکن اب یہ بے دعا نئی ہے

کہ غریب بولے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

پیرا میں لیٹا ہوا ہوں گل - عطر پیرا ہوں - بولے گل - پیرا میں کے عطر کا دماغ نہ ہونا = بے دعا نئی = جسمانی

کیفیت یہ ہے کہ مہربان بولے گل سے ناک میں دم آتا ہے - اگر دارسا ایسا ہیخوار ہمارے لئے الجھن کا باعث ہو تو یہ غالب کی

شکل بہت ہی قریب ہوئی، ہماری آسمان علی ہے -

(۱۵)

دلِ مسرِ قطرہ ہے سازِ آنا بہر

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا!

غالب کا ایک اور شعر جو زبانِ زوفا میں دعا ہے یاد کیجئے :

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دعا لیکن

ہم کو تقلیدِ تنگ غزنی منظور نہیں

صرف خیال ایک - لکھ الفاظ (قطرہ) دیا = ہمارا بھی مشترک ہیں - ہم اس کے ہیں - غالب ہم دوست

کے تامل ہیں (ہم دوست کے نہیں) : اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے نہ - ہم کو تقلیدِ تنگ غزنی منظور نہیں :

یہ تصریح ہے اور ایک حد تک بھونڈی تصریح - اس کے مقابلے میں - ہمارا پوچھنا کیا - تصریح کے گریز ہے 'مردودِ لطیف

اور مضیٰ مطلب' اس سے دونوں شعروں میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہے -

(۱۶)

پتے خرو کرم تنفس ہے سحرِ نارسائی کا

بھون فطیہ صد رنگِ دھڑکی پارسائی کا

نہ کارِ ناپید کو پارسائی کا مدعا ہے اور یہ نظم ہے کہ بخشش اسی کی ہوگی - رہا کہا ہے 'من آنچی نہایم ہم

دہائی صفر ۱۶۰۲ء

## بیگم فضل کاظمی

# غالبے شاعرِ بُتے شکر

حقیقت اور صداقت کا جذبہ سب سے پہلے ایک معصوم ذہن میں پیدا ہوا۔ ایک شخص نے حیرت اور سترت کے ساتھ اس فضا سے بسپا کا جائزہ لیا، جنگلات کے ساروں کو، اس کے بعد اس سے روشنی پاؤں کو، اور پھر اس سب سے روشنی کو سدا کو پہنچا کر کہا، "لیکن اس کی جگہ کی جگہ کی کوئی دیکھنا ہی جب یہ سب کچھ بھر دیکھے اپنے معمول کے مطابق انسان کی زبانوں میں مذہب گئے۔ یہ نے کہ سرحد میں کیا، اپنے آباؤ اجداد کے معبد میں داخل ہوا اور یہ طبع جن کو کوڑا والا ہی کہتے ہیں، اس کے قہر کے رنگ کیا کرتے تھے، اس نے کہ اس بچے کے ذہن میں حقیقت کا بڑا تصور تھا اس میں حال ہی تھا اور ادبیت بھی۔ یہ کادربت تراش کے بیٹھے بیٹھے تھے جنہوں نے شعرا اور ادیب کی نظروں کو لے کر کہنے لگے کہ بڑی کا درجہ حاصل کیا یہی شعرا اور ادیب۔ سر یہی ہفتہ رندانہ جس نے حضرت ابراہیم کو فریاد اور ادب اور شاعری ذات میں ہی شامل ہوئی ہے۔ شاعر بڑی کھلیک جزو ہے۔ شاعری زندگی اور زندگی زندگی ہے وہ مربع تبدیلی کی طرح نکلتا ہے اور اس نکلتا ہے۔ حقیقت اور صداقت کی تلاش ہوئی ہے۔ حقیقت کو جبر کے کتب کشائی اس کا مقصد حیات ہے۔ وہ رد و قبول کے درجے سے گزر کر ہی ایسا ادب پیش کر سکتا ہے جس میں جلال اور ادب یکساں ہو۔ یہ تو سب سے بڑی بات ہے اور ساتھی تھے بت تو شاعر ہی جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاعری کیا ہے اور شاعری اور انسان کے درمیان کیا رشتہ ہے۔ اس طرح شاعر کی تعریف کو دے ہوئے کہا ہے کہ یہ تخلیق کے ذریعہ فطرت کے امکانات کی از سر نو تفسیر کرتی ہے۔ اور اس طرح داخلی طور پر انسان کو بدلنے میں مدد دیتی ہے۔ کارل مارکس کے ۱۸۸۷ء میں۔

”ہم تخلیقوں کے ادب و دنیا کی تعمیر کی ہے اصل کام اس کا بدلتا ہے۔“

اور کام ادب یا شعر کے ذریعے تخلیق میں کیا ہے جو اپنے ادب کے ذریعہ انسان کے جذبات کو منظم کر کے نئے سانچے میں ڈھالتا ہے۔

اس نظریے کے تحت جب ہم اردو شاعری کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو خطی نگاہوں ایک ایسے شاعر پر اکر رہ جاتی ہیں جو غیر معمولی حد تک حقیقتوں کا اندازہ ہے جس کی شاعری عقلیت اور صورت کی کشمکش ہے جس کے یہی طریقے حیات

کاظمی غالب ہے اور یہ ایک کیف اور مستی کے عالم میں کہ اٹھتا ہے ۵

ہاں میا وینا سے چہ رشتہ زندہ آؤر مانتھ

ہر گن کر شد صاحب نظر میں ہر گن غول نگر

یہ صاحب نظر انسان غالب کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ جو اپنے درد کا سب سے بڑا ثبوت تھیں۔ جس نے اپنی فنی زندگی کے کم و بیش پچاس ساٹھ سال غور و فکر و کشاکش، تجربے اور مدد و قبول میں بسر کئے۔ زندگی اور فکر کے نئے رجحانات و مباحث کی نئی گنجائش و خیالات کی پبندی، آنے والے عہد کا مزاج ان سب کا رنگ غالب کے کلام میں نظر آتا ہے غالب زندگی کا شاعر ہے۔ اس کے پہلے جوش و نشاط اور تازگی و نشاط و زندگی موجود ہیں۔ اس کے نزدیک علم کی تباہ کاریوں کے باطن میں بھی نشاط کی کیفیت تھی ہے۔ وہ زندگی کی بربادگی، غم، افسوس اور تیر و تار خفا کو دیکھ کر انہیں ہند نہیں کرتا بلکہ اس تباہی میں پانچ تار تارے نشاط سے کھینچ کر روشنی صومیں کرتا ہے۔ اس طرح اس نے نہ صرف زندگی کی سخت سے سخت مشکلوں کو اپنے صوم میں گھول کر ایک نظم کا ایک نظم ہی صوم کر دیا۔ وہ نظم کو انسانی تربیت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اس سے شاہد سے بڑا فکر میں گہرا دلچسپیا ہوئی ہے ۵

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

درد کا درد سے گزرا ہے دوا ہو جانا

غالب کی فطرت صرف انہیں نیکیات کی تباہ نہیں بلکہ اس بڑی تباہ سے اسے اپنے خلیاب موتی پر تیر ہوئے ہیں جس سے ایک طرف درد و شاعری کا دامن ملا ہوا۔ تو دوسری طرف غالب کو بھی بادیت حاصل ہوئی۔ غالب کی بڑائی اس بات میں ہے کہ اس نے بادیت اور تجربے کے درد سے گزر کر اپنے کلام میں ان خیالات کو پیش کیا ہے جس سے پچھلے درد و شاعری میں دھڑکیا گیا تھا گھٹ گیا۔ لیکن ان کا انداز لگانے کے لئے میں غالب سے پچھلے اور غالب کے بعد کے درد کی خصوصیات کا جائزہ دینا ہو گا۔ کس عصر کی خصوصیات کے لئے میں کہ اس عصر کے فنکاروں کی اکثریت اپنے فحش تر فکر ناموس میں یہ خصوصیات کی حامل ہے جن کو اس عہد کے میلانات کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

پچھلے غالب سے قبل کے دور میں ناقد و شاعر میں جس کے کلام میں درد و مندی کے ساتھ صحت میں سے پورے گہرائی ہیں۔ میر کا اصل موضوع و حشر ہے نہ انسانی صدقہ بلکہ حیثیت مجموعی مثل تجزیہ کے زوال کاظم میر کا موضوع علم ہے۔ ایک بڑا شاعر اپنے فاضل، مہل اور مستقبل سب کو کھینچ لیتا ہے۔ اس نے ان کے علم میں اس کا اپنا عہد موجود ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی انسانی تاریخ کی روایت بھی ہوتی ہے۔ میر کو پہلے شاعر سے میں قدروں کے مٹ جانے اور نہ ہونے کاظم کاظم تھا ہے۔ جو ان کے زمانے کی سب سے بڑی قدر میں گیا ہے۔ جب قدیم نہیں ہوئیں اس وقت بھی ان میں کوئی لب نہیں پانچوڑش ہوا ہے جسے میں کہ شریف نے "یعنی قد" کہا ہے۔ جو کسی واقعی ناقد سے متعلق ہوتا ہے۔ قدروں کے حصول کے مسئلہ میں نظم اس وقت تک سب سے بڑی قد ہے ہر ایک کوئی ایسا شاعر و شاعر نہ جانتے جہاں انسان کو مرتفع نہیں ہو۔ مرت کے حصول کی نگ و دور میں مرت کے نہ ملنے کی صورت میں جو شاعر باہمی ہے اسے کم کہا جاتا ہے اس لئے علم شاعری اور زندگی دونوں کی سب بڑی قدر ہے۔ یہ آوی کی بھی پہچان ہے اور شاعری کی بھی۔ میر کاظم اس لئے بڑا



وہ شاعری شریف کہی پست ہیں لیکن زندگی کا غیر مقدم کرتے ہے۔

اٹھارویں صدی کے وسط سے حالات بدلتے چلے گئے۔ ایک سریوں کی قوم کے غلبے کی ابتدا ہوئی۔ وہ بدلتے ہوئے حالات نے زندگی کے دور کی پیدا کردی اور عشق کا فانی و غرض تصور پیدا کر دیا جس سے ایک طرف صوفیانہ شاعری کو فروغ حاصل ہوا عشق اور اس سے متعلق علامتیں طواریت کے اظہار کے لئے استعمال ہوئیں۔ اس طرح تصوف کی شاعری کے زیر اثر عشق شاعری میں لائیت کا اضافہ ہوا۔ اور دوسری طرف فلاطونی نظریہ عشق پیدا ہوا۔ فلاطونی نظریہ عشق سے مراد ہر کی شاعری نہیں ہے بلکہ جب وصل کی خواہش کو ترک کیا جائے تب فلاطونی نظریہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ بدلتے ہوئے حالات کے تحت ملک میں احمدی انقلاب برپا ہو گیا تھا یہی پہلے نظام حکومت میں اجری اقتصادی کش کش اور محرومیوں کا احساس بھی پیدا ہوا جس کے نتیجے میں غالب نے جس دور میں ماسوں کی و کش کش اور کشد کا دور گذشت ہوا۔ غالب اپنے عہد کی اس کش کش کا آئینہ دار رہا۔ خصوصاً اس دور سے بھی کہ وہ ذاتی زندگی کی رو سے بھی اس کش کش میں گرفتار تھا اس کی ذات میں بھی تقدم کے آثار تھے۔ غالب اشیاء کو نگاہ بگاہ پر آکر دیکھتا ہے۔ اسے وہ طریقہ غرض نہیں ہے جو سرے شہد ملکہ شیش کی نظریں میں مرثیہ پڑھتا ہے۔ غالب اسے رسم و رواج کی بجائے کہتا ہے جو اسے حضور نہیں ہے خیال تارنگ بھی ہے اور اس میں غالب کی بیت فکری اور کج گوئی کی ادھیں جی ہے۔ وہ بے کتاب ہے

اور دانا کے لئے آئے، اگر تو مٹ گیا

جس نام، ہم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے

قوام راستے سے ہٹ کر اپنے عشق کی راہ کی تلاش میں سرگرداں ہو گیا ہے۔ غالب کی شخصیت اور شاعری کے پس منظر میں اس قرار اور گروہ کے ساتھ جانوریت اور تشاغل کے جلوے ملتے ہیں۔ یہی متضاد مینا ہے اس تہذیب ماحول میں زندگی کی ہم آہنگی کے سبب اس کے فطن میں داخل کر جائے سامنے آتے ہیں۔

غالب کو اس دور کی انتہائی جدیدیتوں کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس میں حالات کو ہم نے صرف بقاعدہ مسلم کو متکلم کر دینے کی ایک خواہش ملتی ہے۔ دیکھو وہ ایک تہذیب کے عالم میں نظر آتا ہے۔ یعنی ہر چیز کہ اس کے اندر جگہ رکھ کر کاوش واضح نہیں ہے۔ پھر اس دور میں اس طرح میں رہ کر تہذیب نگاہ کو کامیاب بنایا جاتا ہے۔ غالب کے ذہن اور اورنگ و تخیل اور جذبہ و احساس اور احساس سے پرانی اشکلا نہیں ہوتی۔ وہ زندگی کو چھوڑنا، دیکھنا، بے تکلف کہتا ہے وہ قدم قدم پر نئے تجویز سے اس کی پیروی سے اپنی شخصیت میں گہرائی اور فطن میں اضافہ پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کہتا ہے

بے درد و دیوانہ اس اک غمسر بنایا جاتا ہے

کوئی ہمسایہ نہ ہو اور یا سب کوئی نہ ہو

پڑنے لگے گریہ اور تو کوئی نہ ہو جیسا دور

اور اگر مر جائے تو زمر خواں کوئی نہ ہو

ترقی و ترقی کو وہ نہیں کہتا بلکہ محسوس کی جگہ پیدا کرتا ہے یہی زندگی کے سب سے بڑی بات ہے۔ بلکہ عارضہ کی تہذیب حالت سے بڑی بات کہتا ہے۔ وہ زندگی کو کس قید و محبت قرار دیتا ہے۔ کس باز و محال کہتا ہے۔ اور توحید

تھوڑے سے کہ زندگی کا محض باطن ہے ذمعی اہوروں۔ غالب اپنے ماحول سے غفلت نہیں غائب ہی کیا اپنے ماحول سے کوئی شاعر ملنے نہیں ہوتا۔ لیکن بڑا شاعر حال اور مستقبل کو اس طرح سمجھتا ہے کہ قدموں کے ایک بڑے نظام انوں یافت کر سکتا ہے۔ یا اپنے خواہوں میں زندگی کی تڑپوں سے تڑپوہ جھپکوں کا درک سمجھتا ہے۔ غالب اپنے ذہنی سفر کے اس نامہور میں ہی کوشش میں مصروف نظر آتا ہے۔ وہ کہیں اس ماحول سے تنگ اگر اسے چھوڑنا چاہتا ہے کہیں وہیں شیر کا شکار کرتا ہے اور کہیں شاہی رگ پہنچتی ہے اور وہ دعوت مل رہا نظر آتا ہے۔

وہ کہانیہ شاعر ایک ہی وقت میں ماضی زندگی کے تیرنوں دندر اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ اپنی سلوڈ آرزو میں ایک مندی پہنچتا۔ نامناسب حالات میں حوصلے اور تکیہ کی بدولت ایک دن تنگ جھون اور مصائب و زبردستی سے ایک سڑک کا راستہ دیکھ کر سرد حشرم ہوتا ہے (نظا - انصاری)

غالب کی تہاؤں میں جان ہے۔ اور اس کے حوصلے بلند ہیں۔ یہ رنگ سب سے پہلے غالب ہی کو پہلے نظر آتا ہے کہ وہ نامناسب حالات میں گھبرا نہیں بلکہ اپنے اندر مزید حوصلے سے اگڑا جاتا ہے۔ آرزوں کا ایک بڑی قدر ہے جو غالب کی ذات میں ٹھما خٹیں ملتا محسوس ہوتا ہے۔

ہے کہاں نیت کا دوسرا قدم یا رب  
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقبش پا پا

دو دن جہاں سے کہ وہ سکے یہ فرمیں را  
ڈاں آپڑی ہے مشرم کو تنکا رکھا کر یا  
غالب کے بعد گئے والے دور کے خاندانہ شاعر اقبال کا یہ شعر جب نکلے کے سامنے آتا ہے۔  
نقش امت نہ گرفت ہم رنگ و بول پر  
کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں

تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اقبال کا نہیں غالب کا وہی کام کر رہا ہے۔ اقبال اسی خیال کو پیش کر رہے ہیں جسے اسی سے پہلے ایک ایسے شاعر نے پیش کر دیا تھا جسے اس کے دور میں کہنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اس دور میں یہ خیال قبل از وقت تھا اس لطیف اور بلند خیال کو سمجھنے کے لئے جس میں ایک نئی اور بلند نگہ کی ضرورت تھی وہاں آہستہ آہستہ پہنچا دینی آئی یہ دیکھ کر کہ نئی زندگی اور نئے تصورات و خیالات کا فروغ دیکھنے والا غالب کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا اس کا سرچ کہیں نہ پڑا بلند ہو چکا ہے۔ غالب سوجا ہی کیفیت کا ماگ ہے۔ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی آرزو سے بیقرار رہتا ہے۔ یہ اسی بیقراری میں اس کے نزدیک گرا رہا شہید ہے۔ کیونکہ اس کی بدولت بے دلی اور کیرٹ کی دینا ذکر توڑا جاسکتا ہے۔ یہ بیقراری اسے رد و قبول کے دور میں داخل کر کے ایک بڑا بہت فلسفہ بنا دیتی ہے اور اسی بہت فلسفہ میں اس کی بڑی اکیلا



مفر ہے۔ کیونکہ جس شاعر میں حد تک بدلتی ہوئی قدریں سے ہم ہنگامہ بننے اور زندگی کی لڑکے ساتھ ساتھ عمل اختیار کرنے کی صلاحیت ہوگی اس حد تک وہ اپنے عہد کی نامیاتی مہارت کا اظہار کرے گا۔ اور اس سلسلے میں وہ عہد و قہول سے گزرے گا اور یہ سفر اس کی بہت دشمنی کا گواہ ہوگا۔

غالب ایک عجیب اور خود دلر انسان ہے۔ اور انسانیت کی آنا کی پیاد کرنا اور عزت نفس کو زندہ رکھنا اس کا ایک ہے اور شاعری کی تلاش میں غلبہ بلا شاعر ہے جس پر غروی کا مفہوم واضح ہو چکا تھا اگرچہ اس کی غروی میں آہوئے صوفی و مشق پائی جاتی ہے اس کے مقابل میں انبالی کی غروی زیادہ واضح اور متون سے دیکھیں اس میں ختم نہیں کہ انبالی کی غروی کا دھارا اس سرچشمہ سے پھولتا ہے۔ غالب کی شاعری موجودہ نسل کو ایک آئینہ کار عطا کرتی ہے جس سے نہ صرف انبالی آنا پیاد ہوتی ہے بلکہ سماجی زندگی کے ارتقائی قانون کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور مشکلات پر نگاہ پڑانے کا نو صلیب پر ایسا ہے غالب کی شاعری زخمی زندگی کی بجائے توند آرزوں کا اعلان کرتی ہے سے

ہندی میں بھی وہ آزاد و غرو ہیں ایسا کہ ہم

اُسے پھر آئے در کعبہ اگر دانہ ہوا

غالب کے نزدیک فنکار کو سر رنگ میں ڈوب کر زندگی کا تماشا کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کے بغیر زندگی کے جاندار مرتفع نہ ہو سکتے۔ چنانچہ اپنی ساٹھ سال کی ذہنی اور عقلی زندگی میں غالب نے متعدد تجربات حاصل کئے دیات اور اقدار سکھرائے جن کو توڑ کر اس حیثیت کی تلاش میں سرگرداں رہا جو جمال اور ابدیت کی حامل ہو۔ نظام اقدار سے بلٹا انسانوں کے لئے مشکل کام ہوتا ہے۔ شاعر میں اپنی قوم کی مدد کرتا ہے۔ وہ سوانحیوں مول کے کردہ بتی ہوئی زندگی کا ساتھ دیتا ہے اور نظام اقدار میں تبدیلی لانا بھی اقدار کو دریافت کرتا ہے۔ جہاں پر اس کا کام غالب نے بڑے پلانے پر کیا ہے۔ غالب کی شاعری میں اس کا انجیل جھلکتا ہے وہ بظاہر خود سے منسوب ہوتا ہے۔ اور اپنے ہی متعلق گفتگو کرتا ہے لیکن عینیت اس کا غالب انسان ہوتا ہے۔ اس کی ذات میں ایک معاشرہ ہوتا ہے۔ وہ ایک طرف اپنے معاشرے میں شامل ہے اور دوسری طرف دوسرے معاشرے کو اپنی ذات میں شامل کر دیتا ہے۔ وہ اپنے مخصوص انجیل کی وضاحت مختلف انداز سے کرتا ہے۔ انسانی تشبیہات اور استعارات کی حد تک وہ مثل جنوب کی تھکنی کرتا ہے لیکن معنی اور خیال کے اعتبار سے وہ اپنے دور سے بڑھ آگے ہے۔ آئے انی جنوب کے خود غلام کو موجد الخلاق اور استعارات کا سہارا لے کر اپنی شاعری میں جا کر گویا ہے اس کی شاعری میں مستقبل اور مثل جنوب کے دیوانہ جو رشتہ ہے وہ نظر آتا ہے۔ غالب کی شاعری میں جو جنوب متی ہے اسے امن کی بجائے مستقبل میں تلاش کرتا چاہئے۔ بڑا شاعر تو ہونے کے علاوہ انسان کا ایک دست بڑا تصور رکھتا ہے جس میں آئینہ، حال اور مستقبل میں ایسا ہونا درست چلتا ہے۔

دنیا کی ہر مٹی صاف ہی ایک واضح نصب العین رکھتی ہے۔ اور دنیا

کا ہر لحاظ طرایی ثقافت میں ایک بڑے انسانی نصب العین کو جگہ دیتی

ہے۔ غالب نے مثل جنوب کے معاد کو توڑ کر اس میں ایک عظیم انسان

نصب العین کو صیقل دی، جس سے ایک طرف اس کی صفائی میں

دوست نظر انداز نہ کی اگرانی کا یہ چاہتا ہے۔ دوسری طرف مغل تہذیب کو  
آؤں کا آئنا بنا انصورت بخش دیا جس نے اس تہذیب کو دنیا کی بڑی تہذیبوں  
کا ریف بنادیا (انجم اعظمی)

اس نے کوئی شاعر صرف تہذیب کی حدود میں بند ہو کر نہیں لکھتا۔ بلکہ عروف و نامور کی حرکتوں میں تہذیب کو بھی درجہ بندی  
پہل جاتی ہے۔ اس نے کسی شاعر کا کام صرف سامی ماحول ہی میں نہیں دیکھنا چاہا ہے۔ بلکہ کسی کی سامی ماحول اور تہذیب کو یکجہ  
ڈھرتے کا اندازہ شاعر کے کام سے لگنا چاہئے۔ کیونکہ انسانی قدر میں وہب ملتی قدروں سے ہم آہنگ ہوتی ہیں تو اس سے  
استقامت میں آتا ہے۔ بشری و ایمانی قدر میں یہ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے میں غالب کے استقلوں میں مغل تہذیب کے خود غل  
ہٹتے ہیں۔ لیکن یہی تہذیب یا غالب کا یہ راجہ اب اپنی تعمیر کے لئے نہیں اپنے مستقبل میں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی کو اپنی  
اور تہذیب کی روایات کا نام دیا جاتا ہے اور اس نے اس کی بنیاد پر شکن ہے جو عروف و نامور کی حرکت کے رشتہ پرانی قدروں کے  
لئے ضرب خلیل کا استعمال کرتی ہے اور تجربہ یہ ہے میں سعادت کو تازہ رکھتی ہے۔ خود غالب کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ ان  
کے خیالات اس دوست سے آگے ہیں اس نے انہوں نے اپنے لئے "غلامیہ" کش "آفریقہ" کی ترکیب استعمال کی ہے جو تہذیب  
اور معاشرے کو جو وہیں لاسے کی شرح خواہش اسے دہرے سے بے نیاز کر دیتی ہے اور ساتھ ہی مخالف قوتوں سے مقابلہ  
کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کرتی ہے اور وہ ایک مرشدی اور رنگ کے عالم میں کہہ اٹھتا ہے  
"ہیں آؤں کی ہی شوں گا اور اس طرح شعور و ماحول گامیری زندگی کا فریضہ  
ہے خیال کو میں اور حرکت کے ساتھ پیش کرنا۔ دل پر جو جو رکھا ہے یہی  
نہ ہلا کر کوئی قوت نہیں۔ خیالات کا یہ ہلا ہلا ہے۔ اس جہاں میرا حیات  
میں قلم کا غنڈہ چلتا ہے تو ایسی مریضی پیدا ہوتی ہے جس سے قید کا جوہر  
ہلا کر ہوتا ہے۔ (زندہاں نثر)

فرق یہ غلامیہ کشی نا آفریقہ جب لڑی نشا و تصور سے غفر سے ہوتا ہے تو کتنے ہی دلوں کے آئینے ٹھس جاتے ہیں۔  
غالب سے پہلے ہی انسان اور اس کے فہم کا ماضی تصور ہو چکا تھا، خصوصاً ایسے کے وہاں۔ لیکن غالب پہلا اور شاعر ہے جس نے صورت  
کے رنگ سے رنگ ہو کر اور رنگ و سن کے امتیازات کو کنارہ راست انسانیت کا دوسرا۔ وہ ساری زندگی ہی کتار ہا کر  
ساری انسانیت میری برادری ہے۔ میرا کوئی مذہب نہیں، سب ایک ہی حقیقت کے مختلف جلوہ ہیں۔ غالب نے اپنی اس کی  
مطلق شکل میں قبول کیا، کیونکہ اس کے نزدیک مطلق کا فرقہ شاکر ہی تو حید کا تصور قائم کیا جاسکتا ہے۔  
ہم موحّد ہیں ہمارا یکیش ہے ترکب رسوم  
مشتیں جب مٹ گئیں اجڑائے ایمان ہو گئیں

یہ وحدت انہوں نے زندگی میں تلاش کی ہے۔ کس بلور اللہ ایمانی تصور سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ یہی کونویں  
گاہے گاہے حقوق ہو رہتا ہے۔ لیکن عرف اس نے کہہ چکاں کے دلدادہ تھے۔ اور صرفا کے نزدیک خدا کا تصور جس کا کل  
سے عبارت تھا۔ ورنہ ان کے دل میں انسان کے لئے احترام اور محبت کا وہ جذبہ تھا جس کے سبب وہ خواہش کرتے

کے کہ

المرام عالم میں نہ ہو سکے نہ یہی جس شہر میں رہوں اس

شہر میں تو مجھ کو نہ لگا نظر آئے : (مطلوبہ غالب)

انسان کا غم تو اُن کا غم ہے ہی۔ نئی سی چوٹی کا دکھ بھی اُن کے لئے ناقابلِ پروا شت بن جاتا ہے۔

بود و گم ہر جزا اس کی کیا

وے روز و از نالہ من کی کیا

دل بہ نوائے عمر آئے بہ درد

نشیند بہاں پایہ پاکِ حمود

صدائے شکستِ مرگاہِ مود

دریں ہاست و پچ و دریاں پردہ شود

یعنی دھرتی کے ہاسیوں کی غمزدگی سے عرشِ رزہ ہوتا ہے۔ نفس کی دکھ بھری سدا سے عرشِ کلپا پر غبارِ آلود ہو جاتا ہے۔ چوٹی کی کمر لگنے تو پہچان ہی نہیں کہتے مگر عرش پر آہ بکاں کا شور مچتا ہے۔ ایسے دل گداز پر پھر محبتِ جذبات کا اظہار غالب سے پہلے کسی دردِ شاعر کے جہاں نظر نہیں آتا۔

غالب جہاں گداز ہی دردِ رنگیں نوائے کوفی کا اصل اصول قرار دیتا ہے۔ اس لئے دیدہ و دانش کا پیرایہ صیاتِ بظاہر عقل کے گنگو مر شربِ چرخ سے زندگی کے حقائق کو دیکھتا ہے۔ انہوں نے شعر کا رخ زندگی کی حقیقتوں کی طرف پھیر دیا اور اپنے اشعار کو سادہ حقیقت کی نوائے حقائق و محارف کا آئینہ بتلویا۔ غالب کو زندگی گزارنے کا اُصنگ آتا ہے۔ اور یہی سلیقہ وہ دوسروں کو بھی سکھانا چاہتا ہے۔ چنانچہ یہ

زمن جوئی در بہ نگو زیستن

بسگر خوردن و تازہ روز زیستن

درشتی بہ نرمی زبوں و دشتی

رمدگرستم غمزہ پنداشتی

بہراز دروں سو بسگر سوغتی

بہ ناز از دروں سو رخ افروختی

بدروزہ غمغیسہ اندوختی

بہ باز بچہ دانائی سرختی

مشغفقتی زو اسنے کہ وردی، بود

نہضتی مشغرا سے کہ وردی، بود

یعنی یہ شعر پڑھ کر بہت حالات میں زندگی کیوں کر گوری ہائے۔ اپنا جگر کھا کر خوش و غم خرچ کر چکی ہائے۔ غری سے زندگی کی سختیوں کے دانت کٹے کر چکا اور آئے والی مصیبت کو شہادت کو کرپ کرپ کرنا بھگتا ہوا ہے۔ سینہ کے اندر سے عاجزی کے ساتھ دھواں اٹھنے اور باہر سے فوسے کے ساتھ مدد میں نظر آئے۔ دوسروں کے علم اور عقل سے ایک نکتہ اٹھا لیا ہائے اور کھیل کھیل میں عقل کی باتیں دوسروں کو سکائی جائیں۔ دلچیزوں کا لالچ لگیں ان پر سکادیا اور اندر جو چنگاریاں سلگ رہی ہیں انہیں اپنے دھو میں چھپا لیتا ہے گا۔ یہ صبح جو عود زندگی گزراں کے کاہ و سنگ اور دنیاں کے کس دوسرے شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا۔ محبت ان کھنکھ ہے اور دماغی اصل انہاں سے

وفا داری بس شرط استواری اصل ایمان ہے

فرسہ نیت قلندے میں تو کہہ میں گا زو، برہمن کو

وفا کا یہ تصور دراصل آزادی کے گہرے شعور سے پیدا ہوا ہے۔ رسوم و رواج کی پابندیاں ان کے لئے تعاقب قبول ہیں۔ ایک جگہ اپنے ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے کہتے ہیں

ہمیں ایک نیم مسلمان کہ دولت اور مذہب کی پابندیوں سے بھی آزاد ہیں

اور انہی رسوائی کے علم سے بھی رہا

آزادی کا یہ واضح تصور غالب کی نظم و شعر کا طرز امتیاز ہے۔ اسی لئے ان کے اندر زندگی اور بہت اعلیٰ چیزوں کی ایک برہمت شکنی ہائے کہ کون سی شے خاص میں قابل قبول ہے۔ اس لئے بالی کو زور دے کہ اس میں قوت ہوتی ہے جو کچھ شکنی کی چیزوں پر گہرا شعور ہے۔ چنانچہ وہ معاشرے پر تنقید کر رہے ہیں یا مذہب پر لیال آبادی ہیں اگر شعور پر جگہ کارفرما نظر آتا ہے ان کی فوج میں، خود غائی اور خود پریشی، دش عام سے ہنس کر چلنا چاہتی ہے۔ چنانچہ عقیدوں کو جوں کا توں قبول کرنے کی بجائے وہ ہر جگہ برہمت اور شک کا اظہار کرتے ہیں حیثیت اختیار کی بہتر میں عقل کو بڑھا دیتے ہیں۔ کیونکہ عقل جب انسان کی فکر میں داخل ہوجاتی ہے تو اس کا علم انکو بے پناہ بغیرت اور جب دوسروں کے عمل میں گھل مل جاتے ہیں تاثیر پیدا کرتی ہے

زانہ لیشہ دم و ذوقفسر نام یافت

بکر وار رفت ۱۱ اثر کام یافت

چنانچہ مذہب اور آفرینش عالم کے بارے میں انہوں نے جن نظریات کا اظہار کیا ہے وہ ہمارے سرو پر عقائد سے بڑے جیسے ہیں۔ خود مشیقا اسلام صاحب نے غالب کے مذہبی عقائد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ....

و غالب ہادی دنیا میں خدا کی تلاش کرتے ہیں لیکن اس کی قیامت میں

خود کو پہچان نہیں دیتے وہ بنیادی طور پر بلوہیست میں بند اپنے گھر پر

انہما پر شد کرتے ہیں۔ لیکن انہما کی یہ خواہش اپنی حیثیت میں اثر فوری

نہیں ہے بلکہ یہ وہ خواہش ہے جو ہر انسان کے سینہ میں رہ رہ کر جاتی ہے

ان کی یہ خواہش نہیں ہے کہ ان کو عوامی سمجھنے۔ ان کی طواغیت ہے کہ  
خدا کی بتائی ہوئی دنیا کے گناہ سے دور نگہ لی جائیں۔ بیوں کی طرح ان  
کا یہ تصور نہیں ہے کہ وہ اپنے خاندان و سرشت ہولناکی بلکہ ان کی گزند یہ ہے  
کہ انہیں اپنے ممکن و ممکن اور روحانی قد و قامت کو پہچان جائے۔

خود شیخ الاسلام صاحب نے اس نظریہ کا ثبوت غائب کی اس رہائی سے دیا ہے جو انہوں نے بتائے کی تعریف  
میں لکھی ہے۔ بتائے جو زندگی کا مقدس سرزمین تمام ہے اس کا ذکر وہ جس دلائل و انداز میں کرتے ہیں اس سے یہ رہائی ان  
کے اکابر و ذہین کا روشن نشان بن جاتی ہے۔

عبادت خانہ ناقوسیان است

ہما نا کہسہ بند وستان است

تعالیٰ اشد جنا رس مہشم بد و دور

بہشت خستہ و فردوس مہمور

غائب کلاذینی اور جہاں بانی تجرید بہت وسیع فضا ان کی نظر زندگی کے ان حقائق پر پڑتی ہے جہاں دوسروں کا  
خیال عام طور پر نہیں جاتا کہ بلا کے مروج شمس تھے۔ یہاں خلا و دل کا طالع ان کا خاص شغل تھا۔ وہ دوسروں ہی کی —  
فلسفہات کا مدعا نہیں کرتے بلکہ خود اپنی فطرت کی گہرائیوں میں حاضر خود شناسی کے دور و مدد تک پہنچ جاتے ہیں غرض غائب کی  
شاعری رنگارنگ خیالات کا مجموعہ ہے۔ اس سائیں پر مشتمل ہے اور ہر قسم کے دل کو جذبہ ہے۔ ہر اس کی بہت مشکل آس کی  
خود شناسی کا جھری ہے اور ہر اس کی شاعری کی بہت بڑی روایت ہے۔

ہے کہاں کشت کا دوسرا قدم یا رب

ہم نے دشت امکان کو ایک نقش پا پایا

نقص فریادی ہے کس کی شوخی تفسیر کا

کا مندی ہے یہ میر ہیں ہر پسیر تصویر کا

سرا پا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی،

عبادت برق کی کرتا ہوں اور افقوں میں جاں کا

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کیجیے

اگر مشرب نہیں، آتش را ساغر کیجیے

غائب

## افتخار احمد مدنی

# غالب اور آزادی

غالب کے دیوان کا پہلا شعر یہ روایت ہے ان کی آزادی کا اعلان ہے۔

غالب نے جس کی جگہ مشکوے سے اپنے کلام کا آغاز کر کے گویا پورے نظام حیات کے خلاف احتجاج کیا ہے اور یہ مشکوہ کسی فانی محرومی کی بنا پر نہیں ہے جیسا کہ ان کے بعض اشعار میں نظر آتا ہے۔

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

یہ مشکوہ بڑی اہم گیر نوعیت کا ہے۔ اس میں اس سیکر تصویر طرزِ ادبی نظر آتا ہے۔ یہ مشکوہ اس نظام حیات کے خلاف ہے جس میں نہ دانش سے کچھ حاصل ہے نہ محبت سے۔ جس میں ماہِ علم سے بے خبر ہے اور علمِ ماہ سے بے نیاز ہے۔ جس میں فاقہ مستی رنگ لائے بغیر نہیں رہتی۔ جہاں تنہا وہ ہیں ایک تنہا کا شریک سا جو کارِ ہوا کا ہے اور جہاں دُعاؤں کے آہوں کا علاج راہ کے کانٹوں کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

غالب چونکہ انہی کی طرح میں آزاد سے شکوے کو شکر میں بدل نہیں جانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی بات کہنے کے لئے انداز بھی وہ اختیار کیا جو کسی نا اہل کی گرفت میں نہ آ سکے۔ چنانچہ انہیں اپنے پہلے ہی شعر کی شرح خود ایک خط میں بیان کرنا پڑی۔ مسلمہ انداز اور روایت سے آزادی نے انہیں طرزِ بیان کے مروجہ اسلوب سے آزادی پر بھی مجبور کیا۔ اس آزادی اظہار میں جہاں ان کی شکل پسندی کو دفن ستاروں اعتبار کا یہ جو بھی مد نظر رہا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے بات کہنے کا وہ طرز ایجاد کیا جو فہم و سماعت دونوں کی گرفت سے آزاد تھا۔

آہنگی و اہم مشنیدوں میں قدر چاہے بچائے

مرد صاف ہے اپنے عالمِ تعسیر کا:

اور جب زمانے کے ساتھ ساتھ لوگ ان کی باتوں کے حامی ہو گئے اور خیالات کے اظہار سے انہیں تعقیب اس کا اندیشہ نہ رہا تو انہوں نے بھی صدمہ صدمہ ہی باتیں کہنا شروع کر دیں۔

غالب کا احتجاج میں نے انہیں ہر روایت سے آزادی پر مجبور کیا واصل نتیجہ ہے ان کی اس شدتِ اعراس

کاہنے زندگی ایک درد ہے دوا نکل آتی ہے۔ قیہ ہات و بندھم دونوں ان کی نظر میں ایک تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر عجب عشق سے فراق حاصل ہوا تو غم روزگار میں اسیر ہو جائیں گے۔ جگہ حقیقت یہ ہے کہ غم روزگار کو وہ غم عشق سے بھی زیادہ مستحکم جانتے تھے۔

تیری وفات کیا جو تلافی کو دہر میں

تیرے ہوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے

زندگی ان کے لئے ایک ایسا عذاب تھی جس کی طاقی نہ محبوب کے استغاث سے ہو سکتی تھی نہ طاقت کے

اکرام سے۔

دیپتہ ہیں جنت حیات و دہر کے بدلے

نشر بہ اندازہ خسار نہیں ہے

جب صورت یہ ہو تو انہیں مشکوہ دراصل اس ذات سے تھا جس کی طرف چینی نے ہنگامہ حیات آزماستہ کر کے ان پر زندگی اور اختیار کی جنت لگائی تھی۔ ان کا غم دراصل زندگی کا غم تھا۔

ڈھیرا جھوکو ہوئے نے نہ جوتا میں تو کیا ہوتا

نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا کے سوال نے ان کی فکر کو اس تجسس سے آشتی کیا جو فلسفے کی بنیاد ہے۔ ہر مرہات پر

ایک ایک سو یہ نشان ان کے سامنے اچھا تھا۔ جڑوں ہوتا تو کیا ہوتا؟ وہ ہر امکان کا بڑی جرأت سے جائزہ لیتے اور

اپنے شہر فکر کا بے لالہ اخبار کو دیتے، وہ چاہے جنت کی حقیقت کے بارے میں جو چاہے غرت تھلنے غزل سے

متعلق ہو، چاہے پابستی رسم و رواج کی ہمد گہری کی بابت ہو۔ ان کی تنقید نے ڈاسا ایب انبار کو چھوڑا، نہ

زندگی کے لینے کو، اور نہ کائنات کی حقیقت کو۔ اگر ان کی طبیعت میں تصوف کی گہری رنگ آہنری نہ ہوتی تو وہ گہری

نظر سے زندگی کا جائزہ لے کر کسی حد تک مطمئن ہو جاتے لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ فلسفہ کو بھی حقیقت کے اور اس کے لئے

ایک سن لا حاصل کیے تھے۔

مغربیہ آئینہ فراق جنوں و منگیوں

جب غم زندگی سے فراق کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو ان کی طبیعت خود بخود عدم کی تاح و دو پہنا بیٹوں کی

طرف کھینچنے لگی۔ اس دادی کو انہوں نے مستان وارے کیا اور عدم سے بھی آگے نکل گئے۔

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ خالق وارم

میر کی آواز آتشیں سے بال عشق جوں گیا

لیکن جب زندگی کی سمجھ بڑی ناچسما رہی، اس کا راز نہ ہست و بود میں کھینچ لائیں تو انہوں نے ایک ایسی

بے نیازی کا انداز اختیار کیا جس کے آگے صورت عالم ایک نام اور سہی آشتیا ایک درجہ رہ گئی۔ انہوں نے ادیب سلیمان

کو ایک کھیل اور اچانک ماسک کو ایک ہات بٹا دیا۔

غائب کے کلام میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی شکایت ان کی بے نیازی اور مسکرات سے ان کی

آزادی، ان سب کا رخ ان کے فاق کی طرف ہے، وہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے لاکھ لاکھ جتن اختیار کرتے ہیں۔  
 کیا مضمون ہے کہ سب کو سب ایک سا جواب  
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی  
 جب کوہ طور کی سیر سے کام نہیں بنتا تو مٹنوں سے اپنا مطلب پورا کرنا چاہتے ہیں۔  
 گلی تکتی ہم پہ برقی تجسلی نہ طور پر  
 دیتے ہیں بادہ خرمیہ قدح خوار دلچہ کر  
 جب اس پر کچھ نہیں ملتا تو اپنی نا آسودگی کو دور کرنے کے لئے اور اپنی بے ہوشی کی لاج رکھنے کے لئے  
 بڑی جرات سے احتجاج کرتے ہیں۔

یہی ہیں بھی وہ آزادہ و خود ہیں، یہی کہ ہم  
 اُٹھے پھر آئے دو کسبہ اثر و انہ ہوا  
 اپنی آزادی منکر کے جوار کے لئے اور یہی مذہب کی باتوں کو دور کرنے کی خاطر مذہب سے ہی سنڈ  
 لاتے ہیں۔

ہاں مبادیہ اسے پیدائش اور آؤر مانگو  
 ہر کس کہ شرماء لب نوردین بدنگان خوش کرد  
 پھر دیر دیرم دونوں کی تردید کرتے ہیں۔  
 دیر و دیرم آئینہ نگار تمنا  
 دامادگی شوق تراشے ہے پناہیں  
 لیکن ان پناہیں تراشنے والوں کو بھی الزام ہے بری کے اس صورت حال کا وقت دار اپنے فاق کو بھی  
 قرا دیتے ہیں۔

خشک خشک کے ہر مقام پہ دو چارہ لئے  
 تیرا پتا نہ پائیں تو نامہ پسا رکھا کریں  
 دیر و دیرم دونوں کو شکا نے لگنے کے بعد انہوں نے فکر عاقبت کو بھی ہلائے فاق رکھ دیا ہے  
 مستائش گہے زاہد اس قدر میں باغ خزان کا  
 وہ ایک گلدستہ ہے ہم بے خودی کے طاق نیاں کا

فکر عاقبت سے فارغ ہو کر وہ شوق فضول و جرات کے ساتھ ساتھ شراب و شادی طرف متوجہ  
 ہوئے اور اس میدان میں انہوں نے وہاں کھلائے کہ باید و مشاید، رسوائے دہر ہوئے، غیبتوں کے چالاک ہوئے  
 مستحق فریبی کو اپنا شیوہ بنایا، غرق در ایسے معامیں ہوئے، اور یہاں ایسے بانوسش ثابت ہوئے کہ درختے سماں  
 کو ہی خشک کر دیا، اور پھر بھی اپنے دل کی صورت پر رازہ ہونے کا ٹکڑا کرتے رہے، جنت سے شاد کام ہونے کے



باد جو دواور مشرق کے سامنے اپنی نافرادی کا شکوہ کرتے رہے اور مشکوہ بھی اس تکھے چن سے کیا کہ اس کی نیک شکل سے بھلی ہے

دل از غمتِ طوی مستد نہفتن چه شود  
چو ناگفتارِ دانی نگفتن چه شود

حسابِ سرورِ امش و رنگ و بو  
ز بہرام و پر ویز و جمشید بو

نہ از من کہ از ناسرے گاہ گاہ  
بدریزہ دیش کردہ با ششم سیاہ

نہ رقصِ پرمی چسکراں بر بیاط  
نہ غوغائے رامشِ عراں در رباط

نہ نازک نگارے کہ نازِ سفش کشم  
چہ ہر ہوسہ زلعنو در ازش کشم

چوں ہی نافرادی بیبا و آیدم  
بفرودس ہم دل نیا سایدم

یہاں غائب نے باد و خرابی کے معاملے میں گاہ گاہ کا تکلف بے کار کیا ہے۔  
"ہر شب پیاسی کرتے ہیں سے ہر قدرے"

کا امتزاج تو وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ جب استطاعت نہ ہوتی تھی تو قرین گوئی لیتے تھے، اور باد و فروزش کے تقاضوں سے نافرمان بھی رہتے تھے۔

تمنائے معشوقست باد و زمش  
تقاضا سے بے بودا سے فروش

شراب کے معاملے میں تو وہ بلا نوش تھے۔

بیزں مشراب اگر خم بھی دیکھوں وہ  
پیشیغ و مستد و گودہ و سبو کیلے

مگر بے باد و فروزش کے تقاضوں سے تنگ اگر غائب نے شراب کیلے کبھی مشورہ کر دی ہو، اس کا کوئی ثبوت تو نہیں ہے البتہ ایک لطیف سا اشارہ ضرور ملتا ہے۔

سویٹ پہاڑ سے ہوئے ، آلاست سے کھنٹی  
تھے یہ ہی دو حساب سویوں پاک ہو گئے

آلاست سے کٹلی کی ترکیب جام وینہ سے زہرہ شراب کشید کرنے کے ساز و سامان کی غمازی کرتی ہوئی نظر آتی ہے ۔

شراب و شادی سے غور سے نہ ہونے کے باوجود غائب اپنی آزادی پر پانچ نہیں آنے دینا چاہتے تھے ۔ کبھی کبھی انہیں یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کبھی عشق کے باعث ان کی آزادی سلب نہ ہو جائے ۔

وہ حلقہ ہائے زلف کھینچیں ہی اسے خدا  
رنگہ پیر مسیری دھوئے دارمستی کی شرم

اور جب ہاتھ گر گزار ہوئے تو کوئی ایسا پیشترا بدلا کہ بغیر کسی مشکل کے رہائی پا گئے ، اور جب رہائی کی طرف سے اطمینان ہو گیا اور گرفتاری و دام کا خوف مٹ رہا تو عادی مجرم ہو گئے ۔

تو دارمستی عشق سے آزاد وہم ہوئے  
پہر کیا کریں کہ دل ہی عذوبے قرار کا

سوال یہ ہے کہ غائب کے یہاں آزادی کا مزید اس شدت سے کیوں موجود ہے ۔ اگر انہیں حقیقت کا عرفان ہو جاتا تو یہ تلخ بات رہتی ۔ اگر کسی سے محبت ہو جاتی تب بھی مشاہدہ کسی کے حلقہ بگوش ہو کر بیٹھ رہتے ۔ اگر حالات نامساعد نہ ہوتے تو یہی ممکن تھا کہ وہ مطلق ہو جاتے ، ان کے ہاں آزادی کی تلخ کے دراصل داخلی اور منہ رپی دونوں ہی اسباب موجود ہیں ۔ خارجی سبب تو یہ تھا کہ

آپ کا بندہ اور پھروں لڑکا  
آپ کا نوکر اور کھاؤں اوجھار

ہلک تاپے کہاں تلک اسناں  
دھوپ تاپے کہاں تلک جاندار

اور داخلی سبب یہ تھا کہ ان کی طبیعت کسی داری مستقیم نہیں ہو سکتی تھی ۔  
شریح اسباب گرفتاری منظر مستر ہو چھ  
اس مسترد تلک ہوا دل کہ میں زنداں سمیا

پاتے نہیں جب راہ تو چرندہ جلتے ہیں تالے  
رکتا ہے مری طین تو ہوئی تپے رواں اور

اور یہی داخلی محرک انہیں معاشرے کی قدروں کو توڑنے پر مجبور کرتا ہے ۔

پھر وہی اسی طے رکنے لگا ہے دم  
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

مغلیں برہم کرے ہے جہنم باز خیال  
ہیں ورق گردانی نیرنگ یک بہت خانہ ہم

لیکن اس بہت شکنجے کے باوجود غائب کی نگاہ سے یہ ماز پر مشیدہ نہیں تھا کہ سب باتوں کی رنجہ و رنجہ کرنے  
کے باوجود ان کی اپنی انا اکی کے راستے میں ایک سنگ گراں بنا جائے گی ہے  
ہر چہ شوخ دست ہوئے بہت شکنجے میں  
ہم ہیں تو ہمیں راہ میں ہیں سنگ گراں اور  
کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان کے درو کا عدا د صرف ایک ہے۔ ظ  
عشرت قطرہ ہے دھڑ میں لٹا ہونا  
یہ عشرت انہیں نصیب نہ ہوئی اس لئے وہ بہت شکنجے سے باز نہ آئے، انہوں نے اپنی فوق کو لٹکا دیا ہے  
ہی اپنی مزدکیں روشنی غاص ہے تا زان  
پالہ سنی، رسم درو عام جہت میں  
انہوں نے حقیقت کی طرف سے یہ کہہ کر منہ موڑ لیا ظ

ہم کو تقلید تنگ طرفی منصور رہیں

انہوں نے فریاد کو سرگشتہ رسوم و رنجہ قرار دیا۔ وہ موت کو بھی اسباب و علل سے آزاد کرنا چاہتے تھے۔  
فریاد کے بارے میں انہوں نے بڑی عقارت سے کہا ہے

بہ ضرب تیشہ وہ اس واسطے چاک ہوا  
کہ ضرب تیشہ پہ رکھتا تھا کوہن مکیہ

غائب نے کوہن کی طرح غم زندگی سے ہزاساں ہو کر جان نہیں دی بلکہ غم سے غور ہو کر اس پر قابو پانے  
کی کوشش کی، اور بالآخر اس میں ایک طرح الفت بھی تلاش کر لی ہے

ایک ہنگامے پر موقوف ہے ٹھہری رونق  
نوحہ غم ہی ہیں نغمہ شاوی نہ ہی

نغمہ اُسے غم کو بھی اسے دل غنیمت جانئے  
بے صدا ہو جائے گا یہ سا نہ بہتی ایک دن

اسکے بڑے تر انہوں نے غم کو بھی اپنی بہتی کی جلا کا سامان سمجھا ہے

غم نہیں ہوتا ہے آوازوں کو بیش از یک نفس  
برق سے کرتے ہیں دھڑکن شمع ماتم فائدہ ہم

جب ساندھ سامان سے آواز ہونے کی خواہش چڑھتی تو اپنے ماتم غلے کا انہوں نے بیاباں سے سودا کر لیا

۵

نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو ٹھہر خراب  
سوگزد میں کے بدلے بیاباں بُرا نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ دست معلوم  
دشت میں ہے جگے وہ جیش کہ ٹھہر دہیں

آواز کی انکھ میں غائب بُت شکن اور نور آواز کی ہر منزل سے گزرتے، ان کا بے قرار دل انہیں کہیں  
ہیں سے بیٹھے نہیں دیتا تھا

یہ اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل و مٹی کہے  
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

مٹا دے گویں ہوں رو وادی خستہ  
تا باز گشت سے نہ رہے نہ مابے

جب ہر منزل سے گزرتے تو میں موت کا مرحلہ بان نہ گیا

ہو چسکیں مٹا سب بھائیں سب تمام  
ایک تر گھر ناگہانی اور ہے

موت میں آرزو میں مرنے کی  
موت آن ہے ہر نہیں آن

موت کے تصور میں بھی وہ اپنی آواز دہنی پر قائم رہے۔ کبھی یہ کہ موت اس طرح آئے کہ غلے کی چٹائی  
لوٹوں کے ذہن میں دوبارہ تازہ نہ ہو جائے۔ اور وہ ہر ایک کی نگاہ سے ہلکتا ہی رہا ابھی چند سوچا ہی ہے

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کھول نہ فرق دیا  
نہ کبھی جنا نہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

کبھی وہ یہ سوچتے کہ شاید کفن ہی ان کی پردہ پوشی کرے۔

دھواں لگا کفن نے داغِ یوب بربستی  
میں ورنہ ہر مہاں میں شگ و جود تھا

## عرش ملیانی

# غالب کی غزل گو

غالب کا نام آتے ہیں اس کا یہ آفاق مشہور ہیں میں آجاتا ہے :۔

زباں پہ بار مندا یا یہ کس کا نام آیا

کہ میرے لفظ نے بوسے مری زباں کے لئے

جہل میں غاں کی صدا میں جو غزل ناقص انہوں نے بھی امن میں انہوں نے صدا کے پردے میں اپنی  
جملہ پروازی کے جو جو پردے کھائے تھے

بہیں تھے اور ستارے اب آسماں کے لئے

یہ مصرع مستقبل میں سائنس کی ترقی اور دور بین پر ہوا ہے ، صدا کے پہلے اہل غزل میں خدا جانے وہ کس عو  
جد تھے کہ غزل کا رنگ دامن کے گلے پر آکر آئے :۔

عبث و طوق نہیں غرت تنگ ناٹے غزل

کچھ اور چاہئے دست مرے بیاں کے لئے

میں ہم خود سے دیکھتے ہیں تو غالب کے تمام سرمایہ سخن میں غزل ہی غالب ہے ۔ حالانکہ وہ منشی بھی بخش مرجم ک  
ایک خاص دیکھتے ہیں :

بھائی صاحب تم غزل کی تعریف کرتے ہو اور میں شرماتا ہوں ۔ یہ غزلیا

کا ہے کہ میں پیٹ پالنے کی باتیں ہیں ۔ میرے فارسی کے وہ قصیدے ہیں کہ

مہر گونا زبہ کوئی ان کا لفظ نہیں اُٹھاتا :

مرزا میں دل کی بات بہ دلی سے کہہ جاتے تھے اور کہیں فن کی ہمت بڑھے لفظ بھی کرتے تھے ۔ لیکن انہیں اپنی  
فارسی دانی اور فارسی کوئی پریشان نہ تھا

فارسی میں تا بہ بین نقوش اسے رنگ رنگ

بجز راز مجموعہ اور دو کہ بہ رنگ من است

یہ ایک انٹروکوشیہ ہے جسے شظریہ کہان کا اردو دیوان اتنا مقبول ہوا کہ ان کے فارسی کلام کو لوگ قریب قریب بھول گئے۔ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ ان کے جوہر کو بے گنجی والے ان کے بعد آئیں گے۔ دیوان کی زندگی میں ان کی پوری قد بندی ہوئی تو مصفا لکھتے تھے کہ

ہما ز دیوانم کہ سہرست سخن خراب شدن  
ایم سے از قضا خرابی کہن خراب شدن  
گویم را در صدم اوج قبولے بودہ است  
خبرت شعرم بہ گیتی ہمدن خراب شدن  
مرف اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ مستقبل کے باب میں حکم بھی دلاتے ہیں، سے  
ہے یہ می گویم اگرچہ سست وضع روزگار  
دفتر استعمار ہاں سو غنم خراب شدن  
یہ اپنے جہرے منتر ہے۔ لیکن اس جہرے شعرا کی تحریک میں رہاں اداں ہیں یہ

مومن و نصیر و صبا و عطری و افکار  
حسرتی است و آذر وہ ہوا غنم شان  
غائب سوختہ ہاں گر ہمسایہ نیر زو ہما  
ہست در ہزم سخن ہم نفس و ہمدن شان

غائب کی اردو غزل پر ذرا تفصیل سے کہہ لیجئے کہ پہلے ضروری ہے کہ ان کی فارسی غزل پر کسی طبیبانہ نظر ڈالی جائے کیونکہ غائب کا غزل گو کی حیثیت سے جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کی فارسی غزل کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

مرزا اولیٰ اول فارسی میں بیہل کا تہیہ کرتے تھے، لیکن بعد میں اس روش سے کما رہ گئی ہو گئے۔ بیہل کی وقت پسندی مقبول عام نہ تھی اور خود انہوں نے جب اپنے پیش رو کی غزل، انیسویں، طالع آملی و فیو کو دیکھا تو ان کی روش انہیں پسند آئی۔ وہ کسی صورت سے ان کے مقلد تو نہیں تھے لیکن ان کے ذہن نے ان کے استفادہ ضرور کیا۔ وہ اپنے فارسی دیوان کے خاتمے میں لکھتے ہیں کہ ترجمہ یہ ہے،

• اگرچہ طبیعت استقامت سے نادر اور ہر گز بیخیز خیالات کی جزا نہیں لیکن آزادانہ روی

کے سبب زیادہ تر ان لوگوں کی پیروی کرتا رہا جو راہ صواب سے عاجز تھے۔ آخر جب ان لوگوں نے جو اس راہ میں پیش رو تھے دیکھا کہ میں باوجودیکہ ان کے ہمراہ چلنے کی قابلیت رکھتا ہوں اندھ بھر بے راہ وہ بھٹکتا پھرتا ہوں ان کو میرے مال پر دم آؤ اور انہوں نے مجھ پر مرہونہ لگا دیا۔ طالع آملی نے مسکاکہ میری بے راہ روی مجھ کو بتائی۔ طالع آملی اور غنی شہرازی کی تخلصیں آؤنگاہ

نے آوارہ اور مطلق انسانیت میرے کا مادہ جو مجھ میں تھا اس کو فنا کر دیا۔ نظم پوری  
نے اپنے کلام کی گیرائی سے میرے بازو پر تھوڑا اور میری کمر پر زاد راہ باندھا،  
اور نظیری نے اپنی خاص روش پر مجھ کو چنا سسکھا دیا۔ اب اس گروہ والا مشکوہ  
کے بیغیر قریبیت سے میرا کلک و قاص جو حال میں کلک ہے تو راگ میں موسیقار  
جسے میں غاؤس ہے تو پرواز میں غنچہ

مرزا اپنے قلم کو پرواز میں غنچہ سے لٹکھین دیتے ہیں۔ یہ کوئی قلم نہیں بلکہ انہما بر واقعہ ہے۔ وہ سب کے بہرہ  
چلتے ہیں لیکن تصوف کا عنصر ان کے کلام میں غالب ہونے کی وجہ سے وہ نظیری کے زیادہ قریب ہیں۔ تو را نظیری  
اور غالب کے ایک ہی ذہن میں شعر ملاحظہ فرمائیے :

نظیری : کس از مہمانان روز وصل و بد و وقت  
کہ چو شب زہم آفرین خود چو غنچہ  
سقیم ہر ز باغ وستان آید  
بہر چمن کہ تو بشفقت صبا غنچت  
غالب : درازئی شب و بیداری میں ایسی پیشیت  
ز بہت میں خبر آرد تا کجا غنچت  
یہ ہمہ زود بہر قرب شد کہ منظر را  
در یک بازو بہ دروازہ از دا غنچت

اب آپ دیکھیں کہ غالب نظیری کی ہم چٹھی کن شان سے کہتے ہیں حالانکہ مرزا عبدال اسیر نے فرمایا تھا۔ غزل  
ہم چھٹی نظیری متو بہتر نہ باشد  
اور غالب کا قول تھا ہے

صاحب چ بہاں است سفری بہر نظیری  
قوی بہ نظیری نہ دست اسید سخن را  
اب ذرا تجوری کے مقابلے میں غالب کا کلام دیکھئے :

نظم پوری : بہشت متا میں دیوانی خود مہناست  
بہر زہد کہ آواز مردا میں ہنہا است  
مگر کہ وضعت دیوانی شود مرہم  
کہ گوش دل شگاہ زبانی گفتہ چہا است  
یہ نظم کہ بعد غسل و دھوئی کشا کشا ناز  
کہ ہر حسینتی صوفیہ ہزارہا ہونا است

بجز حدیث و خا از تو ہا درست بگو  
شوم نہائے درویش کہ دست ماندست  
غافل ہے ، چہ صبح من و سیاہی ہ شام ماندست  
چہ گوئیم کہ زخوب چند دلت یا چند است  
نہ گفتہ کہ بہ تخی سہا ز و چند پذیر  
ہو کہ با دہ مانع ترازی چند است  
دراز و سخی من ہاکی رنگشند چہ عیب  
نہ پیش وق و دلت یا ہزار پذیرند است  
نہیم آں کہ سوا ما بھرم از شاوی  
نہ غریب ار چہ بھر گھمن آرزو شاست

یہ غزلیں سعدی کی مشہور ہیں۔ میں بھی اس میں عبدالرحیم خاں غانی کی غزلیں بہت مشہور ہے۔

نہ دام و آئہ و نہ خانہ ای نہ بند و آئہ  
کہ مسرور تا بقدم ہر چہ ہست و رہناست  
مرا فروخت محبت و نہ انداختہ  
کہ مشتری چو کسی است و بہائے من چند است  
اوس زمین میں حال کے مشاعرہ غزلی کا لافانی شعر ہے۔

بے بختتم و جز ایک عشق کم دیدم  
ولایتی کہ در آں بندہ بے خدا و نہ است

لیکن غالب کو دیکھئے کس صفائی اور سادگی سے اس نے پرکاری کی ہے۔

ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی مجلس میں حافظ کا مشہور شعر گایا جا رہا تھا کہ  
خشب تار یک ویم موج و گرد آہ پیش جان  
گیا و آشد حالی ما مسکساران ساحل

تو کسی نے کہا، لاش دوسرا مصرع بھی پہلے مصرعے کی طرح ہوتا اور یہ کہ ہمیں نہ پڑتا کہ اکبادا شد ...  
اس پر کئی شعر سنائے گئے۔

تو کہ بکو تر بام مسوم چہ می وانی

طہریدہ دل مرغان رشتہ بر پارا (نظیری)

بزم پر شاہ گل افی غزنیہ بیل ما

نوا تران خود وہ گزند را چہ نہ خبر (نظیری)



از لائے ما فیہ ہندو

(سعدی)

آسودہ گو برکنا پرو دیاست

وہیں کسی نے مرزا غائب کا شعر مستنایا اور محض پہلو کہتی ہے

ہوا عین وقت و شب تار و بحر طوفان خیز

گشت نظر گشتی و تا خدا خطبت

اب ذرا مرزا کے مختلف فارسی اشعار کا دعوت اٹھائیے۔

وہ اپنے عہد کے نامکار لوگوں سے اس قدر یزید کرتے کہ فرما لے ہیں سے

مراؤ روز قیامت کئے کہ بہت ہیں است

کہ روئے مردم عالم دودارہ یا بدید

آہم کے شوقین تھے۔ فرماتے ہیں سے

ہرگز بیوہ فردوس بخواست داشتد

غائب آن اشبکے نگاہ فراموش مباد

عرفی کی مشہور زمیں۔ "طوفان" میں "میں کسی بلا کا مطلع کیا ہے سے

زاں کنی تو ہم کہ گو دو قبر و روز جائے من

وائے گر باشد ہمیں امروز من فرما لے من

صورتوں میں باہر جوئے والی زندگی جیب پرچہ اٹھتی ہے تو ساتھ ساتھ مطلع نازل ہوتا ہے۔

عرفی نے کہا تھا سے

ہم سند بادشاہ ہم گشتی کہ دو جھوپٹ عشق

روئے دریا سلسبیل و قبر و دریا آتش است

ساتھ کا معنوں تھا۔ لیکن غائب کی طبع وقت پسند وہ معنوں نکال کر دئی کہ ایک لافانی حقیقت کو بھی واضح

کر گئی اور نفسیات کے ایک دقیق نئے کوئل کر گئی ہے

بے تکلف دریا بدولہ ہا از ہم جااست

قبر و دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

مرزا کی طرزِ ما اور ندرت خیال میں بڑی الفاظ دیت ہے۔ انہوں نے عرفی و ظہری کو جگہ خراب عقیدت

پیش کیا ہے۔ یہ ان کی ٹیک بیعت ہے سے

غائب از جوش دم عاتر تیش گل پریش باد

پردہ ساثر ظہوری ساغل افشاں کردہ ایم

میں بیعت عرفی غلب از طینت غائب

مہم و چراں دادہ سپیرا نہ دواؤ  
فری میں غائب کے چند منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں :

چاہے غائب غائب گفتاری گمان واری ہنوز  
سخت بہ دردی کہ می گویسی زما احوال ما

زمن بہ ذوق طبعین گنارہ می گروی  
بسیا بہ خاک من و آرمیدہم بشکر

از ہر نوع کو ہمیشہ حق باز گشاوم  
آراستہی بہتر ز شفق می کنم امشب

ہا میں بخواب ناز و من از رنگ بد گمان  
تا فرستہ خیال حد و جلوہ نگاہ کیست

مے بہ زیادہ دھکی دھکی کہ اہی جو ہر تاب  
پیشی ایں قوم بہ شور یا نہ ظرم غمزد

غائب کے باب میں بہت لوگ کہتے تھے کہ وہ ایرانی تھے۔ فارسی ان کی مادری زبان نہ تھی۔ انہیں سپیرا، اصفہانی یا طبری جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن ان کا قول تھا کہ مہار خانی نے انہیں فارسی کا ذوق ازل سے کھاتھا تھا۔ وہ اس زبان کی ہر قسم کی لطافت و عذات سے واقف تھے۔ وہ کسی حیثیت سے نظیری، عرقی، گہوری اور دوسرے ہندوستانی شعراء کے کم نہ تھے۔ اپنے زمانے میں خود کو تنہا پاتے تھے اور کہتے تھے کہ

بیادہ بد گرا میں جا بود زبان دانے  
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارو

غائب کے ایک معزز ہم عصر مہر مورخ ملحق مہر الدین آزدہ غائب کی فارسی دانگی کے قائل نہ تھے۔ اور اس کو پرانے فارسی شعراء کے کم و بے کہتے تھے۔ انہیں غائب کے مرانے ایک مقول کہا ہے۔ یہ مقول صرف آزدہ پر ہی چڑھتا ہے بلکہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ غائب ماضی سے زیادہ حال کے معتقد تھے، اور یہ ان کے قری پسند ہیں لہذا غائب فرماتے ہیں کہ

تو اسے کہ جو سخن گستران چیشینی  
مباشش حکم غائب کہ ور زمانہ داشت

یہ تو رہائی کی فارسی غزل گوئی کا تذکرہ۔۔۔ اب ان کی اردو غزل گوئی کی طرف آئیے جس کی وجہ سے آج ہندوستان میں ان کی عظمت کا بسکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس پھرنے سے اردو دیوان کے اشعار و گون کو زبانی یاد رہی۔۔۔

کئے ہیں منسوب افاضال ہیں گئے ہیں۔ ان شہروں میں زندگی ہے۔ لذایات ہے، تازی، شگفتگی اور شغلی ہے۔ انہوں نے زندگی کا سارا روز و سارا دن گئے ہیں۔ اپنے جھنڈی تر جہانی کرتے کرتے وہ آقا تیت پر مارتے گئے ہیں سے دل ہی قہرہ نہ سنگ و خشک و دوسے بھر نہ آئے کیوں رویش گئے ہم ہمدرد بار کوئی ہمیں سستا نہ کیوں

انہوں نے اپنی زندگی میں زمانے کی بڑی پیرنگیاں دیکھیں تو انہوں اور سوال کا سوال دیکھا۔ پچاسی چالیس کے مصر دار ہے۔ چٹنوں کو مار ڈالے باسٹو روئے اور۔ وہ اسے نہ رکھتی ہے تھے۔ چٹن کے لئے عمر بھر مڑتے رہے۔ لاکھوں کا بقایا مل گئے تھے۔ اس زمانے میں لکھے گئے۔ چٹن تو کیا سلق اٹا قس کے عاریوں اور عاریوں سے سمجھ کر سوال لے لیا۔ ۱۸۵۷ء کا جھگڑا اپنی آنکھ سے دیکھا۔ دلی کی بادشاہی اور دربار کا آجڑا، عا جان علم، امراء اور شریفی کا پانچواں ہوا اور مہین کا گولی سے مارا جانا انہوں نے آنکھوں سے دیکھا۔ افراتفری کے عالم میں ڈکون یا نہ تم سارا گشتا ہستم کے لوگوں سے سادہ، اچھوس وہ پند گئے تو کیا کہتے سے

پانی سے سنگ مزیدہ ڈرے میں طرح اسد  
ڈر تا ہوا آگئے سے کہ مردم غزیدہ ہوں

اس زمانے میں اگر شہیدیت، خیراواکن رام، ہرگوپال تھپا، نواب یوسف علی شاہ، والی دام پور، اور عالی اور محمود نے ہوتے تو غالب پچا پڑتے اور دھالے ان کے حواس بھی قائم رہتے یا نہیں۔ اردو میں غالب اپنے پیش روؤں میں میر کے قابل تھے سے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے قبول تاخیر  
آپ بے بہرہ ہے جو مستحقِ تیر نہیں  
تیر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب  
جس کا دیوان کم از کم شبن کشمیر نہیں

ناری میں دیکھئے سارو پر نظر ڈالئے۔ غالب کو اپنے مرتبے کا احساس واقف ہے۔ لوگوں نے اسے خود سستان لادو لہندی پر بھی مہول کیا ہے۔ لیکن شاہان کا یہ خیال صحیح نہیں انہوں نے اولیٰ اولیٰ طریقہ قبول اختیار کی۔ لیکن ہمد میں احباب یا انیسویں مصلحت خیر آبادی کے مشورے سے وہ آسان زبان میں عام فہم اشعار کہنے لگے۔ شاہروں کی ان کی وقت پسندی کے پیش نظر ان پرچہ نہیں ہوتی تھیں سے

زبانِ مسید جیسے اور کلامِ مسید زانے  
عزراں کا کہا ہے آپ سمجھیں یا مستند جیسے  
انہیں کے جواب میں شاید ان کے یہ شعر بھی سے  
ذستہ بقی کی کشت نہ بھلے کی ہمدوا

گر نہیں ہیں سرے اشعار میں سنی نہ سہی

گر خاشاک سے فنا نہ اٹھائے حال ہے

غرضیں ہوں کہ میری بات کہیں نکال ہے

آہیں دامِ سٹینڈن میں قدر چاہے بچائے

مذہباً فقہ ہے اپنے عالمِ فقہ پر کا

مشکل ہے زبیں کلام میرا اسے دل

شنیں میں کہ اسے سننے دورانِ کاہل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرما بسٹن

جویم مشکل و اگر نہ جویم مشکل

لیکن عام مذاق کے لوگ اور مشاوریہ گوشت۔ ان کا ابتدائی کلام زیادہ دیوانہ اور صافی ہر اعتبار سے دقیق

تھا۔ تاہم یہی ملاحظہ ہوں ست

شار سہمِ مرغوب بہ مشکل پہنچ آیا

مقامِ شائے بہ یک گفتم ہر ملک عدول پہنچ آیا

شبِ خوارِ چشمِ ساقی رستخیز اندازہ متا

تا صیقلِ بادہِ صبر مت خائے خمیہ ازہ متا

یک قدم و دشت سے درس و فخر اٹھان کھانا

طاوۃِ امیر سے عالمِ دشت کا شیرازہ متا

شب کو وہ ہماس طرازِ خلوت ناموس تھا

دشتِ ہر شمعِ شاد کو سبِ خاؤں تھا

استدہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سراپا ہیں

کہ ہے سرچشمہِ مرگوان آہو پستِ خارا ہیں

اس شکلِ گوئی اور وقتِ پسندی کا تجزیہ ڈاکٹر عبد الرحیم بھڑوی نے محاسبی کلامِ غالب میں دئے فلسفیانہ

انداز میں کیا ہے۔ وہ غالب کے بہت بڑے طریقہ دار ہیں، لیکن ذہنی کی عہدیت میں حریتِ ادبی سے زیادہ معقول پسندی

ہے۔

” زبانِ ارٹھی ہے اور مشاوارۃِ حیالاتِ سماوی ہی۔ ان دونوں کو ولسِ دینا  
میں اہلیتِ روح اور سکھو موادہ سے جسم تیار کرنا ہے۔ شہزادِ محکم میاں ارمان ہوتے ہی  
لیکن ان میں یہ بھی قدرت نہیں کہ اپنے حیالات کا کامل انہماک کر سکیں۔ جو ملیا لست مل  
میں موزن ہوتے ہیں، وہ اصل نقائص بہت کچھ خارج ہوتے بغیر دوسرے خیال سے  
دوسرے قریاں تک نہیں آتے۔۔۔۔۔

غالب کی مشاعرے کے جسم پر زبان کا جامہ اسی وجہ سے تنگ ہے۔ جہاں تک  
کہ بعض جگہ سے ہاک جوتی ہے اور وہاں جگہ اندر سے نظر آتا ہے۔ چونکہ مرزا غالب کا  
موضوعِ کلام بیشتر فلسفہ ہے یہ خلق اور بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ فلسفہ چیز ہی ایسی  
ہے۔ ناہیر فریسیس نامی نگار کا قول ہے ”حبیب میں گائے اور بھیگی کو مٹانے کے  
لئے امثال آجوں دوسریں دوسرے مٹاتے ہیں۔“

دیوانِ غالب میں ایسے اشارے ہیں جن کا معنوم فلسفہ کے ذہن مستحقِ قاصر  
ہے۔ تین عرصہ امکان میں ہر جانب ہموار کرنے کے بعد واپس آ جاتا ہے۔ گویا ایک  
دائرہ ہے جس سے گزرنے ناممکن ہے۔ بہت سے نقاد اس کو کیپٹن شراب پر عمل کرتے  
ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ گوشت کے اعلیٰ ترین کلام پر جو غاویسٹے مصدوم ہیں یہ  
میں اعتراض ہر جانب سے کیا گیا تھا۔ ایک دن ایک ماں نے گوتے سے درخواست کیا کہ  
اس اسف کاں کا باعث کیا ہے؟ گوشت نے جواب دیا ”یہ تاریکی تو ہے جس پر روشنی  
ہیں۔ لوگ ان مقامات پر لائین مسائل کی مثال خود کہتے ہیں اور اپنی ناکامیاں سے  
جنس اگتے۔ انسانی طلب کی استہجیر ہے۔ اگر کسی فن سے جبریت پیدا ہو تو وہ کالہن  
ہے اور اس بات پر اصرار کرنا چاہئے کہ اس کے بپ ہشت کیا ہے۔ لیکن بچے بپ آگئے  
میں اپنا عکس دیکھ کر حیران ہوتے ہیں تو نادانی سے ہشت آئینہ کو بھی دیکھنے لگتے ہیں۔“

بالند کے ذہن کی تحقیق اگر مادہ یا ناظر کو تیسرے ذہن یا نڈ کا لکاں ہے۔ کسی طرح کا ایہام یا مہل پسند  
ہیں۔ غالب کی صفائی میں بیہوشی کی یہ ناطق دلیں ہر طرح سے قابلِ قبول و لائقِ ایمان رہے۔

اس مشکل پسندی سے قطع نظر غالب کی اردو نثر اردو کا بہترین سرمایہ ہے۔ اس کے زیرِ نظر غالب کو اس  
زمانے میں قبولی عام کی دولت مل ہے۔ رشید احمد صدیقی کا یہ فقرہ اردو ادب کا ایک تاریخی شعر منسوب ہے، ”منہج  
عہدِ حکومت نے ہندوستان کو تین چیزیں بخشی ہیں: تاجِ محن، اردو اور غالب۔“ غالب کے کلام کے خاص بڑی  
تفصیل سے جانچنے پر گئے جائیں گے۔ اسی میں تعریف ہے، طوخیال ہے، اور زندگی کی نفسیات ہے۔ ”استعدادِ  
تشبیہ کی خدمت ہے۔ وہ زندگی کو ایک مینار سے پرکھ کر دیکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ غم روزگار اور غمِ زندگی متوازن  
ہیں اور اس غم سے فزونی کو شش نہیں کرتا جبکہ اسے زندہ رکھتا ہے۔“

فیر سوات و بنہ نم امن میں دو غول ایک ہے  
 موت کے پہلے آدمی تم سے نجات پشہ کیوں  
 غائب کی بذلہ سبھی اور طوفانی ایک گھٹیا قسم کا مستیزا ہے۔ اس سے بھی وہ زندگی کے مسائل پر مدد ہی ادا ہم پر  
 نام کے زبردانہ پادشہ کرتے ہیں۔

حافظ نہ تم ہیو نہ کسی کو پتا سکو  
 کیا بات ہے تھاری سشرا اب جہوری  
 پھوٹے ہاتھ ہیں فرسختوں کے شکے پر امن  
 آدمی کوئی ہمارا دم خسرو بھی تھا

مرقا کے کلام کے بڑے بڑے فنا مرزا ہیں، دوسرے ہیں، اور ان کے تحت ہر عسکر کی جہد میں بھی پٹی ہیں،

### فلسفہ عشق و محبت

نے کل فخر ہوں۔ نہ پردہ سنا  
 میں ہوں اپنی شکست کی آواز  
 دہر میں نقشب و منا دہر تسلی نہ ہوا  
 ہے یہ وہ لفظ جو شہر مند کا معنی نہ ہوا

ہے ہمت سرمد اور اک سے اپنا مسرود  
 قبیلے کو اہل فلسفہ قبلہ نہ جگتے ہیں

سودا کا مشہور شعر تھا ہے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا نہ ملنے میں  
 ترشے ہے مرغ قبیلہ غا آستیا نے میں

شیخ علی حزیں نے اس کی بہت داد دی تھی اور کہا تھا کہ ایک مرغ قبلہ نہ دے گیا تھا اس کو کسی نہیں چھوڑا،  
 لیکن غائب نے قبلہ کو ہی قبلہ نہ کہا اپنی ہوت پہنچا اور اپنے خیال کی پردہ کو انتہا تک پہنچا دیا۔ یہ شعر تصوف  
 کے معنی ہیں، یہی جواب شعر ہے

لاکھوں لگاؤ ایک چسبہ کا نگاہ کا  
 لاکھوں بساؤ ایک بجز کا عتاب میں

تو وہ بدلتا کہ تمہیں کہتا تھا ہمارے  
 علم وہ اتنا نہ کہ آسمان پر وہاں مانگے  
 ہر تو خود سے ہے سفینہ کو منہ کی تعلیم  
 میں بھی ہوں ایک مزارت کی نظر ہونے تک  
 منہ تو اگر نہیں آسان تو سہل ہے  
 دشوار تو یہاں ہے کہ دشوار بھی نہیں

### قصوف

اتنا ہی کہہ کو اپنی حقیقت سے بُد ہے  
 جتنا کہ وہم خیر سے ہوں پہچ کتاب میں  
 شک شک کے ہر مقام پر دو چارہ گئے  
 قیامت نہ پاؤں تو تباہی رکھنا کریں

اس ضمن میں داغ کا مشہور شعر ہے یہ

ماہر مر داہ محبت کا بندہ حافظ ہے  
 اس میں دو چار بہت سنت مقام آتے ہیں

ادب و ملاقات کا یہ ہے

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی  
 کہہ ہمارے غیب نہیں آتی

باز کچھ اطفال ہے دنیا مرے آگے  
 ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ  
 جس کے جلوے سے زمین آسمان سرشار ہے

محرم نہیں ہے تو ہی تو اُسے راز کا  
 یوں درندہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

ہاں کھائی ہو مست فریبِ ہستی  
 ہر پسند کہیں کہ ہے نہیں ہے  
 ہر سبز نام نہیں صورتِ عالم کچھ منظور  
 جز وہ ہم نہیں ہستی اسٹیا مرے آگے  
 سقا طواب میں خیال کو تھ سے سقا  
 جب آنکھ کھل گئی نہ زباں سقا نہ سوتا

### سوز و گداز

خون ہو کے جگر آنکھ سے چپکا نہیں اے مرگ  
 رہتے دے بچے پاں کہ ابھی کام بہت ہے  
 باخ میں مجھ کو نہ لے جا درد نہ میرے حال پر  
 ہر گلی تریک چشم طوں فشان ہو جائے گا  
 نہیں ذمہ دہ راحت ہر احمق پریشان  
 وہ زخم تیرے ہیں جن کو کہ دل کشا کہئے  
 کہتا ہے کون ناکہ جھپٹل کو بے اثر  
 پردے میں گلی کے لاکھ جگر چاک ہو گئے  
 رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قافی  
 جب آنکھ ہی سے نہ چکا تو پھر ہو کیا ہے  
 کچھ تو دے اے ٹھکب نا انصاف  
 آہ و سوزِ یاد کی رخصت ہی ہیں  
 اب جفا سے بھی ہیں مردم کہ اللہ اشد  
 اسی قدر دشمنِ اربا سب جفا ہو مہانا

### رندی



میب سے کدہ چمٹا تو مہربان کی مٹکی قید  
مسجدِ حمود سرسبز کوئی غافلتا ہ جو

ہائے ہوں ثوابِ طاعت و زہد  
پر طہیست اور سر نہیں آتی

ی کے لئے کر آج نہ سخت شراب میں  
یہ سو وطن ہے ساقی کر رشکِ آبِ میں

گو اتریں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے  
رہتے دو ابیں سنا غز و مینا مرے آگے  
پھر دیکھئے اندازِ محفلِ انشائیہ گفتار  
رکھ دیجئے پھیلتے مہیا مرے آگے

دیرانے معاصی تلکِ آبی سے ہوا خشک  
میرا سب دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

مرزا و نوجوانوں کے لئے اس کے ان کے اشعار اس قبیل کے نہیں ہیں کے ریاضِ خیر آبادی کے اشعار ہیں  
ان کے دشنام مضامین میں بھی زندگی بول رہی ہے۔ ان کی آواز بول رہی ہے۔ ہمیں شوقیانہ ہیں نہیں۔ ایک آزاد منشی  
مشاعر و ثواب، ساقی، مینا، طاعت و زہد وغیرہ فلسفیانہ نظر آتا ہے۔ اس کے پہلے زندگی کے مضامین اس  
صفائی، اس لطافت اور اس اخلاص سے اردو شاعری میں کم آئے ہوں گے۔

### پہلو دارا شعار

مولانا حالی نے یادگارِ غالب میں مرزا کی اس خصوصیت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ وہ بعض اشعار میں  
دو دو معنی بھر دیتے ہیں۔ اس کی مثال اور کئی شاعر کے یہاں اس کثرت سے نہیں ملتی۔

کوئی ویرانی مسمی ویرانی ہے  
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

کون ہوتا ہے حریف ہے فردا لگی عشق  
ہے مگر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

کیوں کہ اس بخت سے دکنوں جان عزیز  
کیا نہیں ہے جگے ایمان عشق

تیرے سر و قامت سے اک کد آدم  
قیامت کے نقشے کو کم دیکھتے ہیں

لکھتے ہو تم اثر دیجئے ہو آئینہ  
جو تم سے شہر جا ہوں ایک دور کیونکر

ذوقِ سلیم ان اشعار میں دو دو معنی تلاش کیسے کار۔ خوش طوالت سے سطر لکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

### محاکات

غالب خاوی میں مصوری کہتے ہیں۔ ان کے اشعار میں موسیق کے عناصر ہیں۔ گویا وہ شاعر ہونے پر لے  
یتوں نغموں لطیفہ کے ماہر ہیں۔ جس و عشق کو عزت دینے اس خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے کہ تصویر آکھوں کے سامنے  
کھنکھاتی ہے۔

غیرہا مستلطف کو دوہرے مست دکھا کر دیں  
بوسہ کو پا چستا ہوں میں منہ سے کہے ہٹا کر دیں

تنگ دامن تیغ و گنہ باز سے ہوں باہا ہوں  
مذہب سے حق کرنے میں جواب دہیں گے کیا

منہ گیش کوئی ہی کوئی آ نکھیں غائب  
یار لائے مری بالیں پہ اُسے پر بھی وقت

نیت اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں  
قیری زلفیں ہیں کے بازو پر بریٹیاں جو گئیں

مرا ہوں اس آواز پر ہر چند سراؤں جائے  
جلاؤ کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

آواز کی نزاکت کے باب میں مومن کا بھی ایک مشہور شعر ہے  
دست نام یارِ جلا مسدس پر گراں نہیں  
اے ہم نفس نرا کسب آواز دیکھا

لیکن غالب کے یہاں جو محاکاتی رنگ ہے وہ سوس کے یہاں نہیں، اور وہ سزا مصرع قہرے بنا ہے۔ مگر  
جسٹہ دکو لیکن وہ کہے جائیں کہ ان اور

دوستی کا پردہ ہے، بیگانگی  
مذہ چھپا، ہم سے چھوڑا چاہئے

غیر پھر تھے لئے یوں ترے خدا کو کہ اگر  
کوئی باد چپے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

غالب کا قول ہے کہ انہوں نے مردوخیوں سے مصدقہ کیجی ہے، اور یہ مصدقہ ان کی شاعری کی جان ہے۔  
رنگ کے مضامین بھی غالب کے یہاں کثرت سے ہیں، اور ان کی اردو اور فارسی شاعری کا فرق امتیاز ہے۔

چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام ہوں  
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ باؤں کو حرکت میں

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن ہمہ تن  
میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

مرزا جعفر علی خان افروز صوم پیر کے بیٹے ہوتے متراحوں میں تھے، انہوں نے مطالعہ غالب میں پیرو  
غالب کے ایسے اشعار پیش کئے ہیں، جرم معنی میں، اس قرار کا مطالعہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔

غالب ہے : ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی  
کچھ ہمارے غم نہیں آتی  
میر : بے خودی لے گئی کہاں ہم کو  
دیر سے انتظار ہے اپنا

غالب : جز قیں اور کوئی نہ آیا بروئے کار  
مکھڑا مگر بہ شنگی چشم حسود سنا  
میر : قصہ طریق عشق کیا سب نے بد قیں  
سیکن ہوا نہ ایک بھی اس رہ نورما

غالب : قیامت ہے کہ جو دے مدی کا ہم صغر غالب  
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا حال ہے مجھ سے

سیر : ۱۔ عشق ان کو ہے جو یار کو اپنے دم رفتی  
کہتے نہیں غیرت سے خدا کے بھی حواسے

خالی ہے : کیوں نہ پتھروں کو یاد کرتے ہیں  
سیر : ۲۔ آواز کو نہیں ۳۔ قی  
سیر : ۱۔ میں جو رلا کہا کہ یہ آواز  
اسی حنا نہ خراب کی سی ہے

خالی ہے : ۱۔ دانے گر تیرا مرا انصاف محسوس نہ ہو  
اب تک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائے گا  
سیر : ۱۔ اب پھر ہمارا بسن کا محسوس عاجز ہے  
دلچسپی تو اس جگہ کیا انصاف یاد کرتے

غالبِ ذکاوت اور صلاحی طبع دونوں کے مالک تھے۔ انہوں نے اردو شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی۔  
عامیادہ اور گھٹیا مضامین سے پرہیز کیا۔ ان کی طبع جنور جو۔ ویانے عام۔ میں مرزا بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ شہر  
میں بہت فزونی کو کس طرح قبول کرتی۔ اس منقہ کے معنوں میں ان کی فزل گوئی کے تمام مباحثہ بیان نہیں کئے جاسکتے  
خود ان کے قول کے مطابق تھے۔

ودق تمام ہوا اور مدح باقی ہے  
وہ خوش طبع تھے۔ غلام نے تو صرف اسی پر اکتفا کیا تھا نظر

پس فرق بیان میں تو ہمیت بگو  
لیکن یہ کہاں اتنی سی بات بد روک سکتے تھے۔ ایک رُبا ہی میں کہتے ہیں  
یارب تو کبائی کہ بہ ماز نہ وہی  
آشفات چہرائی کہ بہ ماز نہ وہی  
نے نے تو نہ مٹا بھی دئے ہے رمی  
بہ مایہ چرمائی کہ بہ ماز نہ وہی

شاہکار رباعی ہے۔ اور شوخی میں کی انتہا۔ ایسا خوش طبع شاعر اور وہید بھی کر سکتی یا نہیں۔ پھر اس  
شوخی کے باوصف غالب نے فزل گو کیا نہیں دیا۔ جتنا سلاطین غالب کا کرتے تھے جیسے سنی کے منکر سامنے آتے  
ہیں۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ غالب سے ابھی ہم بددی طرح ہم آغوش نہیں ہو چکے تھے  
ہم عمر با وقار کیشم و نہ رفت دیکھ نہایا  
چہ چاہتے کوئی رمی ترکستار مایہ گستا

## عتیق احمد

# غالب کا ذہن

غالب کا عہد بڑا سیاسی، سماجی اور ثقافتی الجھاؤوں کا دور تھا۔ آج بھی فرد اور معاشرے کی نفسیاتی پیچیدگیوں کا مجموعہ ہیں۔ انیسویں صدی کے پہلے ابتدائی بیس سال گزرتے گزرتے ہندوستان کی معاشری اور ثقافتی زندگی میں تبدیلیوں اور کشمکشوں کے اثرات اس طویل مدت ہونے لگے جن کے سبب اس ملک کے تین مختلف روپ صاف نظر آتے تھے،

ایک وہ ہندوستان تھا جس کے وسائل علاقوں میں کچھ بے مساوی منڈیوں سے تجارتی رشتوں کے سبب اور کچھ قبائل، ولسندین، فرانسیسی اور انگریز قبائل اور کمپنی کے اہل کاروں کے قوس سے کئی بیرونی استبدادیں طریق انشیں اور تعلیم کے ساتھ ساتھ بیرونی زندگی کے طور طریقے رونق پا رہے تھے۔

دوسری طرف امرا، جاگیرداروں اور الٹے کے لڑکھن اور متعلقین کا وہ ہندوستان تھا جو ضلوع سلطنت کے اقتدار اور عہد و جلالت کی وحشتناکی ہوئی یا وہ ملک کے مہارے ہر قسم کی قدامت پسندی کو زندہ اور نہایت رکھنے کی جنگ اپنی پوری جذباتی قوتوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔

تیسری طرف اُس وقت کے قلمی مٹے درمیانہ طبقے کا وہ نیم تعلیم یافتہ اور نیم پیدا رہندوستان تھا، جو قدیم رسوم و عادات کی تقلید سے بڑھ کر کسی نیا اور جدید سے ہونے والی اور بیرونی استبداد تعلیم اور پیشوں کے تحت مرتب ہونے والے اخراجات کی دیر و شنید سے نئی تبدیلیوں اور نئے خیالات کو اپنی زندگیوں میں راہ دینے پر مائل ہو چکا تھا۔

غالب جسے کہ یہ سارے صورت حال بے حد پیچیدہ تھی اور اس سے نہ صرف ملک کا سیاسی، اقتصادی اور تاریخی ڈھانچہ زیرِ نظر تھا، بلکہ فرد کے ذہنی الجھاؤوں اور احساسات کی ذلت واری بھی یہی صورت حال تھی۔

کسی ملک اور قوم کی تاریخ جب ایسے سوڑ پر آجاتی ہے کہ جہاں قریبی کے استوار فریضی اور جذباتی رشتے بیرونی ممالک سے درآمدی استبداد، فیشنوں اور اقدار کے استوں زیر و زبور ہونے لگیں تو فکر کی راہیں مسدود اور فن کو تخلیق دینے والی قوتیں مضطرب ہونے لگتی ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زندگی گزارنے کے عام طور طریقوں میں، غور و فکر کی سطحیں میں اور تہذیب و تعلیم کے عمل میں دہائیت پرستی کی فن آسانی کا دور و سر پر چڑھ کر ہونے لگتا ہے۔

غائب کے عہد کے عام ذہنی اور فکری رویوں میں جو صحنہ دکھائی دے، تلاش و جستجو کا فقدان، عقیدے، اس کا سبب عام فہم کی نا اہلیت نہیں ہے بلکہ قوی تاریخ کا وہی اندازہنگام جو جسے میں کی طرف اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا گیا ہے، اس اندازہ فہم میں اس وقت غائب کے علاوہ شاہ نصیر، مومن، ذوق اور بہادر شاہ ظفر جو محسوس تھے۔ ان سے چھٹی نسل واسے کوئی نہیں آزدوہ، شہنشاہ، حالی، ذکی، میراج اور انور بھی جیسے نمایاں ہو چکے تھے۔ دوسرے محسوس میں عشق اور تاریخ کے شاگردوں کا ایک بڑا الحاق ہوا تھا۔

حالی کی ہند کی مشاعرے اور غائب کو چھوڑ کر اس عہد کے عام فکری اور تحقیقی شاعرانہ رویوں کو دیکھتے تو فہم کی گہرائی اور عمق اور تحقیقی آپج کی جگہ تقلید اور روایت پرستی کی کاہست کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ جس عہد سنجیدہ فکری اور تہذیب و ثقافت کے یہ نقائص گذر رہے تھے اس سے ان کے حصے میں روایت پرستی کی ایک زنجیر کی کئی جڑیں نکلی تھیں، فکری اور تحقیقی قوتوں کو ہارنے کے ہوئے تھے۔

ظفر کا ایسا دور آشنائی، ذوق سا طبع اور قادر نظام مشاعرے، مومن سا ایسا تنکیا اور طرہ دار شاعر۔ اردو شاعری کو ایک مدت کے بعد بیک وقت اسنے اپنے اور جاہل غرضات پرستی کے نئے مکتب اور انقلاب کی تیز جڑوں میں اٹھ چلا۔ اقتدار جہات اور حمایتوں نے وہ چاہیں چاہیں کہ فکری کی تمام جولانیوں اور نظریات پرستی کے سامنے جو محسوس اس عہد کی ناسازگاروں کے آئینہ آؤں اور ناچاروں میں گم ہوتے چلے گئے۔

تیزات اور کش مکش کے اس بلائیں طوفان سے جو چیز ابھر کر آئی وہ - وفاداری، مشروطہ، استقامت - کے طور پر تعلقات اور ساتھ آئینہ کی گہرائی میں اٹھا جو کسی قیمت اس جہدوں کے عروج عصر کی پکا ریشے سے عاری تھا جو اپنے عہد کے فن کار اور شاعری، تنگ و باز جہدوں کے واسطے چشم برداشت تھے۔

فرمان غائب کے عہد کی وہ عام فہم میں اس دور کا مشاعرہ اور فن کار سانس لے رہا تھا ذوال پذیر اور تنزلات کے تذوق و تہذیب کی زندگی میں کچھ اس طرح آیا ہوا تھا کہ معمولی طریق اور ذہن کی بات نہیں ہے بلکہ بڑے بڑے طیار ذہن اور نیچے منزلوں کو قدم لگانا اور بھرنا تھا۔

اس اعتبار سے ایسے پیچیدہ ماحول کے ہیں منظر میں کسی ایسے شاعر اور فن کار کے ذہن کی ساخت اور اس کی ارتقاء کی مسافتوں کا کم از کم بڑی الجھن ہوئی تھی کہ اس کا سہرا ہے۔ غائب نے خود ایک جیسے روایت پرستی ماحول اور گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں۔ سرکار سے قرب اور دُور داری ان کے عہد میں ہر صاحب فن کا اہل مقد ر تھی۔ کسی دور پر سے تین پائینا یا کسی قلاب یا مہاراجہ کا اُستاد و مقرب ہونا فن کی اعلیٰ ترین مسند پر فائز ہونا سمجھا۔ چٹا رہے دارالافتاء کے اٹل پیر میں مہارت رکھنا گویا فن شہر گوئی کی معراج ہونا تھا۔

ان طرز و طریقوں نے فکری اور فنی اجتہاد کی راہیں تو نظر نہ پاسد و گری دیکھی تھیں، سڑ سارے ہی ساتھ اس عہد کا ساڑ گاہ میں شعروشاعری کے مروجہ معیار و قواعد سے انحراف گویا سماؤ جنگ کھولنا تھا۔ سو غائب کو اس داپ میں جو کچھ مسئلہ پڑا وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔ مشکل پسندی سے بے گاروہ گوار اور اصل جگہ ہر خطاب ہی سے اجنبی نوازا گیا۔ مگر یہاں کی قوم پرست کا بہت بڑا مظاہرہ تھا کہ انہوں نے فنا لغت کے

اسی سبب کو طرازِ شہنائے ہے جام سے زیادہ سمجھ کر کوئی تجو نہیں کیا۔ غالب کے فنی اور فکری اجتہاد کی داستان کا یہ بیوقوف کے زمانے کی روشِ عام کو دیکھتے ہوئے بڑا تعجب خیز ہے۔ لیکن اچھی کی ذہنی ساخت کو کبھی نہ گئے اس بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ ایک فعال اور حساس ذہن اپنے ارد گرد کے ماحول اور فضا کو واسطہ دے کے ذہن کے مقابلے میں زیادہ جذب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ماحول اور زمانے سے بہت بڑے ہوتے ہوئے بھی اپنے عہد کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ چنانچہ غزل کی قلم روایات کا جامع مدخلی اثر غالب کی شاعری پر حاوی ہے۔ یہی نہیں غزل کے دواخی الفاظ مثلاً گل، بلبل، صیاد، بارغ، زندان، برق، آسشوانہ، طراز، بیاد، نالہ، فریاد، ان کے یہاں بھی اس کثرت سے استعمال ہوتے ہیں جیسے کہ ان کے پیشرو اور ہم عصر شعراء کے یہاں مستعمل تھے۔ مثلاً اس سبب کہے کے باوجود غالب کی طنز نگاروں کے الفاظ بیان کا آئینہ تا قرآن کے عہد کی عام شاعری سے عکس پیدا اور بالکل منفرد ہے۔

ایک طرف

یہ ایک بہت سیدھا سا سوال ہے۔ مگر اس ایک ہی سوال کے جواب میں غائب کی انفرادی اور نجی زندگی سے لے کر ان کے خارجی ماحول کی پوری سرگزشت آجاتی ہے۔ غائب کے خارجی ماحول کی جس پیچیدگی اور کشاکش کی طرف اوپر مختصر اشارت کیے گئے ہیں، ان کا احوال اب بے محل ہو گا۔ لیکن اس پس منظر میں غائب کی نجی زندگی کے بعض عورتوں کا کچھ ایسا نسبتاً آسان ہو جاتا ہے۔ خانہ خانی سلسلے سے وہ ایک ترک اور بالائی بیٹے کے لحاظ سے وہ دزم کے آدمی تھے۔ ان کی شادی خاصی کم عمری میں اور پوری دھماچی پابندیوں کے ساتھ ہوئی۔ اولاد کے زندہ رہنے کی خواہش ان کی زندگی کی بہت بڑی چاہتیوں میں سے تھی۔ اچھا مکان، اچھا لباس، صاف ستھرا اور محلوں اور چلیا نیو سے آزاد زندگی، سستی ستم پیشہ لوہاروں کی زندگی کی دائمی قربت، دافرو دوجیو، مہنات کے ساتھ شراب اور دوسقوں کے ساتھ بے غریبی کی صمیمیتیں اور مجلسیں، مسرگوار درباریں، عزت اور منزلتیں، ہم عصر شعراء میں بیکار کے روزگار کی مشیت سے عزت اور تکرم۔

ہزاروں غواہیں ایسی کہ ہر غواہ پیش پر دم نکالے

خوابوں اور چاہوں کا یہ ہجوم یہ فک مہبت بڑا ہجوم ہے۔ سخنان میں سے کوئی خواہش کوئی چاہست کسی نوع بھی مافوق الفطرت کی طلب نگاری اور حصول نہیں کہی جاسکتی۔ — ولی چنے کے وہ ہرگز خرافات نہیں تھے۔ پیرمیا عمری کا چپکا انہیں زندگی کے مدرسہ نہیں لگا۔ ذرا اندھی یا ذخیرو اندوزی کا شوق بھی ان کے طور طریقوں سے مترشح نہیں ہے۔ جو کچھ وہ چاہتے تھے وہ ایسی عام چاہتیں تھیں جو ان کے عہد کا ہر کسی کرتا تھا اور ہم آپ بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ کوئی ایسا شوقِ فضول بھی نہیں تھا کہ جو لائقِ تخریب و جرم قرار دیا جائے۔ مثلاً اس کے بیٹے کی حالات کا دھواں اُسکے رشتہ ہی جتنا ہوا۔ رزم کے آدمی کو زندگی بھر شہر و سخن کی بنیم آزمائی مقدر ہے۔ شاید ہی وہ بیڑی جو ان کی قلمدانِ فطرت کو بند بنا رکھے اور پا بند زندگی کے رسوم و آداب میں جکڑنے کے لئے تیرہ سال کی عمر میں پہنائی گئی تھی۔ زندگی بھر نہ کٹ سکی۔ اور وہ ایک اتفاقی حادثے کے بعد کسی اور بہیم چپے نوبیا زاد کا آنے کی

زندگی میں گذر جوا۔ اولاد کی زندگی پہنچی چاہت بھی ایک فغیر خواہش رہی، بچنے وہ دوست دار اور دوسروں کے غم گدہ رہنے لگے ان کے حریفوں اور مخالفوں کی تعداد میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا۔ مدھیہ، پیپ، اعلیٰ عزت و شہرت، سب ہی پھیلانے کے سواب کی طرح اسی سے دس قدم آگے رہا۔ ان کی زندگی کیا تھی میں ان کی زندگی کا وہاں کا ایک۔ زیادت کردہ۔ تھی۔ میں کوئی قدری، ناکامیوں اور مخالفوں کا ایک ہجوم اور گفتگو اور مصروفیوں کا ایک سیلاب بدلے پتا، غیور ہوئے تھا، تب ہی تو وہ شہر کے گھر پہنچے تھے۔

بیان کس سے ہو غفلت گسٹری میرے شب میں کی

شب میں جو جو رنگ دون چہ دیواروں کے روزی میں

میں جس کے ساتھ زندگی اور حالات کا یہ دور اور یہ سلوک جو وہ اس زمانے کو کوئی کر مٹانے؟ اور اس کے دل میں اس زمانے کی کن روایات اور کن قدروں کا احترام ہو گا کہ وہ ان کی تقلید کرے؟ اور ایسا پائیندہ رسوم و آداب و تعلقات زمانہ کسی کو کیا دے سکے گا کہ جسے پاکر وہ شکر و سپاس کا اظہار کرے گا؟ ایسی نفا اور ایسے معاملے ہیں جو خود اپنے ظلم میں اس دور کو گناہ جو کہ ماضی کی یاد میں ہی سا اور نہ ہن کر رہ جائیں، اگر کوئی حساس اور خیال ذہین ترقیب پاتا ہے تو اس کی واہ کا اولین قدم اپنے دور کے انحرافات اور انکار کا قدم ہوتا ہے۔ دماغی ادب اور ذہن میں اس قبیل کی یہ خواہش نہیں آج پہلے کے سامنے ہے۔ اور غائب بھی ان ہی بے شمار دشنامی ذہنوں میں سے ایک فرم ہیں۔ چنانچہ غائب کی کئی زندگی کی بے عزت اور معصوم خوابشات اور ان کے خارجی معاملے کے بڑا کا اور تعصبات کے پڑھنا ملتا ہے ان کے ذہن کو میں پہنچے پڑا والا وہ اپنے عہد کی "پابستی" رسم و رواج عام، سے انکار اور انحرافات کی یہی بنیادی روش تھی، چنانچہ انہوں نے اس پہلے ہی میں اپنے عہد کے پہلے ادب و رواج سے جنگ و ٹکرائی کہ سے

ہیں ادب خود کسی روش خاص پہ نازاں

پابستی رسم و رواج عام بہت ہے

ایک ترک اور رزم پیش ہونے کے ناطے ان کے خون میں جو رزم آرائی کا عنصر تھا زمانے کی بے قدری کے دستور ان کی مجروح آتا سے میل کھا کر دو دھاری تلواریں گیا۔ پھر ان کے انحرافات اور انکار کا رخ صرف ادبی اور شجری روایات ہی نہیں، بلکہ سہرہ چیز خواہ اس عہد میں معنی اپنی روایتی قدما سے کے سبب دوسروں کے لئے باعث احترام و تقلید تھی، وہی غائب کی تنقید کا ہدف اور ان کے انکار اور انحرافات کی زد میں تھی، اس میں عشق و عاشقی کا روایتی انداز بھی شامل ہے اور محبوب کا روایتی تصور بھی، تصوف کا لنگا بندھا کارہ پار بھی، اور سکندر بندہ بھی جو پار بھی، دین کا مانہ فیری اور قلندر کی بھی، اور دینی دینداری بھی، اور غرضی مذہبی کے لباس میں دوسروں سے دوسری کا برتاؤ بھی۔ اس کے علاوہ بھی سہرہ - رسم و رواج ان کے انکار اور انحرافات کی زد میں آئی تھی، جو آدھی کی فکر و نظر پابند کر سکتی ہو، اور اس کی آواز وہ دوی کی ماہ کی دیوار بن سکتی ہے۔ غائب کی دین داری وہی تو خیر نہیں تھی، لیکن اس باب میں ان کے ایمان اور ایقانہ کی مابین چٹو جڑی عقائد پر مابہت مستحکم تھیں۔ لیکن اس معاملے میں بھی وہ لیتے - آواز وہ خود ہیں - ضرور مٹنے کہ اگر انہیں درگاہ دماغی تر کٹ پھر جانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ادبی



معاذت میں ان کی گرفت اس سے کہیں زیادہ سخت تھی۔ زبان کا معاملہ بڑا اچھا و مات، روزمرہ اور مذاہب کے مسائل کا مشق، کسی مشاعرہ یا خیال کی بحث ہو یا کسی ادبی نظریے کی صحت کا سوال، غالب نے کبھی کسی ایسے عروج استعارہ کی حمایت نہیں کی جسے ان کا عقل پسند ذہن بحث و تفتیش اور دلائل اور باریکی کے بعد غلط سمجھتا ہو۔ ایسے تمام مقالات میں کہ جہاں ان کا ذہن عقلی معیار بات، کسی معاملے کو غلط سمجھتا ہو، وہ اپنے خاص اصول، دوستوں اور مستعدوں ہی کو نہیں، ان لوگوں کو بھی ٹوک دیتے تھے جن سے ان کا کوئی مفاد یا غرض وابستہ نہیں رہتی تھی۔ شاعر میر مرزا زمین نے جہان کے بہت پیچھے تڑپتے جب انہیں فقر پر مبنی کی خبر دی تو وہ جھوٹے ادا نہیں کیا تھا: "میاں کس فقیر میں پھنسا ہے۔ فقر پر مدد کر کیا کرے گا۔ طب و نجوم و ہیئت و منطق پر مدد کر جو آدمی بنا چاہے: یا مصلح عالم سے غالب کو جو جذبات لگاؤ تھا اور جس قدر وہ ان کا ادب اور احترام کرتے تھے اس کی مثال کسی اور کے ساتھ غلامی و ادب میں نہیں ملتی۔ لیکن غالب نے ان کے بھی شعری مسلک سے جا بجا اختلاف کیا ہے اور بدعا و حرکت اپنی رائے کا اظہار کیا ہے پھر ان کا یہ رویہ دوسروں کے ساتھ ہی نہیں، بے درجہ روایتی تنقید میں بھی کچھ وہ اپنے ساتھ بھی لے کر چلے گئے تھے۔ مثلاً اپنے ادبی مسلک کے بارے میں عبدالرزاق شاکر کے نام دہستہ ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں: "پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک معنائیں خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان بھی ہو گیا۔ آخر جب قیصر آئی تو اس دیوان کو دہرایا۔ اور ان کی تمام پاک کرا اور دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے رکھائے: "جلد اپنے دیوان کی پہلی قریب کے دولت قوافیوں نے اس سے بھی زیادہ محنت القاف میں اپنی تقلیدی روش کی شاعری کو تنقید کا ہدف بنا دیا ہے۔" لکھتے ہیں: "امید کہ مثنوی سرایان مستعد ستائے، پر آئندہ ایسا نہ ہو کہ فارسی ادبی اور انی یا ہندو آثار تراوش رنگ تلک ایں ہندوستان سندھ (دیوانہ و دیوان غالب صفحہ ۶) ملاحظہ فرمائیں یہاں میں جہنم ششم)

یہ اس طرح نشان دہی سے پہنچتی تھی کہ وہ اپنے عہد میں بہتے ہوئے بھی یوں اپنے عہد سے زیادہ کسا "گلشنِ ناز پر یہ" کے جمل بن کر رہے۔ "سراپہ تک تعلق سے جو بات سامنے آئی ہے۔ وہ یہ کہ نرم پیشہ اور فن سپہ گری پر فروزا رکھنے والا نادر ملک ہی نہیں، شکارانہ مزاج اور ترکانہ خور بود کا مجموعہ بھی تھا۔ غالب کے اندر تارک مزاج، تیکھا پن، جلد و دھنکے اور جلد میں جانے، اپنے آپ کو سب سے الگ ٹھکانا اور سب سے ممتاز سمجھنے اور اپنی طبیعت اور زبان و قافی کا ہر ایک فرقہ تھا وہی کچھ اس ملا کر انہیں اپنے لہجہ کی دوسری شخصیتوں سے جلد کا امت بنا گئی۔ غالب کا بیشتر کام ان کے ہاں اس احساس کی نشان دہی بھی کر سکتے کہ وہ انگریزوں، سکھوں اور عیسائیوں کی بھری پوری ادبی اور علمی، ذہنی اور عقلی سطح پر وہ اپنے آپ کو باطنی تنہا محسوس کرتے ہیں۔ اور کوئی ہم خیال اور ہم زبان انہیں میسر نہیں ہے۔ اس پوری عقل میں کوئی ایک بھی ان کا ہمراز نہیں ہے سے

ایک ہی ذاتی کہ غالب میں ہر ہر دم و ہر

من کو جیسے جیسے و سخیل مستند و مشتم

دوسرے مصرعے کی خبر ان کے یہاں کدیں نہیں بن جاتی، بلکہ ان کی یمنائی اور انفرادیت کے ماز کو فاش کر دیتی ہے۔ ان کی یہی صفات و جہت تھی کہ وہ روایت پسندی اور روایت پرستی کے فرق سے پوری طرح باخبر تھے۔

وہ جہاں اس بات کو سمجھتے تھے کہ دوا دات وہ چراغ ہیں جنہیں اگر کوئی عبادی جوت پندہ ی کے جنوں میں لگی کر دے تو مستقبل تو خیر بہت دور کی بات ہے حال کی ماہی بھی اتنی تاریک ہو جاتی ہیں کہ قدم و قدم چلتا بھی دیکھ نہ جاتا ہے۔ وہی وہ اس دیر سے بھی باخبر تھے کہ دوا دات پر دست بن کر فن کار ہیں میر دوا دات کو اپنے اوپر مسلط کر رہے ہیں اس کے تخلیقی حقوق کو خشک کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس دوا دات پسند ہو کر رد و قبول کی جتنی آزا دہا ہیں کوئی فن کار اپنے لئے کھلی رگہ سکتا ہے وہی اس کے فکرونی کے تجربات میں نئے پن اور اجتہاد کا دوا دازہ کھلا رکھنے کی ضمانت بن جاتی ہیں۔ غالب دوا دات پر دست نہیں دوا دات پسند بنتے تھے۔

غالب کے یہاں اس دوا دات میں ذہن کی وارث ہیں پڑھنے کی خیر ایک توان کی اس مغزو خرابی سے بچتی ہے جس کی طرف ابھی ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔ بعض اور شہادتیں ان کی خارجی زندگی میں ان کے دوستانہ مراسم سے ملتی ہیں۔ مگر ان شہادتوں کی طرف رجوع کرنے سے پیشہ زیک اور اہم مسئلہ قریب طلب ہے۔

غالب میں عہد کے فروغ تھے وہ اپنی جگہ پیچیدہ تو تھا ہی لیکن اس پیچیدگی کے صرف ایک رخ کا تذکرہ عام طور سے ملتا ہے۔ اور وہ یہ کہ چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی رفتہ رفتہ ہندوستان کے سیاسی اور حکومتی ڈھانچے میں دخل اندازی جاری تھی جس کے سبب مغلیہ حکومت رو بہ زوال تھی۔ چنانچہ یہ عہد محض قریب کا دور شمار ہوتا ہے۔ بلا شک و شبہ قریب اور غارت گری کا یہ پہلو بڑا ہی افسانہ ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ دور ایک نئی تعمیر کے آغاز کا بھی دور تھا۔ مغلیہ سلطنت، باخوات السلاطنت کی حیثیت سے یہ تعمیر اس دور کے یا آج کے بعض افراد کے لئے اختلاف کا سبب تو بن سکتی ہے مگر اپنی جگہ اتنی مختوس بات تھی، اور عہد کو ثابت ہی ہوئی کہ اس کے وجود سے انکار نہ جب ممکن تھا۔ آج ممکن ہے۔ اس تعمیر کا رخ ہے شک کا مائدہ اور سامراجی تھا لیکن اس کے اجزاء میں جذباتیت کی جگہ عقل پسند، جھوٹے وقار کے سپاہ سے زندگی گزارنے کی جگہ صحت باز اور قوم پرستوں سے لگائی ہوئی روزی اور غرت فرسودہ پرستی کی جگہ اکیلا دو اختراع کی لنگن رجعت قسری پر غزو و افشار کی جگہ علم و عقل کی روشنی میں کنگے بڑھے کا عہد شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے دور کی فائز نگاہی بھی کسی ایسے ہی دیرہ و دانش والے ذہن کا کام تھا جو اپنے عہد کی قریب و تعمیر کی آفریں کے بے سے وہ کچھ برآمد کر سکے جو حال کی تہذیب اور مستقبل کی تعمیر کی جھلکوں دے سکے۔ اس پس منظر کی روشنی میں اب غالب کے اس رویے کی نشانات دہا کی جا سکتی ہے کہ آواز وہ اپنے عہد کی منفی رو کے دھاروں میں بہہ کر صرف افکار و افروغی کی غریب ملک ہی پہنچے تھے۔ اپنے عہد کی تعمیر کی غریب کا بھی انہیں کوئی شعور تھا؟ اس میں سوال کے جواب کے سلسلے میں اللہ کے دوستانہ مراسم کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اس بات سے ہرگز انکار ممکن نہیں ہے کہ غالب اپنے عہد کے اس طے کے فروغ نہیں تھے جو عہد پر تہذیب کا غنا و غنا کا طبقہ تھا۔ اور اپنے علم کی بنا پر نہ نجات اور نئی روایات کی تصدیق کر رہا تھا۔ مگر اپنی اپنی زندگی میں کچھ پنشنے کی مقدمہ بازی کے فضیل اور کچھ سرکار و دوا داز سے وابستگی کی دوا دات کو نبھانے کی وجہ سے اور تعمیر کی طرف محض اپنے خاندانی اخلاقی مراسم کی بنا پر ان کے تعلقات

ایسے لوگوں سے تھے جو ہر سے طور پر نئی طرز پر تعلیم یافتہ تو نہیں کہے جاسکتے ہاں انگریزی زبان جانتے اور انگریز حکومت کی انتظامی مشینری سے منسلک ہونے کے سبب نئی تبدیلیوں، نئے خیالات اور طرز زندگی کے نئے تجربی نتائج کی مبادیات سے پوری طرح باخبر تھے۔ غالب کے لیے احباب کی فہرست خاصی حویں ہے۔ مگر سرسید احمد خاں، منشی مسیحو مزاری، آرام، منشی پیارے مال، آشوب، خواجہ غلام غوث بے خبر اور عبدالغفور نساج کے نام زیادہ اہم ہیں۔ یہ سب حضرات نہ صرف نئی حکومت کے مقامی دفاتر کے اعلیٰ عہدے دار بلکہ ان کا رشتہ جگہ انگریزی زبان جانتے کے سبب نئے تجربی رجحانات سے پوری طرح واقف بھی تھے۔ ایک سرسید کو جھوڑ کر یہ سب ہی حضرات غالب کے شاگرد تھے، برابر ان سے خط و کتابت رہتی تھی، اور مستحانہ و ترجمانوں میں شریک رہتے تھے۔ ان حضرات سے گفتگو اور تبادلہ خیالات کے سبب کچھ انگریز دربار اور کچھ یوں میں آمد و رفت کے طبعی اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ لگتے کے دو محفوں نے کیا غالب کو نئے عہد کا مزاج دل نہیں بتایا ہوگا؟ بھلا لکھنے کے ذکر کے احوال پر غالب کی بے قراری سے کون واقف نہیں، اور "آثار الصداقہ" کی تقریبات میں نئی دنیا کے عمل کے بیان سے کون انکار کر سکتا ہے؟ ان سبب سامنے کی شہادتوں کی بنا پر یہ مفروضہ قیاسی حدود سے نکل کر اس امر کا ثبوت ہم پہنچاتا ہے کہ غالب کا اپنے عہد کی "رسم و رواج" سے انکار اور اختلاف ذاتی ناکامیوں پر مزاحمت کا شکار ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ نئی تبدیلیوں کے دھاروں اور ان کی سمتوں اور لڑائیوں سے؟ انہی کی بنا پر تھا۔ مثلاً اپنے عہد کے انکار و اختلاف کے سلسلے میں جس قدر کھن کر اچھوں نے اپنے اس قصیدے کے اجتہاد کیے ہیں کہ اپنے جو یوں شروع ہوتا ہے۔

"وہر حبس جزا کیست ان مشوق نہیں"

اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔

چند اشعار تو جو طلب ہیں سے

بے دل ہائے تماخ کہ نہ عبرت ہے نہ فوق

بے گمی ہائے تماخ کہ نہ دنیا ہے نہ دین

ہرزہ ہے نفس زہر و ہم سہی و عدم

نوبہ آئینہ خرقہ جہن و تمکین

نقشب منی ہر خیالہ عسری صورت

سمن حق ہر ہمیت نہ فوق تختیں

لافت و دلائل غلط و لغو صباوت مسلم

وہر یک ساز غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین

عشق ہے ربیٰ شیرازہ ایڑاٹھ حواس  
وصلیٰ، نونہا دُرُخ آئینہ شکرِ یاقین

کوہ کنِ غمِ سرِ مزدورِ طرب گاہِ رقیب  
بے سوز آئینہ خواہ سبِ عمر انِ شیریں

بکری نے دیکھا غنہ اہلِ وفا آتشِ نیر  
بکری نے پایا اثرِ نازِ دل ہائے مری

ان اشعار میں غالب کے اخراجات و انتقادات کے ذریعہ ان کے عہد ہی کے جن میں ایک عامی قدیم رنگ کے وہ تمام مستندات اور تصورات اور نگر و فلسفہ کی وہ طرف سے جو سیاسیات اور ماضی پر مبنی غرض گوئی کے سبب ان کے اپنے عہد تک آئے تھے انفرادی اور اجتماعی بزرگات سے گئے کرنا خاص مقصد روایات کی شکل میں رہ گئے تھے پھر ان اشعار میں نئی یا انکار مضمون نہیں ہے، بلکہ مثبت فکر کی ایک روزِ جہ کا نئی ہوئی بھی گذرتی ہے جو اگرچہ خاصی نامحسوس ہے مگر موجود ضرور ہے۔ غالب کے اس طرزِ فکر سے یہ نتیجہ اخذ کرنا معقول نہیں ہے کہ وہ کوئی بہت بڑے انقلابی تھے، ہاں جو بات سمجھنا اور ان کے جس ذہنِ رویے کی نشان دہی مقصود ہے وہ یہ کہ وہ اپنے عہد کے بے حد عام نامحسوس تئیرات کو سمجھنے، ان کی افادیت اور ان کے مثبت اثرات کو دیکھنے اور ان کی حمایت کرنے میں اپنے تمام ہم عصر اردو کے ادیبوں اور شاعروں میں پہلی غلیصت تھے، اس تہذیب اور ان روایات کے سٹے جانے پر ان کا سینہ ضرور "پرخوں زخماں خاں" بن گیا تھا۔ جن سے ان کے دور کی اعلیٰ تہذیب اور ثقافت و وقت کی شیخ روشن تھی۔ مگر سب اچھی سمجھنا ان کے سینہ پرخوں سے اپنے عہد کی ترقی کی آرزو مندی کی وہ شعاعیں بھی پھوٹتی تھیں جو اس "فکشن نا آفریدہ" کی تعمیر و تشکیل کی پہلی کوششیں ہیں۔ جس کی موجودہ شکل جلد اپنا عہد ہے۔ اس اعتبار سے غالب ان کا ذہنِ خرب و تباہی پامناؤں اور آہ دُکھا کہنے والا ذہن نہیں بلکہ تیز اور تبدیل کے دائمی جاری و ساری حقیقی وجود کو ماننے اور برتنے والا ذہن ہے، مثلاً دیکھو کہ برسات اور جزیرہ جاں سپاری کے تحت وہ آئینہ انقلاب کو اپنی ذہنی روح اور احساسات کے لئے عزم کرتے ہیں۔

یہاں صبح ہی عالم بہ طوفان

برنگِ شعلہ می رقصِ درآہن

مقدم سیلاب سے دل کیا نشاطِ آہنگ ہے

خانہ عاشقِ مگر سدا صدائے آب تھا

تیز اور تبدیل کی ان ہی سرگئی قوتوں پر ایمان اور یقین کے سبب غالب کی شاعری بنیادی طور پر ایسے تئیرات کی شاعری ہے جو ملکا اساس عقلی تو جہاں ہوتا ہے، اور سچ ان کے شاعرانہ رویوں کی موجودہ

دو رنگ زندہ رہنے کی دلیل اور سنا خرگوش کی قوت کا باز ہے۔ غالب کے یہاں جتنے پرانے الفاظ قدیم روایتی الفاظ میں مستعمل ہیں اور جن کی طرف ادبِ اسفار کیا جا چکا ہے اسی قدر ایسے الفاظ بھی انہوں نے استعمال کئے ہیں جو ان کے ذہن کی تیز بینی پر بے شمار قوتوں سے چار اور لگاؤ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کے یہاں 'دوست'، 'سبب'، 'جو شے دیر'، 'صبر'، 'دھنکار'، 'ہزار و ہزار' میں طرف سے استعمال ہونے لگے ہیں۔ وہ محنت اور تیز رفتاری کے سبب رنگ اور مختلف ہر قسمی اعتقاد اور گہری وابستگی اور لگاؤ کا انہار رہیں۔ اسی چار اور لگاؤ کے جذبے سے سرفراز وہ 'تحریرِ دلخشا' کی خشک گشت کو اپنے 'اگر قلم' کی 'خیم رنگ' سے سیراب کرتے رہے۔ اور یہی ان کا وہ ذہنی رویہ تھا جس سے ان کی قلمی مانیگی، 'مجموعہ یوں اور پندرہ یوں کے باوجود آج آرزو مندی کا وہ سیلابی وصالِ جنم ایسا ہے جس کا رُخ تعمیرِ دلخشا، 'لمحسوس' تا آخریہ کی طرف ہوتا ہے۔ اپنے اس جذبے کا انہار انہوں نے وہ جگہ پر آرزو مندی اور وفادار و جنوں کے جذبے میں ڈوب کر کیا ہے۔

گھر میں تھا کیا کہ ترا خیمائے غارت کرتا  
وہ جو نہ کھٹکتے ہم اک حسرتِ تعمیر سو ہے

اور

ہوا بھوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ  
سوائے حسرتِ تعمیر گھر میں خاک نہیں

جہی دوستی اور رنگِ دوستی اسے قدری اور محافلِ عشق کے سبب کے باوجود غالب کے یہاں حسرتِ تعمیر کی آواز آرزو مندی کا یہ جذبہ یا مخصوص ان کے ہنس کے ذوالِ پذیر اور شکست خوردہ ماحول میں اپنی نوعیت کی عجیب آواز ہے۔ اس آرزو مندی میں سبب ان کی قہقہہ ذہنیت اور بے نیازی کا عنصر شامل ہوتا ہے تو ان کے تحریرِ ذہن کی وہ روش ہم پر کھلتی ہے جس پر وہ عمر بھر بامردی اور استقامت کے ساتھ سرگرم سفر رہے۔ زندگی کی آسائشوں کا عدم حصول ان کی بے نیازی کی راہ کا ہنر کسی نہیں بن پاتا۔ اور پھر وہ اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔

ہوں میں بھی قاسمِ فانی نہیں رنگِ تنہا  
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی نہ گئے

اولیٰ اسی منزل پر پہنچ کر کئی زندگی میں آرام و آسائش کا مستند ہونا ایک ایسے مثبت نقطہ نظر میں دھن جاتا ہے کہ جس کے سہارے آرزو کوں اور غائبوں کی چاہت ان کے سینے کو گرم رکھتی ہے۔ باہم ہم میر نہ ہو تو اس کے غم میں ترک بارہ رنجی کو اضر رہے۔ لذتِ نرسائی کے کوئٹے سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ جذبہ تنہا محبت پسندی کا بے غلظت فلسفہ نہیں ہے۔ بلکہ غائب کے رونا و مزاج اور غماںِ ذہن کی موجودگی سے لڑکر ہی کچھ نئی راہیں تلاش کئے اور ارد گرد کی غن و غاشاک سے تحریرِ مبالغہ تیار کرنے کا بہانہ اور نرم جن کر سائے آتا ہے۔ غالب کی آرزو مندی میں جڑ تو زندگی میں ملتی ہے اس کا سبب غن سے آشتیات کی راہیں تراشیے کا یہی جذبہ ہے جس نے 'دوست' محسوس جہات میں اپنے آہنے کا اور ان کے لئے وا کر دیا تھا جس سے وہ آہنے والے جہد کے مزاج اور اس

کی تعمیر، روشنی کو نصف صدمی پہلے ہی تاریخ کے کچے ورق کی طرف پڑھ سکتے تھے۔

غائب کے ذہن کی جتنی روشنی کو ابھی تک احاطہ نہ کیا جا چکا ہے۔ اس سے ان کی زندگی کے عقل اور فطرت کی پہلوؤں پر جو روشنی پڑتی ہے وہ ہمیں یہ بات واضح طور پر کہنے میں مدد دے سکتی ہے کہ وہ اپنے عہد کو جس حد تک جذب اور قبول کر سکے وہ اعلیٰ ثقافتی اور تہذیبی قدروں کا ایسا مجموعہ تھا جس میں مشرقین، انسانی، انسانی و موعودی، دوسروں کے ساتھ پیار و ملامت اور اہم و منہاجہ پرتاؤ کے عناصر شامل تھے۔ اور جو کہ ان کا ذہن اپنے عہد کے جذب و قبول نہ کر سکا وہ روایت کا وہ جبر تھا جس کی تقلید آدمی کو کرنا کابل بنا دیتی ہے اور اس سے الکفار اور انحرافات کے بغیر فکر و نظر کے واسطے سچا اور اجنبی راہیں کھلا سکتی نہیں رہتی۔ یہ دونوں عناصر غائب کے خیال پر روشنی شہادت اور سائنس و ادبیات (Scientific and literary) کے ساتھ موجود ہیں۔ غائب کے ذہن کی اس روشنی کو سمجھنے میں ان کے عہد پر ہی نہیں بلکہ بیرونی صدمے کے ابتدائی حدود تک خاصی بے توجہی برتی گئی ہے۔ اس پر جو مشکل پسند ہیں گو، لادری اور ضدی ہونے کے فتوے لگتے رہے ہیں، اس کا سبب ان کے ذہن کی اس ہی حقیقت پسندانہ روش کو نہ سمجھنا ہے۔ غائب کے ذہن کی وہ روش خاص جہاں وہ دنیا پر فطرت کے بارے میں انسان کی ذات کے بارے میں، آخر فطرت اور عدم کے بارے میں خدا کے نہ ہونے کے بارے میں اور اپنے ماحول کے بارے میں سوچتے کرتے ہیں اور ہر شے اور ہر چیز کی اصل جڑ سے اور اس کے وجود اور عدم کی اہمیت اور تا اہمیت کو سمجھنے کے لئے۔ نہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا؟ کی منزل میں قدم دھرتے ہیں تو ان کے ذہن کو کھنڈ غاص اور غور ہو جاتا ہے پھر اس سے جلتے ہیں تو وہ اپنے عہد کے عشق و عاشق کے دھڑکنے پر سوالات کی بوجھ اڑا کر دیتے ہیں۔ مشاعری کے عام مزاج کا مزاج پر چھٹے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بار بار ہی اللہ صمد و ملک کی ذات پر چھٹے پڑا کرتے ہیں؟ شعر کیا کہوں غزل کا رنگ بھول گیا، معشوق کس کو توڑ دوں جو غزل کی روش کب میں آئے؟ (مضمون) صمد و ملک کو تو ہے؟ (دانش) انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے

اے درینا نیست صمد و ملک سزاوار و مداح

اے درینا نیست معشوق سزاوار غزل

یا پھر آخری بات کو ایک اور پیرائے میں یوں کہتے ہیں:

کوہ کن نقاش یک قتل شیریں تھا اسد

ملک سے سرمد اگر جو دے نہ پہنا آشتیا

ہر مذہب اور تعارف کے پاروں سمجھو لے کے بارے میں ہمیں ان کا ذہن تشکیک اور سوالات سے خالی نہ تھا۔ اور یہی وہ منزل ہے کہ جہاں وہ پہنچ کر جب اپنے عہد کی ہر موجودہ شے کے عشق اور انفس و مافیہ کی موجودات کے بارے میں بار بار سوال کرتے ہیں تو وہ اپنے عہد کی زمان اور مکان حدود کو پہلا ٹک کر اس شخص ناگزیر وہ کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں جو ان کے عہد کے بعد نصف صدمی میں پیدا ہوا تھا۔ اور یہ عہد آگے کے سائنسی اور فنی عہد کا پیش رو اور تھا، اور ان کے اپنے عہد کی نظر اور بصیرت سے یکسر راجع تھا۔

اس پس منظر میں غائب کے ذہن کے نکتے بننے کی جڑ و ریاں جنہاں میں ثابت ہوئی ہیں وہ تاشہ، تھیر، حرکت اور دفعت رہیں۔ غائب کی نفسیاتی ثروت بینہ کا مطالعہ جو یا ان کی مخالفت کا عشق و محبت کے رویے کا مطالعہ ہو یا محسب اور تصرف کے مستقدمات کا ان کے نظریات و کردار کی جبروت ہو، یا ان کے شاعرانہ رویے کی بات، ان کے ذہن کے تانوں بانوں کے جو کار و پود جنہاں میں ثابت ہوتے ہیں وہ بھی چار عناصر ہیں۔ اور ان میں عناصر سے ان کی دیوہانہ نش، استقامت، آرزو و منہی، حسرت، تھیر اور دفعت، فکر کا نظام مرتب ہوتا ہے۔ یہی کہ ان کی عظمتِ ذہن کی دلیل ہیں۔ ان ہی چار عناصر کی متوازن آمیزش نے غائب کی فکر اور ان کی ذہنی افق کو اپنے عہد کی زمان و مکان کی فیور سے باہر کر کے اس آنے والی سماج کا نقیب بنا دیا جو آئی ہمارا عہد ہے اور میں کی فکر و فکر کا جہاں کی محرومان و دوستی اور اس مشیہ اور حوادث کے اسباب و علل کا سائنسی شعور مادی رخ قرار دیا ہے۔ چنانچہ حب ہم آپ غائب کا یہ مطلق دہراتے ہیں۔

ہوئی موت کے غائب مر گیا پھر یا د آتا ہے :

قوس یاد کے صرف ایک ہی سنی ہوتے ہیں کہ غائب آج بھی ہمارے بنیادی غریب، اور غریب اور فکر کی تمام شعوری، جذباتی، روایتی اور ابتدائی کوششوں میں اسی طرح ہمارے ہم سفر ہیں جیسے کہ وہ اپنے عہد کے شریک سفر تھے۔ اس اعتبار سے غائب کی ذہنی عظمت ایسے اجزائے تشکیلیں ہے کہ ہر عہد کا نظام فکر کی بڑھتی اور بھینچتی ہوئی دستوں میں ان کے فکر اور شعور کی تازگی بڑھتی ہی رہے گی۔

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں (صفحہ ۱۱۸ سے ۱۲۲)

اپنی تفصیر کا اعتراف جلد سے جلد اپنے محلوں اور کتب خانوں میں خریداری کے جوش و خروش سے کرتے ہیں۔ صحت دل سے شرمندگی اور افضل کا تھیلے کر خدا کے سامنے چاقوں گا (اسے تو شوقِ قبول حاصل ہوگا) اور تیرا یاد سائل کا دعویٰ طرح طرح سے رُسماء اور مردود قرار پائے گا۔

(۱۷) گر نگاہِ گرمِ فسر ماتی وہی تعلیمِ دنیا

شلہ خن میں جیسے خونِ رگ میں نہاں ہو جائے گا

محبوب محبت کے تذکرہ سے برہم ہوتا ہے اور گرم مینی غائب اور فسر کی نظروں سے عاشق کو منہ کی تعلیم دیتا ہے۔ عاشق کہتا ہے کہ اگر میں دل ہی دل میں آتشِ عشق چھپائے رہا تو میری رگوں میں خونِ نہاں ہو جائے گا۔ میں رگوں میں جو غول ہے وہ بھی غائب ہو جائے گا اور رگوں کے اندر بھی نظر نہ آئے گا۔ اور میری حالت خن کی طرح ہر دے گی جو سشلہ چھپائے رہتا ہے، جس کے اندر شعلے کے سوا کچھ نہیں ہوتا تو وہ اسے ضبط کے رہتا ہے۔ لفظ "جیسے" اپنی جگہ سے ہٹا ہوا ہے۔ ہر دے سے معنی کے لحاظ سے وقف "جیسے" ہر ہونا چاہئے اور بکر کے لحاظ سے "خون" پر ہونا ہے اس لئے کہ یہ تعلیم پیدا ہوتی ہے۔ ہر حال "نہاں ہو جائے گا" کا فاعل "خون" ہی ہو سکتا ہے اس لئے کہ تعلیم ضبط عاشق کو دی جاتی ہے اور اس کا اثر اس میں ہونا چاہئے نہ کہ خن میں۔ خن میں تو شلہ نہاں ہوتا ہے اسے صرف مشہد ہر قدر دیا جاسکتا ہے۔

## سحر انصاری

# غالب کے تین نقاد

(حاجی، بحروری، لطیف)

حالی کی بیانیہ تنقید میں "یا دگار غالب" مختلف شعروں کی ایک خاص مقام حاصل ہے۔ بصری و فکری انداز، نظمیں، کاغذی تنقید کی خصوصیت کو منفرد تنقید سے متعلق باواسطہ معیار است سے ہم آہنگ کر کے حالی نے ایک نئے قانون اور سائنس کی بنیاد ڈالی ہے۔ مقدر و مقرر و مستحق اور مختلف شعروں میں حالی کے شعری کے بارے میں جو بنیادی خیالات کا اظہار کر رہا ہے اس کا اطلاق "یا دگار غالب" کے بعض حصوں میں ایک نئے انداز سے نظر آتا ہے۔

غالب کی زندگی اور فکر و فن کے جو گوشے اب تک تحقیق کی ریختن میں نہ آئے ہیں ان کے پہلی نظر "یا دگار" میں کنی خاصیت کا احساس ہو سکتا ہے اور جدید تنقید کے کنی معیارات پر حالی کی تنقید پوری نہیں اترتی ہے لیکن حالی کو غالب سے جو نسبت تھی اور جس طرح اصولی غائبیت اس کی اردو اور فارسی طرزوں اور شعرائے سنی و صائب نگہ ربانی حاصل کی اور میں انوار سے انھیں غالب کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اس کی روشنی میں حالی کی "یا دگار" کو براہ اعتبار ہے ایک اہم اخذ اور سو فیصدی تنقید کی حیثیت حاصل ہے۔

حالی، غالب کے پہلے تھا، وہی جن کے یہاں غالب کے کام کی کنی چیزوں اور دستوں کا احساس نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بعد میں یقیناً غالب کی سزا کا مستحق اس کے بعد ہی ملے ہوئے ہے۔

حالی نے اپنی خود نوعیت سے سوانح میں لکھا ہے کہ اصولی غائبیت سے اس کی غزلیں اور داستانیں تمام تر دوسرے شعروں سے انحراف اختیار کر گئیں۔ حالی کی سخن نہیں اور ان شعرا کی حدود چہرہ منوریت تک نہیں کٹے جانے کی سعی کا اعتراف ہے۔ ہونگا۔ مسافہ اس کے حالی نے اپنی اس خصوصیت پر پسندی، مسادگی اور انصاف کے ساتھ غالب کے کام کی خوبیاں اور ان کے عناصر و ترکیب کی حوت اشارے کیے ہیں وہ ان کا ذکر کم لکھا دیا کہ تعجب ہے۔

یوں تو عرصہ متفرق مختلف شعروں، فارسی اور رنگش بے ہار و عفت شعروں فارسی، سے لے کر ادب و حیات و مستند کے مختلف رنگ غالب کا تذکرہ نظر آتا ہے لیکن جس انداز سے حالی نے پہلی بار غالب کو لکھے اندھ کھانے کی کرکٹش کی ہے اس کی مثال اس سے پہلے نظر نہیں آتی ہے۔

جدید تنقید کی اصولوں کی روشنی میں حالی کی "یا دگار" میں بلاشبہ بعض خامیاں نظر آتی ہیں مثلاً اس کے یہاں غالب کے ذہنی اور فکری رجحان اور فلسفیانہ تجزیہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں ملتی لیکن حالی سے یہی توقع ہی معیار کا معیار کرنا سراسر زبردستی ہے۔ البتہ غالب کے



اجتماعی کام اور ان کی اجتماعی روش پر غور کرنے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمی کے ذہن میں غالب کے اسلوب اور شعری کاموں کے پس سے کثرت و روشن تھے لیکن وہ صرف اجتماعی عقائد کا انہماک رکھتے تھے۔ وہ اس حقیقت سے بھی غور نہیں کرتے کہ غالب کی شعری فکر سوز، میر تقی میر کی جڑ سے ادا تھا اس سے کس اعتبار سے مختلف تھی۔ وہ غالب کی مخصوص مقبولیت اور ایک شیعہ بنانے پر مدد مقبولیت کے اسباب بھی دیکھتے تھے۔ انھیں غالب کے خاص عزائم کا بھی اندازہ تھا۔ شاید اس نے انھوں نے غالب کے اجتماعی کام سے بھی جڑی بحث کی ہے لیکن ان کے خیال میں اس سے غالب کی "انجیلیٹی اور غیر معمولی بڑے کام اور خواہ سراغ مذہب"؟

عالمی نے اپنے مخصوص انداز میں غالب کی شعری اور ادبی اور انسانی اور معاشرتی اور عقائد پر واضح اور واضح اور کمال کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے دھرم، غالب کی فارسی اور ادب و نظم و شعر کے فوائد کے لیے جگہ جگہ روشنی ڈالی ہے کہ ان کے کام کا سوا ذہنی کیا ہے نظم میں ان کی نظریاتی اور اندیشہ پروری اور اسلوب کی عین اور ان کے انفرادی نقطہ نظر کی آواز کا ر غالب میں دھرم، مانیہ عقیدہ کا ایک اچھا نمونہ ہے بلکہ بعض اوقات سے یہ اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ غالب کے معاشرتی ان کی شعری اور فکر کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔ عالمی نے اس اعتبار سے دو بار کام کیا ہے۔ جہاں کے سوا غالب کے کسی اور لفظ کے یہاں اس اعتبار کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ یعنی ایک تو انھوں نے اس تنقیدی شعری کے لیے پر دم مصیبت، غالب اور سرسید کا موقف یا اختلاف، غالب کی فکر و فکر کا اندازہ جائزہ لیا اور ایک خاص ذہنی شعری کے لیے اثر غالب کی فکر اور طریقہ کار کی تشریح کی دوسرے لفظ رائے کے ساتھ ساتھ غالب کے معاشرتی ان کے رائے کو بھی عیاں کتاب میں بیان کر دیا۔ اور معاشرے کے اہمیت متعلق بیان نہیں۔

اس طرح عالمی نے "یا دگار غالب" میں کام غالب تک رسائی حاصل کرنے کی جہاد دیکھا ہے اس پر کسی ذہنی غماز سے آج تک ہمارے ناقدین کا مزہ نہیں۔

عالمی کے بعد غالب کے دوسرے اہم نقاد ڈاکٹر عبدالرحمن بخاری ہیں۔ عالمی کو جانتے ہوئے ادبی مذاق اور فہم اور مستند علم کا بخاری اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ "انگلش لٹریچر کی قومی مضمت کے کمال کیسے پہنچ گئی ہے اور ہمارے لٹریچر نے اسی کی جھلک کو عرصے آگے قدم چھٹانا شروع کیا ہے؟ لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ "جب تک لوگ نہ سمجھیں گے کہ ہم کی انگلیش لٹریچر سے کون سی باتیں اخذ کرنی چاہئیں اور اپنے شعری لٹریچر سے کیا کہہ سکیں یہاں تک اس وقت تک ہمارا لٹریچر اصل قومی سے محروم ہے گا"؟

غالب کے شعری اور شعری لٹریچر سے جتن بچے اور انگلیش لٹریچر سے اقتدا مستحباب کی صلاحیت کی طرف سب سے پہلے ڈاکٹر عبدالرحمن بخاری کی طرف رہی کی۔ وہ صرف ادبی، تاریخی کے وسیلے سے شعری ادب اور جرس، انگریزی اور انگریزی کے وسیلے سے عربی ادب اور انکار سے بجا و راست واقف تھے اور ان کو اپنی راست اور اپنے حوالہ کا حذر ہونے کا اثر انھیں خوب آتا تھا، ڈاکٹر بخاری کو اپنے احساس جمال اور مطالعے کی وسعت کو اپنے تجرباتی شعور اور انگلیش ادب اور رنگاری سے ہم آہنگ کر کے غالب کی ایک نئے راستے سے اور دوزخیا کے مسئلے پیش کیا۔ تذکروں کے زیر اثر ایک رسم ملی آئی تھی کہ غالب کو سراہنا ہوا تو اسے غزل میں نظری اور تصانیف غزلی و قافی کے ہم پل قرار دیا، اسے بخاری نے ختم کر دیا۔ انھوں نے پہلی بار شعری شعور کے ذہنی افق سے غالب کی نگاہ اور اسلوب کا سوا دیکھا اور اس طرح ایک نئی افق انھوں نے انکار رنگارنگی سے جسٹ کر غزلی کی عنصر اور عیاں شعور کو سمجھیں شامل کیا۔

غالب کے بعض اعلیٰ نقادوں اور دانشور پرانہ انداز کی طرح بخاری نے بھی "عشق، عہدہ" کے حق سے کام لیا اور بعد میں "محاسن کام غالب"







## ڈاکٹر انعام الحق کوثر

# غالب و ناطق

مرزا غالب ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء — ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۹ء کی ایک معروف مثالی و سدوداعی شاعر ہیں۔ انھوں نے ایک مزے دار کہانی بیان کی ہے کہ کچھ ایک عورت کی یہ دعا چاہی ہوئی کہ وہ میرے چھوٹے بھائی ہو جائے۔ جو ان ہوتے ہیں، اس کے حق میں دل لگے اور اس نے اپنے شوہر کو دھتکار دیا۔

جمہوریت و الفت شکست

لگ بھگ سارے عرصے شکست

پہنچے شوہر نے اس کی یہ دعا تھی شکست خاطر ہو کر یہ دعا کی اور وہ سنی بن گئی۔ اس میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ

فک شد عجب زون ساد کرد

باسر و و عجب آغا ذکر

اس پر مرزا غالب کے ایک ہمعصر گل محمد خاں ناطق کراچی رالمی ۱۳۹۳ھ / ۱۸۷۸ء نے اپنا خیال ظاہر کرنے کی جرات کی۔ یہ صاحب خط کراچی سے تعلق تھے۔ انھارہوی عہد کے اخیر ادا بیرونی عہد کے شروع میں وہیں اپنی خدا داد و بیاقت کے چہرہ دکھائے۔ پھر سندھ اور شاہ کراہیہ سے ہندوستان پہنچے اور اودھ کے شہر بنارس میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۸ء میں شاہ احمد علی شاہ کے دوبار سے مشغول ہو گئے۔ وہیں سے گیا ہوئے۔

صبا از جانب ناطق مسدای خاک مکران

ای عزیزان وطن دست بطورید از من

کرم چوں غنیمت دل نہ بخش ہندوستان بزم

کو گشتہ ہند و سہزاد گلابی پر شش

لکھنؤ ہی سے انھوں نے مرزا غالب کو خط لکھا جس میں اپنی زندگی کے حادثات اور آفات کا ذکر کیا ہے۔ دیشیوں اور سرحدوں

کی اس بے بسی اور مردہ دنیا کا شکوہ کیا ہے جو وہ نڈکاروں اور اہل ظلم حضرات سے دعا کرتے ہیں۔ خط کی ابتدا ایوں ہوتی ہے کہ

۱۔ کلمات غالب۔ چاپ لکھنؤ ۱۹۲۵ء صفحات ۷۱ تا ۷۹

۲۔ شمع الجہنم۔ محمد علی مسخاں۔ جہاں ۱۳۹۳ء صفحات ۴۷

۳۔ جوہر مسلم۔ لکھنؤ ۱۹۲۵ء صفحات ۳۹، ۴۰





ایک خط میں آئین دہلی و احمد نیک یوں توصیف بیان کرتے ہیں: "دہلی و مدین ماسرور و دہقان ہمایں دیارنا پرستان داشت  
یامان قلعہ مستحسن با اینہر گریہ و سخی و دربارہ ماجہ کران داشتند و ہم زہر قعدان کالائے کاسوم لم زدہ"  
مروان کا تب کے ذہن کا کوس خطوط پر ۱۲۹۶ء سے ۱۰۵۶ء تک لکھے گئے ایک پیش پہا خرو ہیں۔ ان سے مروان کو سرفروں مصیبتوں  
ادمان کے اعلیٰ کا بھی آواز پہنچتا ہے۔ ان خطوط میں وہ احباب کو اپنا دیکھنا سنا کرتے ہیں۔ آئین کران کے حضور میں بھی کم و بیش یہی انداز لگتا ہے  
مشاوران کا تب ایک خط میں لکھتے ہیں:-

[illegible][illegible]

وہمکن نشان فی خواہم

کوشش و جدگاہی کنی خواہم

غائب اپنی اودھدوں کی ترویج کو ہم آہنگ کرتے ہیں جیسے

مراپیشہ جہان آبادی جہاں جہاں

قرا به پاپے مشائیشی علی عدیم

ایک تئیبی، اپنی خوشنویسی کا جائزہ دے اس طرف سے لے رہی ہے۔

مردیست بهیمن کوچی گزینتاری کشاده روی تراشیدان با قلمی

به دلاوری کلمه آسان قبول یافتن سختی

در طوایف سنگو خاگوری، ملازمین جوی

عبدالغنی محمد قیصر بودیرستانی

چندتا هم به سر می بردند

140

تاکن اس طرف ہناؤ کر چھڑتے ہیں سے

دیں راہ میں آں شاعر کفشان یافت  
نغمہ من پسین در سحر و ایجا و

آن بیللم کر گز چن سرگرد غفان  
آن گلشن کر باد طبع مستقیم او  
آن قلوبام کہ باداگر وجود غولیس  
آن شاعر کوشیت شوم چای گرفت  
از ہر وقت آتش موسیٰ خود عیان  
بخشد بگردہ چو لاش میسوی مدان  
ہر قلوباش لسان دم در بحر بیکران  
چون میت کام کشی و خود ش لسان

مرزا غالب کی طرف تاکن کراچی کی طرف ہونا قادر دانی کی شکایت موجود دہائے بکواس کی جنگلیاں غزل کلام میں بھی ملتی

ہیں مثلاً

تاقن نشد بجز کفنی حاصل زد هر  
آن ہم بزد و گور کن گور کن گرفت

صدر ہستی وہ گذر نغمہ غم دلی  
چنہ مسد گلا بہانیم دلی ہیبت دیم  
تاقن از غفلت کم قیبتی غولیس ہر  
با ہر تاقن کو باطل و خیال اور وطن کی یاد رہا ہے ۔

گاہ و ستارام از درد گرفتار دلی غولیس  
عفو کن جسرم نالام میتاد  
عروہ طہور کند نام وطن ما تاکن  
گاہ و ستارام از درد گرفتار دلی غولیس

مرزا غالب کی مانند تاقن کراچی کی زندگی کا اصل رنگ غم ہی تھا۔ ان کی زندگی میں مسرت اور اس کے لئے نہ موجود تھی۔ ان کے یہاں غم مستقل اور عین ہے اور ان کی زندگی کا ہمارے جیسے ہے وہ ایسی کہیں نہیں ایک خاص قسم کی آفت لمبوس کہیں ہیں مثلاً

نہشتا بد اجل از دہشت غم بوسرہا  
شرودای درد کہ غم دل ما کسور دست  
تاقن مطلب بہت راحت فلان را  
نہشت جنت اگر نذر مذاقم سا زند  
سرا پاؤں نہای غم جان پہ دور ما  
دزد شش چشم دزد مریم و دوست  
بگرد زود و یک طرف از زندوانیست  
ذوق اندہ تو عاشا کفر و سوسل گم

تاقن غالب کی مثل غم کو سوزنا بھی ملتی تھی وہ ٹھنڈا ٹھنڈا ہی تھی کی جنگ دیکھتے ہیں۔ پہلے غالب کے دو بار شعر غزل لکھتے

پہر تاقن کا اظہار دیکھئے ۔

عزرا از ہر سینه آسودگان غالب

چہ شہتا کہ بد دل نیست جان ناخکیا ما



ای کہ دیدہ نام ز دست ملک کہ بید غم ز دست

پایش غم کہ ہم ز دست عالم شادی دهد

غم کہ ہم در انگشت بود که مراد می دهد	فان فیضی کند گاه بهادی دهد
آز مشرب نخست غمی تو را می زند	اقل منزل و گروئی تو را می دهد
تغافل کار با امانت هر کس نگردد	بقیض دادی غم می گمارد نیز گمان را
کجای بستی نیست غم بگوشش اسی دل	تو ز پیش گداری گره کشائی دگیت
قار از اشراف رفتارم سوخت	منق بر قدم را بر و است مرا

بیا به ملک است و به بین تائق

کر من تو نگردان ضمان فخر من اند

بشایع علی النین سائن برین اساطی

کر من در چکل ستمها از غور و آشوبی بستم

خواجه بستم خوردی کس گوید و بستم	پای آگاهی ریزن جرس بر کاسه ای بستم
عاجز نیم د عریه آسمان هنوز	دارم بزیغش قوت آبی همان هنوز
خویش طبع هر مرد و دوازده آه من	خلعت برست و عریان خاکمان هنوز
صد طبع بر فروختم و دل زخمی سرگی	باشد نیاز مند فروغ بشور و هنوز
آن بمانیم که گرد و شمر اقلیم چون	بر سر هر که نهد سایه بال و پیرا

به دور ایمان تائق کے تجرنا جو حیات کا پتھر و مظلوم ہوتا ہے

قریب کر تیر چہرہ را آہم

یک شمر ز غلشی خود مشورت دہم

چند اگر خدا غنی ست من محترم

در دست بخاذا دون میسریم

دور از لب میگون تو اند کباب

تالی خبر و کسی کہ چون میسریم

می سودم دی نام و خون میسریم

بعضی فزونی میں تائق مرزا قائب کی ہی زمین ہوئے کار بستے ہیں جیسے

قائب :- بر قندہ بر خمد نصیب دگش

تائق :- بر شربت دینار بکسید گش

قائب :- در کف و پیدا تو قربان قضا نیست

تائق :- در کشور سیداد تو سوا برضایت

قائب :- زمین گشتی و پوچہ نہ مشکل افتاد است

ناقل :- در آتش من چراغ ما دل آفتاب دست  
غائب :- در کلبہ ما از بگر سوختہ بر آید  
ناقل :- اندیشہ خدا زدلم آن دعا گوئید  
مرزا غائب نے کہا تھا ہے

دوست گمان کی میری سی فریادیں گے کب  
زخم کے بھرنے تک ناقلی دھیرا ہی گے کیا  
ناقل گویا ہوتے ہیں :-

لذت دور دور ہر کدو دار من گرفت  
ناقلی زخم جہاں اثر ہر سجدہ گرفت  
غائب :- میں بھی دک دک کے دور دور جھانکے رہے  
دستہ اک تیز سا ہوتا ہے غمخوار کے پاس  
ناقل :- تاجی اس وقت جانی نیم بس زبست  
میز زم زمین باور پستی کو باشد میں مرا  
بقول غائب :- کس تیر کماں میں ہے دیتا دیکھیں ہیں  
گمشدہ میں نفس کے مجھے آرام ہے ہے  
بیتل نے کہا تھا ہے

جز بگناہی سراغ امن نواں یا نعلی  
دور از ہمدار آباں علق آتش است  
ناقل گویا ہی خیال آتا آباں میں جتنے ہیں :-

گرچہ طبل کلبہ از فادہ نہیں باشد مرا  
گشتی باشم اگر گشتی ہوں باشد مرا  
کی میتری شود مرغان یا غر غلہ ما  
ایں فراغتہا کہ در کتب نفس باشد مرا

جے ساکھی، ساوگی، ارسن، اور پچ، جہ کی خدمت، اور اس کی بکلی، ناقلی گویا کے کام آئے رہے ہیں۔ وہ ناقلی کے بعض شعراء کی جھکیوں سے ہوتے مرزا غائب ہیں، یہ سچے ہوتے ہیں کہ ان پڑ غائب کو چک سنگان ہوتا ہے۔

## بلقیسؑ جہاں

# غالبؑ۔ مَیْرَی سَوْتِے

آج غالبؑ صدی کا سورج اوج کمال پر فوشا ہے ہر طرف  
غائب نہیں کے چہ پہ ہیں اور ابے گھبانگ غالبؑ صدی مٹو مٹو  
کی مخلوق اتفاق کی منڈیوں سے مشرقیہ کی تاریکی گھپاؤں  
میں کیفیتِ اہتر از پیدا کرتی مرقی ہمارے نہیں فتنوں اور غدا لنگ  
روئے کی سرگوشیاں نہ گفتگو اور فراقِ خدو غیب میں خامیہ مابین  
کی اوزانی کی جانبہ اشارہ کر رہی ہے ۔

ہم نے اتفاق سے پردہ میرا حمد عمل کی روشنی حیات کا ایک  
ذاتی خط ہمارے ہاتھوں لگا ہے ۔ ہر اپنی گونا گوں غریبوں کے پیش  
نظر یہاں پہنچی کیا جا رہا ہے ۔ بیگے صاحبہ غالبؑ کے گھروں سے  
ہیں ۔ انہیں اپنی پریشان کے مافوق العین کی ترجمانی کا پورا پورا حق  
پہونچا ہے ۔ (کے ۔ قے)

## ایک تادر خط

— اور اں دیکھنا یہ بڑا جھڑوس غالبؑ ہر اں دہن مری سوت بنا بیٹا ہے ۔ مرنے نے سارے غلیبے  
ڈوبے ہیں پڑے پڑے گھمارے ۔ اندر کھنکھ : ان کی بیوی زنان فلسفہ میں بیٹھی تھی کہیں کا پٹیاں ۔ یہ بڑھا گیا  
جانے زخموں کا فلسفہ ؟ فلسفہ پر چھنا جو اس سے پوچھو جو اس کی جو رہتی ، میں پر غالبؑ حکمدا مفرار کی نا حرف  
غزل گوئی جگہ بہ عنوانِ نعل سے پورہ حق روشنی کر دیتے تھے ۔ بہت دود ، موت و حیات ، سورگ و زلزلہ ، ذہن  
و آسمان ، آفتاب و عاتبا ب کی ساری مطلق ایسی کہ گئی تھیں کہ نہ کوئی مولوی ملا اور مسیانا دوس سے لکھا ہے ۔ نہ  
کہا سکتا ہے ۔ اسے جو حق غزل کی ذرا سی گفتگوں ، حیاتِ مادی کی ذرا سی سخن اور مٹنی کو ہیں سے نہ گزار سکا وہ



## منتخبات از من

# مرزا غالب جو ہوتے اب تو کیا ہوتا؟

## منتخبات از من

ہمارے استادوں اور کلف کے نقادوں کی رائے ہے کہ ہر بڑا شاعر آفاقی ہوتا ہے۔ ہم صمت کی خرابی اور طبیعت کی کمزوری کے باعث مرزا میرزا علی انسان بن گئے ہیں۔ اور استاد بالقاعدے کہیں نہیں الجھتے۔ چنانچہ ہم بھی اس رائے سے متفق ہیں کہ مرزا غالب بڑے شاعر تھے اور ان کے اشعار میں آج بھی وہی تخیل اور دل کشی ہے جو پہلے تھی۔ بلکہ اب تو لوگ ان اشعار کے بھی معنی بیان کرتے ہیں۔ یہ جو مرزا کے ہمعصر دیکھ پاتے تھے۔ اور آسانی کہنے کی "فراکش کیا کرتے تھے" مرزا کا ہر شعر تنقید حیات اور ادب عالیہ کا نمونہ ہے۔

ہم یہ تو دعویٰ نہیں کرتے کہ غالب کے ہر شعر کے معنی بیان کر سکیں گے لیکن ہیں غالب کے طرز اور بلکہ پرستار۔ اور حد و پیمائش کے لئے سمجھنا سمجھنا ضروری نہیں۔ آپ بھٹ کی بہت سی شیطانی باتیں ہیں لیکن قدر غزل کو یاد دلاتے ہیں اور ذوقِ باد کے نغمے لگاتے ہیں۔ پچاسویں تصویر آپ کو ٹیکڑوں یا دھبوں کا مجموعہ نظر آتی ہے۔ لیکن پلاسو کا نام سن کر آپ سر ہٹتے ہیں۔ اسکول کے زمانے میں تو غالب کے مشکل اشعار ہم خاص طور پر دھب ڈالنے کے لئے یاد کیا کرتے تھے کہ اس کام کے لئے وہ تیر ہمدون نسخہ ہیں۔

تقریر مختصر کہ ہم غالب کو ایک آفاقی شاعر، ذہن و استقامت، معنی آفرینی کا ہر لحاظ کا بادشاہ، ذہن نگاہی، ہیکل بنیاد اور دل میں استقامت، یعنی ایک وقت و دور میں وجود میں ادب سمجھتے ہیں۔ ہم اس لئے سے پوری طرح متفق ہیں کہ ان کے اشعار آج کل کے زمانے پر بھی منطبق ہوتے ہیں اور یہی ان کی دائمی اور شگفتگی کا ماز ہے۔ یہ سب باتیں ماننے کے بعد اور گستاخی کی صفائی طلب کرتے ہوئے ہم انشاعرفی کرنا چاہتے ہیں کہ آج ان کے بعض اشعار پڑھ کر الجھن پیدا ہوتی ہے اور یہ خیال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ اگر مرزا آج موجود نہ ہوتے تو کیا یہ شعر کہہ سکتے تھے؟ یا انہیں اشعار کو دیکھ کر یہ غارت گشتی؟

ہیں سدا قصہ ان کے کراچ کل یعنی زمانہ موجودہ میں ہونے د ہونے کا ہے۔ اس ہونے کا فکھڑانے خود بھی بہت  
 کیا ہے۔ مروجہ کو اپنے ہونے سے بڑی شکایت تھی کہ ان کے خیال میں اسی ہونے نے انھیں ڈھیرا متناہ سالانہ بعض ان کے  
 گھنٹی کی کارفرمائی تھی۔ تاریخ سے ثابت ہے اور مرزا نامالی جیسے فخر آدی نے لکھا ہے وہ موجود تھے اور ڈوبے نہیں تھے بلکہ  
 باقاعدہ مرے تھے، خود بھی کہا کرتے تھے کہ

ہوئے ہم جو مرے دسوا ہوئے کیوں نہ عسرق دریا - دہریو

مگر طبعاً وہ ہونے کے اور پہنچنے کے خاتمہ معلوم ہوتے ہیں۔ آم کھانے کے ٹوٹیں تھے مگر "غریب ہستی" کھانے کے غلط

صاف صاف پیچہ فرمایا کرتے تھے کہ

ہاں کھا نیو مت غریب ہستی

ہر چند کہیں کہے نہیں ہے

اس نے تھکت بھارت مرزا د صرف موجود تھے۔ بلکہ ہلے زور و شور سے تھے۔ ان کا ہونا بھی اٹل نام کی حقیقت ہے

میرزا بھی جس کی تاریخ وہ خود نکال گئے ہیں۔ سوال مرث یہ ہے کہ وہ اگر آج ہوتے تو کیا ہوتا؟

بعض باتیں تو ظاہر ہیں مثلاً مرزا اگر آج ہوتے تو خواجہ سعید الدین "مرزا غائب بندہ روڈ پر" کھینے کی ضرورت  
 معلوم نہ کرتے۔ ان کی مصداق برسی نہ مٹائی جاتی۔ قمار بازی کی علت میں ہرگز نہ پڑے جاتے کہ اب یہ کام ہرج "مورٹیفیکشن  
 کہتا ہے اور ختم نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں وہ دلچسپ آف پاکستان دہلی یا اسی قبیل کے کسی قانون کے ماتحت گرفتار ہو سکتے تھے  
 بے پیسے کے لئے انھیں کوئی بینک قرض نہ دیتا، اور آج کل کے رئیس بھی شاعروں کو کچھ نہیں دیتے داتے۔ بلکہ - قوالی سے  
 دل بہاتے ہیں۔ لہذا اپنا شوق پورا کرنے کے لئے انھیں امریکی یا کسی بیرونی سفارت خانے سے رابطہ قائم کرنا پڑتا اور اس لئے  
 اپنے مشہور شعر کا پہلا مصرعہ بول چلنا پڑتا تھا۔

"صفت" کی پیتے تھے بے اور کھینچتے تھے کہ ہاں۔۔۔

ہم بے فرض کئے جیتے ہیں کہ مرزا دلی چھوڑ کر پاکستان فرار آتے۔ یہ صحیح ہے کہ تقسیم کے بعد ایک غفلت یا کوتاہی  
 کی طرف لٹھی چلی آئی تھی اور مرزا اس پیش پال کے غفلت تھے۔ بلکہ اسی لئے ایک سال مرنے کی تاریخ بھی متوی کرنی پڑی تھی۔ مگر  
 بنیادی سوال اُن کے سامنے یہ ہوتا تھا

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا؟

لہذا وہ جس شاہی بلکہ بیعتا بھرت کرتے۔ اب فرض کیجئے وہ کراچی آتے ہیں۔ تو سب سے پہلے تو بٹلش کا مسئلہ پیش  
 ہے۔ دوست اصحاب کہتے ہیں "حضرت" چلنے افسر اعلیٰ سے ملنے۔ عرب مطلب زبان پر آجیئے؟

مرزا فرماتے ہیں "ناہی" بڑے سے دہریو۔ اگر افسر، پوچھ بیٹھا کہ تو کیوں چلا آیا۔ تو نے اپنا گھر کیوں چھوڑا تو  
 میں کیا جواب دوں گا۔ تجل ہو کر یہی کہنا پڑے گا کہ

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ تیرے ملک و نام ہے

یہ جانتا اگر تو لست آنا گھر کو میں

دوست کہتے کہ حضرت آپ کا دودھان وہ شان تو ہمیشہ میرد مسخر کا مادی دہا ہے۔ دادا آپ کے اور اہل گھر

## مختار ازمن

# مرزا غالب جو ہوتے اب تو کیا ہوتا؟

## رفعت ازمن

ہمارے استادوں اور کتب کے نقادوں کی رائے ہے کہ ہر بڑا شاعر آفاقی ہوتا ہے۔ ہم سمیت کی خرابی اور طبیعت کی کمزوری کے باعث مرتجی مرتجی انسان بن گئے ہیں۔ اور اسے دنیا فقاہت کبھی نہیں الجھتے۔ چنانچہ ہم بھی اس رائے سے متفق ہیں کہ مرزا غالب بڑے شاعر تھے اور ان کے اشعار میں آج بھی وہی تیز اور دل کشی ہے جو پہلے تھی۔ بلکہ اب تو لوگ ان اشعار کے بھی معنی بیان کرنے لگے ہیں جو مرزا کے ہمعصر دیکھ پاتے تھے۔ اور آسان کہنے کی "فراکش کیا کرتے تھے" مرزا کو مرزا کا ہر شعر عقیدہ حیات اور ادب عالیہ کا نمونہ ہے۔

ہم یہ تو دعویٰ نہیں کرتے کہ غالب کے ہر شعر کے معنی بیان کر سکیں گے لیکن ہیں غالب کے طرفدار بلکہ پرستار۔ اور صلح و پرستش کے لئے سمجھنا سمجھنا ضروری نہیں۔ آپ بہت کی بہت سی شخصیات ہیں سمجھ پاتے لیکن وزیر خزانہ کو ہار پھٹاتے ہیں اور خزانہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ پکاسو کی تصویر آپ کو لکیروں یا دھبوں کا مجموعہ نظر آتی ہے۔ لیکن پکاسو کا نام سن کر آپ سر ہٹتے ہیں۔ اسکول کے زمانے میں تو غالب کے مشکل اشعار ہم خاص طور پر دھب ڈالنے کے لئے یاد کیا کرتے تھے کہ اس کام کے لئے وہ تیر ہونے لگتے ہیں۔

تقریر مختصر یہ کہ ہم غالب کو ایک آفاقی شاعر، نیر و ست نقاد حیات، معنی آفرینی کا ماہر، تخلیق کا پوشاء، ذہن نگاہی، ایک بینا، دور رس، ایک دلت دور بین، دھرم دین ادب سمجھتے ہیں۔ ہم اس رائے سے پوری طرح متفق ہیں کہ ان کے اشعار کتب کے زمانے پر بھی منطبق ہوتے ہیں اور یہی ان کی نازکی اور شگفتگی کا ماز ہے۔ یہ سب باتیں اس کے بعد اور گہرائی کی صفائی طلب کرتے ہوئے ہم اشعار میں کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے بعض اشعار پڑھ کر الجھن پیدا ہوتی ہے اور یہ خیال نہیں میں ابھرتا ہے کہ اگر مرزا آج عروج و ہبوط کے تو کیا ہر شعر کر سکتے تھے؟ یا انھیں اشعار کو دہان سے خارج کر سکتے؟

ہیں سدا قصہ ان کے آج کل یہی نواز موجود ہیں ہوتے نہ ہوتے کا ہے۔ اس ہوتے کا ذکر ہڈانے خود ہی بہت کیا ہے۔ مرحوم کو اپنے ہوتے سے بڑی شکایت تھی کہ ان کے خیال میں اسی ہوتے نے انہیں لپٹا ہوا تھا۔ حالانکہ بعض ان کے تخیل کی کارفرمائی تھی۔ تاہم سچ سے ثابت ہے اور مولانا مآلی جیسے لٹری آدی نے لکھا ہے وہ موجود تھے اور لوہے نہیں تھے بلکہ باقاعدہ مرے تھے، خود بھی کہا کرتے تھے کہ

ہوتے ہم جو مرے دسوا ہوئے کیوں نہ حشرقِ دنیا۔ دنیو

مگر طبعاً وہ ہوتے کے اور ہستی کے مختلف معلوم ہوتے ہیں۔ اہم کہانے کے شوقین تھے مگر ”فریبِ ہستی“ کہانے کے غلط

صاف صاف غیب پر فرمایا کرتے تھے کہ

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی

ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اس نے مختلف پہلوں مرزا نہ صرف موجود تھے۔ بلکہ ہلے زور و شور سے تھے۔ ان کا ہونا بھی اہل نادبھی حقیقت ہے اور مرزا بھی جس کی تاریخ وہ خود نکال گئے ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ وہ اگر آج ہوتے تو کیا ہوتا؟

بعض باتیں تو ظاہر ہیں۔ مثلاً مرزا اگر آج ہوتے تو خواجہ معین الدین ”مرزا غائب“ ہندو لوگوں ”کھنے کی ضرورت“ صوفیوں نہ کرتے۔ ان کی حدود اور پرسی نہ مٹائی جاتی۔ قمار بازی کی علت میں ہرگز نہ پڑے جاتے کہ اب یہ کام ”ہرج“ اور ”پیش“ کہلاتا ہے اور جرم نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں وہ ڈیفنس آف پاکستان دہلی یا اسی قبیل کے کسی قانون کے ماتحت گزارا ہو سکتے تھے بے پیسے کے لئے انہیں کوئی بینک قرض نہ دیتا، اور آج کل کے ایسے ہی شاعروں کو کچھ نہیں دیتے دلاتے۔ بلکہ۔ قوالی سے دل بہاتے ہیں۔ لہذا اپنا حقوق پورا کرنے کے لئے انہیں امریکی یا کسی بیرونی سفارت خانے سے رابطہ قائم کرنا پڑتا اور اس لئے اپنے مشہور شعر کا پہلا مصرعہ پڑھنا پڑتا۔

”صفت“ کی چیتے تھے سے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں —

ہم یہ زمین کئے لیجے ہیں کہ مرزا دلی چھوڑ کر پاکستان مزدور آتے۔ یہ صحیح ہے کہ تقسیم کے بعد ایک صفت پاکستان کی طرف اڈی پہل آئی تھی اور مرزا اس پیشہ حال کے غلام تھے۔ بلکہ اسی لئے ایک سال مرنے کی تاریخ بھی ملتوی کرنی پڑی تھی۔ مگر بنیادی سوال اُن کے سامنے یہ ہوتا تھا

ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھائیں گے کیا؟

ہلنڈ اور وہ بھی شاید بلکہ یقیناً ہجرت کرتے۔ اب فرض کیجئے وہ کراچی آتے ہیں۔ تو سب سے پہلے تو رہائش ۲ مسٹر وینٹیل ہے۔ دوست احباب کہتے ہیں حضرت پہلے انٹر اسٹیٹ ملے۔ جرن مطلب زبان پر لایئے؟

مرزا فرماتے ہیں نا، نامی، اچھے سے بود ہوگا۔ اگر انسر یہ پوچھ بیٹھا کہ تو کیوں پھا کیا۔ تو نے اپنا گھر کیوں چھوڑا تو میں کیا جواب دوں گا۔ خجل ہو کر بھی کہنا پڑے گا۔

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ تیرے ننگ و نام ہے

یہ جانتا اگر تو سنا نا نہ گھر کو مہیں

دست کہتے ہیں حضرت آپ کا دودھان والا شان تو ہمیشہ سیر و سفر کا عادی رہا ہے۔ دوا آپ کے علاوہ انہر



سے دارو ہندوستان ہوئے تھے۔ آپ دادا و جندا سے دارو پاکستان ہوئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے گا کہ

ماضی و شست خودی کوئی تہمید نہیں

ایک چکر ہے عرصے پاؤں میں زنجیر نہیں

پھر کوئی حقیقت پسند نہ پست دوست مرزا کریوں بھاتا " مرزا نوشتہ زان بدل گیا ہے۔ یہاں شاہ ظفر مدعا ہے دلی لٹ گئی۔ فرنگی بھی دغا بن ہوئے۔ یہ دلی نہیں لکھی ہے۔ یہاں ہنگامی آجپتی ہے اسے غدا کہتے ہیں۔ نیا زمانہ ہے جی نہیں نئے طو طریق۔ مسافت آسمان کے نیچے کیونکر گزر سکتا۔ پرانی باتیں چھوڑیے۔ وضع واری کا چننا ماریجے۔ مصلحت کا سوٹ زیب تن فرمائیے۔ انگریز کے یہاں ماضی مزدوری ہے۔ خالی چلی شہر پہننے سے کام نہ چلیگا۔ یہ انگریز کا دور نہیں۔ انگریزی کا دور ہے آپ سے تو اتنا بھی نہیں پوچھ سکتا کہ انگریزی میں کوئی قصیدہ اسبابِ خام یا اندر میں ہی کہہ لیں۔ وہ بڑا بھاری انگریز کہہ سکتے ہیں۔ اور وہ فارسی اور دہ سے تا کابل اور کابل انگریزی سے بے بہرہ اس لئے بغیر ماضی دینے سے کام نہ چلے گا۔

فرنگی مرزا بادل خواستہ راضی ہوتے ہیں اور کشمیر پر ماضی پر حاضر ہوتے ہیں۔ دلی زبان سے پوچھتے ہیں " ہیں! سکتے ہیں اور پشواؤں کو نہیں نکلتے " دوست پھر کہتے ہیں " حضرت آہستہ ہوئے۔ دہلی ہم کرش دارو۔ پورا زمانہ بھول چکے۔ اس پشواؤں نہ ہونے کے باعث آپ نے دلی کا لال کی نوکری کہہ دی تھی۔ اب آپ پھر میں باتیں کر بیٹھے تو مکانِ باحتر سے نکل جائے گا " ہذا ہر صورت عقل نہ کوئی ہیں۔ موقع کی نزاکت بھوک چپ چاپ بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں کہ دیکھنے کب اللہ سے بلاوا گئے چچا کی بھی کہتا ہے " صاحب صاحب پتہ پر ہیں۔ اب صاحب میٹنگ میں ہیں۔ اب صاحب وزیر کے پاس ہیں۔ اب صاحب کے پاس ہیں پھوٹے صاحب ہیں۔ اب صاحب عشا ہو چکے ہیں اب مرزا صاحب گھبرا جاتے ہیں۔ مگر زمانے کی ہوا کو پہنچانے لگتے ہیں۔ روز کی دھڑ دھوپ اور گرمی کی آب و ہوائ نے بن نکال دیئے۔ آخر ایک دن دوستوں سے کہتے ہیں کہ ابھی میرے دیوان سے وہ شعر نکال دو۔ اب مجھ میں اس کا ہونا نہیں ہے۔

بندگی میں بھی وہ آدود و خود ہیں ہیں کہ ہسم

آئے پھر آئے ویر کعب اگر دان ہوا

دن رات کی غم و دوا و فریاد ہمسایہ کے بعد مرزا کو ڈھنگ کا لونی میں مکان مل جاتا ہے۔ یہاں آکر مرزا کے جنت سے اشعار آخانی ثابت ہوئے۔ وہ اس قسم کے شعر گنگنا تے رہتے ہیں۔

چٹا آگ رہا ہے درد و دل و ارہ پر سبزہ غالب الخ

یا۔۔۔۔۔ کوئی دیرانی سے دیرانی ہے الخ

باہر نکلتے ہیں تو بڑھتے ہیں۔ دلی خوش ہو اسے راہ کو پھر خار دیکھ کر

شہر میں چسپا ہو گیا کہ مرزا غالب آئے۔ چنانچہ ایک نئی پاکستان مشاعرہ منعقد ہوتا ہے۔ مرزا اس میں دعو ہیں اسرار علی صدر شاعر ہیں۔ ان کے " پی کار۔ اور " مشاعرے کے سرکاری ہیں۔ وہ بار بار ٹیک پر آکر فراتے ہیں کہ جناب صدرا ب آئے ہی دلتے ہیں۔ جناب صدرا ب ایک اہم دفتر کھار ہے ہیں۔ اب ایک خاص " شو " دیکھ لےے ہیں جو ش کے لئے خاص طور پر کلب میں ترتیب دیا گیا ہے " اس دوران میں انہیں مشاعرہ جن میں مختلف کے بی ٹی جیسے میں، میٹروپولیٹن کے حزب اقتدار کے لیڈا اور مجھے کے ٹیبلو

دنیہ و ثانی ہیں، ماضی کی تعریف طبع کے لئے نہیں دیکھا دیکھا دیتے ہیں، جمیادہ بچے کے بعد بچا ایک ایک غلط فہم بند ہوتا ہے، معلوم ہوا۔ کہ صد شاعر و شریف لائے ہیں، لاہ سوٹ پہننے، لائی پڑا ہاضمے، افسر اعلیٰ نہایت بردباری اور وقار کے ساتھ ایسے آئے ہیں، بھیجے  
 نظر کوئی مشرقی بعد شوکت و ناز آتا ہے

یا۔ جنگل کا بادشاہ شہینے نکلی ہے۔ شیر کے جلو میں شیرنی بیش قیمت سادی اور بے اکستین بناؤں پہنے آتی ہے، اور متعدد عورتوں کی  
 دوست صاحبائے سالیان، اس جلو میں خشک ہیں۔ یہ کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ آپ نے اپنی دیر کہاں لگا دی۔ مرزا صاحب  
 درباب نرمانے ہیں اب تو یہ کہنا بھی بیکار ہے۔

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا؟

صاحب صدر کے آتے ہی اگلے صفوں پر بیٹھنے والے اٹھ جاتے ہیں، وہ اور ان کی پوری بیٹھ بستی جو ساتھ آئی تھی  
 صفوں پر پریشان ہو جاتی ہے۔ سو سو روپے والے ان کے پیچھے چلے جاتے ہیں اور پھر بھی خوش ہیں کہ قرب سلطانِ طاہر۔ صاحب  
 بعد خدایا، نایک پر آئے ہیں اور نہایت گرجدار آواز میں بڑیاں انگریزی ایک ٹمفر مقابل بصورت خطبہ صدارت پڑھتے ہیں  
 اس کی کامیابی اخباروں میں پہلے ہی چھاپی ہیں۔ نو نو افراد کا ہجوم ہے، سٹیوں سے ہسٹل گونگ رہا ہے، خطبہ صدارت میں  
 شاعری کو حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ سے وہ مشہور، مشہور، ٹی ایس ایٹ اور دیگر انگریزی شعرا کی پیروی کیا کریں۔ بلکہ آئندہ  
 شاعری بھی ترقی کر کے اسی مقام تک پہنچ سکے جس مقام پر شاعری ہے، نیز یہ کہ شاعری کو آئندہ قوی مفاد کے لئے استعمال کیا  
 جائے۔ شاعروں کا فرض ہے کہ وہ تعمیر ترقی کے موضوعات پر شعر کہیں، اس قسم کے موضوعات تمام ملک میں بکھرے چلے ہیں مشرق  
 و مغرب، بنیادی حیثیت، اگرچہ شاعری کرتا ہے تو ٹیکس پگ چھو، پوٹری قادیانگ اور ذہنی انقلاب ایسے موضوع ہیں۔  
 صدر موصوف نے حکومت کی پالیسی پر بھی چند الفاظ کہے اور تمام کھٹے قانون اور اصلاحوں کو فوش سے دیا کہ تحریر تنقید کا مقصد  
 ملک سے فساد ہی ہے، تعمیر تنقید کی اہمیت ہے لیکن تعمیر کا مفہوم مصلحت حکومت بتاتے ہیں۔

مقدود ختم ہوتا ہے۔ پی۔ آر۔ او صاحب یعنی سکریٹری شاعر اس پر مفروضہ مقامے کی منہ کھولتے کہ بے مفروضہ لوگوں  
 کو بھڑاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس کا اصل مطلب کیا ہے۔ مرزا صاحب سوچتے ہیں کہ دیوان سے یہ شعر خارج کر دینا چاہئے ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میری دل میں ہے

شاعر نے مرزا صاحب سے لفظ شعر چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن نرم سے نرم سے کی آواز میں نکالتے ہیں، مرزا

مصدقہ دلی کا نظریہ کر کے نایک سے ہٹ جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہیں۔

یاد رہے وہ دیکھے ہیں نہ، بکھیں گے مری بات

وہ اور دل ان کو جو نہ تھے جو کہ زبان اور

صداقت ایسے نامساعد ہوتے ہیں کہ بالآخر مرزا کو دن میں دیکھنے میں نوکری کھانا پڑتی ہے۔ شام کو کھانا میں ہائٹ ٹائم

کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ غالب و فیض خواہ ہو دوست یا گودا

وہ دن گئے کہ کچھ تھے تو کہ نہیں پہوں میں

دیوان کی دوبارہ تقریب ہو رہی ہے۔ خطرناک شہر مشق سے  
 غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از بے نفس  
 برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماحم خاشام  
 اب بیکار معلوم ہوتے ہیں لیکن شاعری اب بھی جاری ہے۔ اب جو دیوان نیوز پرنٹ پر شائع ہوا تو لوگ پرے شعر  
 لکھا ہوگا ہے  
 ہمارے شعر میں اب صرف دل ہی کہتا  
 کہہ کر غافلہ عشق ہنریں خاک نہیں

## فتہرِ ہاشمی

# سخنِ فہم

(طغیہ)

ہنڈ کیا کام ہیں اک غالب غمت کے بغیر  
 شعلہٴ خض کی طرح دل میں ہیں اس کی یادیں  
 جہشِ صدائے مرگ غالب  
 عظمتِ مردِ تلذذ تو نہیں ہوسکتی  
 اپنی ہی ذات کا عنوان بنا  
 میرے گھر میں نہیں دیوان کا اک نسخہ بھی  
 دعویٰ یہ ہے مجھے غالب سے بڑی نسبت ہے  
 اس کا ہر شعر ہے "گنجینہٴ معنی کا طلسم"  
 میرا ہر شعر ہے ابہام کے زنداں میں اسیر  
 یہی دونوں کی سیرِ بخت ہے  
 زندگی میں کوئی فن کار اگر کلیہٴ احزاں میں رہے  
 لوگ کہتے ہیں یہی اس کے مقدر میں تھا  
 اور وہ مر جائے تو

ہم پیشہ سید پریش رہیں گے برسوں  
 زندگی میں اُسے حسرت کے مزاروں سے نکال دے گی لیکن  
 اک صدی بعد یہ قوم  
 اُسے آغوشِ لحد سے بھی اٹھا لائی ہے  
 اور غالب ہی سے کہتی ہے کہ تُو  
 - تو اے کہ مجھ کو گستران پیشین  
 مباحثِ منکر غالب کہ در زمانہ قسّت -  
 کاشش اے ترکِ طرح دار  
 پرستار تھے

تیرے آبا کی طرح صرف سپاہی ہوتے  
 قبر پر تیری - اٹھیں شن - ہو کر  
 - گارڈ آف آئز - دیتے  
 شاعروں نے تیرے اشعار کی تضمین سے  
 اپنی ہی سبائی دکان  
 سمجھ چکا ہے کیا  
 ناقدوں نے تیرے اشعار کی تشریح میں  
 ملین پہ لکھا

- سہزادہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دیا  
 یہ زمرہ بھی حریفِ دم افی نہ ہوا -

## عنبرِ حبیب

# غالب سے

(مذہب کے بہرے)

تم ہوتے تو کیا کہتے؟

گرچہ عرش کے آگے منظر بھی

دو میں ہے پروازِ نظر کی

گرچہ عالمِ اسکاں کی وسعت میں

دوسرا نقشِ قدم بھی تھا کا۔

آنکھوں نے دیکھ لیا ہے

لیکن اب تک۔۔

لا اقتدارِ افتادہ دونوں کے در و کی

اندھی گہرائی میں

پائے نگاہِ چارہ گراں بھی پڑ نہ سکا ہے

تم ہوتے تو کیا کہتے؟

نار کہاں جاتا کہ فلک ہی کوئی نہیں ہے

نغمہ نے سے نے سے خفا ہے

لفظ معانی سے جزا دیں

نقشِ پیکروں سے روگرواں

شعلہ طلق کہاں ہے اب تو مرنے سے بچ رہی ہے

راکھ ہی راکھ ہر آفاق نظر آتی ہے

کیا ہو مشاہدہ حق اب تو

بادہ و مسافر کا میلہ بھی بے مہیا ہے

جام سفالیں ٹوٹ چکا ہے دل کی طرح

اوردیہ ریزہ بکھا ہو ہے سلوتِ بیم کی راہِ طرب میں

سے نا جینوں کے اڈے کی ایک قبیہ ہے

شوق کوئی دلال ہے دستِ ہوس گاہک ہے

اور حکم ہے برمِ سلاخیں اولوالامر ہیں

تم ہوتے تو کیا کہتے؟

پہلے ہاتھ قلم ہوتے تھے اب تو زبانیں کٹ جاتی ہیں

شکر کرو کہنا تھا تم نے کہ ڈالا

شکر کرو تم نہیں رہے اور ایک صدی تک تو زندہ ہو

اس کے بعد نہ جانے کیا ہو

شکر کرو کہ لوحِ جہاں پر حرفِ مکتدہ ہونہ سکے تم۔

## شبِ ہمِ رومانی

# سایہ شاخِ گل

ہم پر شورش کا احساں ہے زندگی  
 معنویت میں غالب کا دیوان ہے زندگی  
 زندگی چاند کی طرح کیوں کا سہ شوق ہے؟  
 بھر کیوں بھر ہے کیوں بیابان نہیں؟  
 کیوں بیابان کی جانب جنوں چاک دل چاک داناں پٹا؟  
 کیوں سکوں شہرِ داناں پر قیق عہد کی طرح جرم ہے؟  
 سایہ شاخِ گل ہم کو افسی کے مانند ڈرتا ہے کیوں؟  
 ہم کو رشتی کے مانند کس سے ہے کیوں؟  
 سایہ شاخِ گل — سایہ شاخِ گل — کتنا ہے شاخِ گل؟  
 سایہ شاخِ گل سے معز ہی نہیں؟  
 سایہ شاخِ گل سے معز کیوں نہیں؟  
 ایسا افسی جو خونِ رازِ شہد کے جلتے پراغوں، لپکتے دیاؤں سے کہتا ہے  
 "کم کون ہو؟ — کیوں یہاں آئے ہو؟"  
 — یہ مڑا ہوا ہے — یہ مڑا ہوا ہے —  
 ایسے افسی سے آنکھیں ملاتے ہوئے کیوں پسینہ پسینہ ہے میرا دل؟  
 زہرِ میرا ابھی کدہ پر روشن نہیں —  
 میں جو چاہوں تو خود سایہ شاخِ گل بن کے جھکوں میں ابھی  
 میں جو چاہوں تو افسی کو ڈس کر بھی شاخِ گل کی طرح تو ڈر ڈال دوں  
 میں جو چاہوں تو —  
 لیکن میں چاہوں بھی کیوں؟  
 — اور چاہوں بھی کیا؟

## محض احسانے

# غالب

لے شہنشاہِ سخن، خسروِ تسلیمِ ادب  
 دوش پر اپنی صلیب آپ اٹھا کر نکلا  
 دشتِ ہجراں میں کئی بے پوتاں گدلی  
 عمر چپے ہوئے صحرا میں گذاری تو نے  
 اپنے ہر کرب کی تصویر اتاری تو نے  
 بائی شوقِ خدا آرائی نہ داری تو نے

تو نے خون اُٹھا تو زبانشِ محبوب ہوئی  
 تو اٹھا ہے تو جھکی خود ہی جبینِ عالم  
 تو کہ ساحل کی طرح تشنہ ہے کب رہا  
 تو نے دکھ پھیلے تو کچھ گوہرِ نایاب ملے  
 تو بڑھا ہے تو سدر کئی پایاب ملے  
 تشنگی کو تری دریا کئی سیراب ملے

کتنا ہے نورِ ستا پہلے یہ طربِ عائدِ شعر  
 قامتِ نغمہٗ احساس کو دی غلمتِ در  
 رُوحِ بے تاب نے اظہار کی ماہی پائیں  
 تو نے غلمتِ کدۂ جاں کو اُجالا بخشا  
 منکر کے پیکرِ عریاں کو دوشِ لالہ بخشا  
 ذوقِ گویائی کو اندازِ مژا بخشا

لفظ و معنی کو جلا مل نہ سکی تیرے بعد  
 مستیِ ابر کے بادِ صفِ ہر دشتِ جنوں  
 نالہٗ حرفِ سخن اب بھی وہی ہے کہ جو تھا  
 صرصرِ غم کا چلن اب بھی وہی ہے کہ جو تھا

تمہ کو سنا مشکوۃ بے مہرئی اربابِ وطن

حالِ اربابِ وطن اب بھی وہی ہے کہ جو تھا



## عرفانہ عزیز

# احتسابِ قالب

عصرِ حاضر کے سخن جنم تجھے کہتے ہیں کہ نہیں کوہِ شکن تیشتر افکار ترا!  
یہی طعنہ ہے کہ قالب ہے غرضیے طلب نہر آلودے و جام ہے بکروار ترا!  
پیرے اصنام خیالات نفوذِ ادہام محسوسِ راز نہیں دیدہ بیدار ترا!  
سنگِ تازہ کے عطار یہی کہتے ہیں  
لفظِ سمن ہے فقط نقش بہ دیوار ترا!

تیرا ماحول ہے جموں قصب ہر چہذ مشعلِ فکر جہاں تاب کی تحریر ہے تو!  
تیرا دھماکا ہے سرشتِ معنی کی تڑپ گم شدہ سلسلہٴ فکر کی زنجیر ہے تو!  
دیدہ دہرے وہ خواب ہے اب تک محفلِ دل بیدار کے جن خواب کی تیسیر ہے تو!  
نغمہٴ روح کا انشوں ہے تے شعروں میں  
ہمہ نیرنگ و ہمہ جا دوئے تحریر ہے تو!

تیری عظمت سے رہا محسوسِ فخر قاصر نکتہٴ نکتہٴ قریٰ تحریر کا محبوب ہے!  
تیرے افکار نے اُسے ہیں سماںِ حیات فکر تیری نگہِ وقت سے محبوب ہے!  
خوں بہا ہم سے طلب کرتا ہے دیوانِ ترا مقلدِ دہر میں اندازِ یہ مستوب ہے!  
تیرا عرفان کہی نفاذ کو حاصل نہ ہوا  
شیوۂ نفاذ و نفاذِ خوب بہت خوب ہے!

## ابوالحسن کاشانی

# اعتراف

(۱)

نقد سرا ہے روح میں میری وہ آج بھی  
جو عندلیب گلشنِ تا آفسر بہ ہ تھا  
تھا گرمیِ نشاطِ تحقیق سے نقدِ سخن  
ہر لفظ کو بہنا دیا غمخیزِ گہر  
انفاذ سے طلسمِ معانی کے شکنے  
خلوت کو انجن کے اسایب دیدیئے  
اشاں کو اُس نے محشرِ تنقید کر دیا  
تالیفِ نسخہ ہائے وفا کی ہے اس طرح  
جموعہ خیال کو ترتیب مل گئی  
ترتیبِ شوقِ احسن مکمل کا آئینہ  
یذبہ بھی جیسے فکر کے سارے تھیں دھو گیا

(۲)

حالی نے اس کی فکر سے پریشان کیا تھے  
بختور کے حکیم نے نقد و نظر کے ساتھ  
ناخن کا قرض سب کی طرف سے کیا اما  
دانش وروں نے اس کے مقاماتِ شوق کو  
دیکھا ہے اس طرح کہ تماشا کہیں پہلے  
لیکن میں اس حدی کی مسافت کے بعد بھی  
یہ سوچتا ہوں ذہن کی دولت کے باوجود  
محرم ہے کون اُس کی فواہ سے راز کا  
کہتے محاب آج بھی پروہ ہیں ساز کا  
(۹ فروری ۱۹۶۹ء)

میں عندلیب گلشنِ تا آفسر بہ ہ ہوں  
جو لفظ کو تا لبِ سر سے قضا میں کہتے  
ہم انجن کہتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ  
محرمِ محرم خیال ابھی مسترد و مزور تھا  
ناخن بہ قرضِ اسس غرہِ جسم ہار کا  
ایسا کہاں سے داؤں کو بچا ساجیں ہے  
لالہ درتہ جو محاب ہے پر وہ ہے ساز کا

۱۱) ہوں گرمیِ نشاطِ تحقیق سے نقدِ سخن  
۱۲) غمخیزِ گہر کے اس شکنے کو کہتے  
۱۳) ہے آدھی بجائے جو ایک محشرِ خیال  
۱۴) تا بہت شوقِ وفا کو ردِ محبت میں  
۱۵) کارمل کا دل کہہ ہے نقا ہا کہ ہے ہنر  
۱۶) آئینہ مکمل کا آئینہ کہیں ہے  
۱۷) محرم نہیں ہے تو ہی فواہ سے راز کا

## زہیر کُنجاہی

# نذرانہ عقیدت

تجہ ساسا عرنہ زمانے میں ہوا تیرے بعد  
جو ترے رنگ میں ہونغمہ سرا تیرے بعد

تیری ہر واہ تصور، تیرا اسلوب خیال  
کون کہلا یا تحسین کا خدا تیرے بعد

حسن تاثیر سے خال ہی رہے ہیں یکسر  
نکد و فن، شعر و ادب، صوت و قوا تیرے بعد

منزلِ اہل شعور اب بھی ہے وہاں ویراں  
تجہ سادہ کی گناہ راہ نما تیرے بعد

شاعری، جیسے محاورہ سرمد فن خاموش  
جلوۂ منکریہ پوشش ہوا تیرے بعد

خود کیا تو نے تھا جس حسنِ بیاں کا دعویٰ  
ہاں وہ اندازِ بیاں کھو ہی گیا تیرے بعد

آج ہر رزم میں ادب اب غزل کہتے ہیں  
بس نے دیکھا ہے کوئی شعلہ نوا تیرے بعد

صبا اکبر آبادی

## تضمین غالب

ہے ایک تابش جلوہ سے قدردانی 'شیعہ  
 کسی کے سن سے نکل مٹا نہ خزانہ 'شیعہ  
 شہاب برق تخیل سے ہے جوانی 'شیعہ  
 رُخ نگار سے ہے سوزِ مہاودانی 'شیعہ  
 ہوئی ہے آتشِ گل آسپہ زندگانی 'شیعہ  
 ادا سکوت کی ہے موت سے ہم آغوش  
 سکوت ہی کو سمجھتے ہیں لوگ بے ہوش  
 ثبوت ہستی 'انساں کا ہے سخن کو بخشی  
 زبانِ اہل زبان میں ہے مرگ خاموش  
 یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی 'شیعہ  
 نہ ابتدا سے تعلق نہ انتہا سے ہے کام  
 نہ اپنی مرضی کا آغاز ہے نہ اسِ انجام  
 بیابانِ خاص نہ اس کا سمجھ سکیں گے عوام  
 کرے ہے صرف بایمانہ شعلہ قصہ تمام  
 بطورِ اہلِ فنا ہے مٹا نہ خزانہ 'شیعہ

## زہیر کُنجاہی

# نذرانہ عقیدت

تکھہ سا شاعر نہ زمانے میں ہوا تیرے بعد  
جو ترے رنگ میں ہونفہ سرا تیرے بعد

تیری ہر واہ تصور، تیرا اسلوب خیال  
کون کہلا یا غنیتل کا خدا تیرے بعد

حسن تا تیرے خالی ہی رہے ہیں بکسر  
نکر و فن، شعر و ادب، صوت و نوا تیرے بعد

مثنوی اہل شعور اب بھی ہے دیراں دیراں  
تجہ سادگی کا نہ گیا راہ نہ تیرے بعد

مشاعری، جیسے مجاور سرمد فن خاموش  
جلوۂ فنکریہ پوشش ہوا تیرے بعد

خود کیا تو نے تھا جس حسن بیاں کا دعویٰ  
ہاں وہ انداز بیاں کھو ہی گیا تیرے بعد

آج ہر ہضم میں ادب غزل کہتے ہیں  
بس نے دیکھا ہے کوئی شملہ نوا تیرے بعد

## صبا اکبر آبادی

# تضمینِ غالب

ہے ایک تابشِ جلوہ سے قدر دانی، شمع  
 کسی کے حُسن سے نکل سنا، خوانی، شمع  
 مشابِ برقی تجلی سے ہے جوانی، شمع  
 رُبِ نگار سے ہے سوزِ عبادانی، شمع  
 ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی، شمع  
 ادا سکوت کی ہے موت سے ہم آغوشی  
 سکوت ہی کو سمجھتے ہیں لوگ بے ہوشی  
 غیبتِ ہستی، انساں کا ہے سخی کو ہیشی  
 زبانِ اہلِ نریاں میں ہے مرگ خاموشی  
 یہ بات بزمِ میں روشن ہوئی زبانی، شمع  
 نہ ابتدا سے تعلق نہ انتہا سے ہے کام  
 نہ اپنی مرضی کا آغاز ہے نہ ابِ انجام  
 بیانِ خاص نہ اس کا سمجھ سکیں گے عوام  
 کرے ہے صرف باہمائے شعلہ قصۂ تمام  
 بطورِ اہلِ فنا ہے سنا، خوانی، شمع

خوش آگ میں تیری جلا ہے اے شعلے  
 یہ مرگ اصل میں مرگِ وفا ہے اے شعلے  
 یہ داغِ شمع کے دل میں پڑا ہے اے شعلے  
 غم اس کو حسرت پر روانہ کا ہے اے شعلے  
 ترے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع

اداجِ دل کی پیدا گداز کرتی ہے  
 ملاں دہر سے دل بے نیاز کرتی ہے  
 ترے ہمال پہ ہر چہیز ناز کرتی ہے  
 ترے خیال سے روح اہتراز کرتی ہے

ہر جہلوہ ریزی باد و بد پر فشانِ شمع  
 حسین کیوں ہے یہ اُڑا ہوا دیار نہ پوچھ  
 نغمائے دل کی ادائے شگفتہ کار نہ پوچھ  
 دیئے ہیں داغِ ثوابِ حالِ داغدار نہ پوچھ  
 نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ

شگفتگی ہے شہیدِ گلِ حسنِ شمع  
 یہ خوب روتی ہے سرورِ دیکھ کر مجھ کو  
 حبلائی رہتی ہے از شام تا صبحِ مجھ کو  
 رقیب بن کے نہ کیوں آئے یہ نظرِ مجھ کو  
 جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو

نہ کیوں ہر دم پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

## مرزا غالب

دلی بکھی مرچہ آبڑی  
پھرا آبڑی، پھرا آبڑی  
پھروئی، پھروئی  
بکھی مرچہ آبڑی  
دلی !

دلی بکھی واری آبڑی  
آبڑی مڑ، مڑ وستی  
ٹٹی مڑ، ٹٹی مڑ  
بکھی واری آبڑی  
دلی !

اگر میرے گاؤں کی بات ہوتی  
تو میں ویرث شاہ کے قہقہے سناتا  
ناٹک کی باتیں کرتا  
اگر میرے گاؤں کی بات ہوتی تو میں بتاتا  
میری مادر وطن کے سرسبز خواب  
اب بھی زخمی ہیں

جے میرے پنڈ دی گل ہوندی  
تاں میں وارث شاہ دے قہقہے کرا  
ناٹک دی گل پھو جندا  
جے میرے پنڈ دی گل ہوندی تاں میں دسدا  
میری دھرتی تاں دے شوہے سُٹنے،  
ایسے وی نہ تھی،

اب بھی اُس کے پیروں میں چھالے ہیں  
اب بھی اس کے سینے پر ہندوؤں کے پیرے ہیں  
اس کے اپنے بیٹا،  
سلجھے دودھ کو فاک آلودہ کر رہے ہیں  
اگر میرے گاؤں کی بات ہوتی تو میں بتاتا۔!

ایسے وی اوہدے پیریں چھالے۔  
ایسے وی اوہدے ہکستے ہندوؤں دے پیرے  
اوہدے اپنے پُتر  
ساجھے دودھوں مٹی اُسے ڈوبل رہے ہیں  
جے میرے پنڈ دی گل ہوندی تاں میں دسدا۔!

دلی کی بات میرے گاؤں کی بات نہیں، پھر بھی  
لکھا ہے جیسے یہ میرے ہی گاؤں کی بات ہے

دلی دی گل میرے پنڈ دی گل نہیں وٹ بی  
میںوں رنج لدا اے میرے پتے پنڈ دی گل لے



غالب کی بات وارث شاہ کی بات ہے  
ایک ہی راہ کی بات ہے  
جس سڑک پر جس آج رواں دواں ہیں  
انہی سڑک پر دلی کے ہر ماہر کو چلنا ہے  
سو پرس کی بات کون سی دوسری بات ہے  
یہ تو وقت کے سمندر کی ایک چھوٹی سی ہر ہے  
دلی دلی تو وہ دباؤں مار مار کر رو رہا ہے  
دلی ہنسی تو اسے دنیا روک چکی تھی  
اُس کے آستو

میرے آستو  
ہماری بات کو ایک ہی راہ کی بات ہے  
غالب کی بات وارث شاہ کی بات ہے

غالب دی گل وارث شاہ دی گل ہے  
اکو راہ دی گل ہے  
چوٹی سڑکے آج میں شریا خان  
اوسے سڑکے دلی دے ہر راہی شریا  
سودہ رہیاں دی گل کیہ دور دی گل ہے  
سے دے ساگر دی اک نئی جہی چل ہے  
دلی دلی تہاں اوہ ڈھائیں مار کے رُتا ہے  
دلی ہنسی تہاں اوہنوں جگ رو بیٹھا سی  
اودہ ہے ہنجر  
میرے ہنجر

ساڈی گل تہاں اکو راہ دی گل ہے  
غالب دی گل وارث شاہ دی گل ہے

ہر چند میرے ہاتھ میں مشکستہ ہے  
اوڑ دیوان غالب اس کے سینے پر  
ورق ورق ہنجر گیا ہے

گو میری سوہنی کے دوپٹے کا تارنا راز رہا ہے  
اوس کے بہت نازک کے ہوں پر  
ساغر سم چمک رہا ہے

ہر چند ہماری معاشرت جلا میا ہے  
پھر بھی سروا پہ داری کے زخموں سے دلوں کے جسم  
گل رہے ہیں

میرے گھاؤں کی گھٹیاں  
یا دلی کی گھٹیاں

آؤ! مشترکہ درد کے گیتوں کا پرچم بلند کریں  
خدا کرے میرے گھاؤں کے ہونٹوں پر  
ہمیشہ محبت کے پھول کھلتے رہیں  
اسے دلی! خدا کے قواب بھی نہ اُجڑے

بھانویں میرے ہتھ وچ کُٹی ونبھل  
تے دیوان غالب اوہی جہاں آتے  
دفاقہ رقا بھل گیا ہے

بھانویں میری سوہنی دے بھونچ دیں تہاں آؤ  
بھانویں اوہ دے نازک بہت دے جو بھینس  
زہر دا سپہ سالار چلے

سہانویں ساڈی دستوں وکھرو وکھری  
دست لئی پونجی دا دے کھٹ دوان دی چنڈری  
گال رہے نیں

میرے پنڈ دیاں گھٹیاں  
یاں دلی دیاں گھٹیاں

آؤ سا بھی پڑوے گیس دا مڑ جھنڈا چکے  
شالا میرے پنڈ دے ہونٹوں آتے  
پیداں دے پھل کھڑ دے رہن ہمیشیں  
دلچہ! شالا ہن توں گدی نہ اُجڑیں

# مَحْشَرُ حَيَالٍ

(منتخب مضامین)

## ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری

# محاسن کلام غالب

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری نے "محاسن کلام غالب" - مصنفہ کر غالب شناسی کا ایک ایسا باب لکھا جس کے بعد غالب کی فکر اور فن کے نئے نئے زاویوں سے دیکھنے کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر بجنوری کی بعض آراء خصوصاً اولیٰ کے چند فقرے ہیں جو دراصل غالب کے ہی کے ایک خاصہ رویہ کا عکس ہے۔ بعض ناقدین اولیٰ غالب کو جن جن ہوئے۔ اور پھر دیوانیہ غالب کے "الہامی" ہونے یا نہ ہونے کی آڑ میں بہت کچھ سپرد قلم کیا گیا۔ اور اس متن میں تنقید کی بہت سی سمتیں بھی مشہد ہو گئیں۔ "محاسن کلام غالب" کی تصنیف میں ڈاکٹر بجنوری نے جب بصیرت، احساس حیا اور تبصرہ ملی ہے کام آیا، اس کے مثال اردو ادب میں خالصہ خالصہ نظر آتے ہیں۔ اس کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر افکار کے زیر نظر شمار ہے۔ "محاسن کلام غالب" کا مکمل متن پیش کیا جا رہا ہے۔ متن کو مستند اور معتبر بنانے کے لئے "محاسن کلام غالب" کے تین ایڈیشن پیش نظر رکھے گئے ہیں۔ (ادارہ)

گر شعر و سخن بدہر آئیں، بوردے

دیوان مرا شہرت پر دینا بوردے

غالب اگر ایں فرخ سخن دین بوردے

آں دیم نہ لکڑی کتاب ایسا بوردے

ہندوستان کی ادبی نگاہیں، ادبی، مکتبہ دیوار دیوان غالب۔

روح سے قوت تک مشکل سے سوسٹے ہیں لیکن کیا ہے جو یہاں حاضر نہیں، لیکن سانس ہے جو اس زندگی کے ستاروں میں یہ لریا خواہیہ موجود نہیں ہے شاعری کو اکثر شعرا نے اپنی اپنی ہر نگاہ کے مطابق حقیقت اور مجاز، جذبہ اور وجدان، ذوق اور تخیل کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔ مگر تقسیم خود ہی کی ناری کی دلیل ہے شاعری انکس فنِ حیات ہے جس طرح زندگی اپنی خود میں محدود نہیں شاعری بھی اپنے اظہار میں ناقص ہے۔

جالِ اپنی ہر شے میں روٹا ہوتا ہے۔ آخر زندگی قدرت جو صفات ہادی میں سے ہے شاعر کو بھی ارزا لے گی کہی ہے جہاں طائر کا رخا، انداز کی میں پو شیدہ شمسِ آفریں میں مصروف ہیں شاعر کے کام اعلیٰ اعلیٰ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے مرزا کو ایک رب النوع تسلیم کرنا لازم آتا ہے، غالب نے بزمِ حسن میں جو فالوؤں خیال و دلیں کیا ہے کوئی سادہ پیکر تصویر ہے جیسا کہ کافری پیرا میں ”پر مثالِ زاریت قطع کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔“

## (۲)

اگر ادبی حیثیت سے غور کیا جائے تو دیوانِ غالب دیکھا ہے، بلاغت یعنی تکلیف، الفاظ کا اختلاف معنی اس سے زیادہ محال ہے کہیں کوئی ایک نقطہ بھی ایسا نہیں جس کو ترک کرنا ہمارے قصاصت کی یہ کیفیت ہے گویا دریائے لطافت روئی ہے اگر وہ طبع کی رو سے لیا گیا ہمارے تو یہ کتاب اپنا آپ جواب ہے شعری دنیا و عرض پر گامِ نغمہ نے عرضِ مرزا نہایت کی میزان میں الفاظ کے نقطہ کا نام ہے۔ نقطہ تعمیر کو پانے کے لئے صد ہا نازک سے نازک اور گریں سے گراں گوازیں سے کام لیا جاتا ہے اور یہ وزنِ شاعری نے موسیقار سے مستعار لئے ہیں کوئی آسان سے آسان اور مشکل سے مشکل بمسرتی نہیں جس میں مرزا نے کلامِ موزوں نہ کیا ہو جہاں ان کے ہاں وہ بحر میں جو غلط مستقیم سے مسائل میں وہ بحر میں بھی ہیں جن کی صورت از روئے اقلیدس خطوطِ خطی اور دائرہ کے مشابہ ہے، جہاں روئی بحر میں موجود ہیں وہیں آفتاب و قمر ہیں بحر میں خلا:

نہتے ہیں نہ دیں گے ہم دل اکر پڑا پایا  
دل کہاں گم کیجے ہم نے مدعا پایا

کار کا بہ ہستی میں لالہ دارغِ سامان ہے  
برقِ خرمینِ راحتِ خوں گرم دہقان ہے

آ کہ مری صبا ان کو قرار نہیں ہے  
طاقتِ بیجا و استغفار نہیں ہے

محبِ نشاط سے جود کے پلے ہیں ہم آگے  
کہنے ساری سے سزاؤں سے ہے وہ قدم آگے

بہت سے شعرا میں اس قدر شمول میں عروض کو شعر کی تکمیل کے لئے کافی خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ عروض کا مدد اس موسیقی کی طرف سامع کو رہنما کرتا ہے جو غالب شعر کو اپنے عروض سے زندہ کرتی ہے۔ اگر شعر از روئے مقامی علی غامیلی مقامی درست ہو لیکن آہنگ تشدد رہ جائے تو خام ہے۔ جیسا شعر میں ایک آئینہ کے سہے جو گھر کے سالم اور درست یا پرگٹھنیک صیف سے محروم ہے۔

مرزا غالب کے لئے شاعری موسیقی اور موسیقی شاعری ہے یہی باعث ہے کہ دیوان کا ہر مصرعہ تکرار باب نظر آتا ہے اور اس رمل میں فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن ایک جگہ تکمیل کر کے الفافہ نہایت آسانی سے اس کا جامہ قبول کر لیتے ہیں۔ شعر کے امداد اکثر اس کو کام میں لاتے ہیں لیکن عجیب اس میں یہ ہے کہ مصرعوں میں رقص مولیٰ کم پیدا ہوتا ہے مثلاً یہ فارسی کا شعر ہے

ہر کو خواہد گوہیسا و ہر کو خواہد گوہر

گہر و دایرہ چپ و دریاں قدس و دریاں

جو اصل ترکیب کی بیش بہا مثال ہے باوجود اس تاوی کاوش و کاوش کے معیار یہ نہیں ہوا اس کے مقابلے میں یہ تراشہ بڑھ کر ملاحظہ ہو۔

ہم نہیں مت کہہ کہ ہر ہم کہ نہ ہر ہم بیش دوست

ہاں تو میرے نامے کو کسی اعتبار نہ ہے

غالب کے شعر کی یہ موسیقی کی غوی جلا امداد سار و ترنم کے ترنم سے دریافت ہو سکتی ہے۔

(۳)

تاریخ ادبیات میں مغلوب ہو کر ایشیائی ایسے مرعوب ہو گئے ہیں کہ اپنے ہر فعل و خیال کا موازنہ مغربی اقوال و کلمات کرتے گئے ہیں یہ وہ غلامی ہے جس کی زنجیروں کو تنہا رہی نہیں کٹ سکتی پس کیا تعجب ہے اگر اس یورپ نفی کے زمانے میں غالب علم اور انگریزی تسلیم یافتہ مرزا غالب کا ٹیگ ہے SHAKESPEARE، ویلس ورحمہ WARD WORTH، ٹینیسن TENNYSON سے مقابلہ کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں انھوں نے کوتاہ نظر یہ نہیں جانتے کہ شاعری اور تنقید پر کیا ناوانسنہ کلم ہو چکے۔

صلاح الدین طرا بخت نے غالب کا مقابلہ ہائنرش ہائن (HAINRICH HEINE) المانی شاعر سے کیا ہے، کہاں ہائنرش ہائی ہے، بعض معنی جو معنی وادھت کے مضامین بصورت قطعات انشرونگ کے ساتھ بیان کر کے خاموش ہو جاتا ہے۔ کہاں غالب جو دنیا کو اطلس کی مثال اپنے شانوں پر اٹھائے ہوئے ہے اس میں کا سرود سیارہ، سیارہ جو تاجروں فلک الافلاک تک پہنچاتا ہے۔

مرزا غالب کا صحیح اندازہ قائم کرنا خود ایک بلند پایہ شاعری کا کام تھا۔ اقبال نے کیا کہا ہے

آہ تو ابرہہ سے ملتی ہیں آما سید ہے

کھینچ دیکر میں تیرا ہم نوا خواہمیدہ ہے

وہاں میں اگر کسی شاعر نے نقاب کا مقابلہ ہو سکتا ہے تو وہ شعرا اعلیٰ کا سربراہ یوٹا ولف گاٹک ہاں گوٹے لونی

ہو گئے۔ JOHANN WOLFGANG VON GOETHE ہے۔

نقاب اور گوٹے (GOETHE) کا وہاں کی جتنی انسانی تصور کی آخری حدود کا پتہ دیتی ہے شاعر کا وہاں پر قائم ہو

گیا ہے۔ عین اور جہد حیات، حقیقت اور نواز قدرت اور حیات کی کثرت ان کے دماغ میں وحدت میں منتقل ہو کر وجود پاتی ہے وہاں خلیق کئی کے شہنشاہ ہیں۔ بہترین تعلیم، تربیت فطرت کوئی زندگی کا ایسا پہلو نہیں جس پر دونوں کا اثر نہ پڑا ہو۔

گوٹے کو خود اپنے زمانے میں شہرت حاصل ہوئی۔ نقاب ان اہل کمال میں ہیں جن کو یقینے دوام کے کشور میں داخل ہونے کے لئے موت کے دروازے سے گزرنا پڑتا ہے گوٹے کا کلام متعدد جلدوں میں ہے، نقاب کا وہاں علاوہ قصائد اور باہیات ۸۵۵ غزلوں کے ہیں، ایک ہزار چار سو چوبیس اشعار ہیں کیا وہ نہیں۔

گوٹے کا کلام توں اور مکی ترقی کا باعث ہو چکا ہے اور اپنا خاص منہ پورا کر چکا، نقاب کا کلام آپ مقبول ہوا ہے اور آئندہ نسلی اس امر کا سوا ذرا نہیں گی کہ ان کی ترقی میں نقاب کے کلام کا جزو و محکم کہاں تک مدد و معاون ہوا ہے۔

گوٹے کی نگاہ اشیاء کے خارجی پہلو سے گزر کر داخل کیفیت تک پہنچتی ہے، نقاب کی فکر اندرونی کیفیت کے مشابہ سے بیرونی کیفیت کا قیاس کرتی ہے گویا نقاب گوٹے سے کہہ سکتے ہیں۔

WARHEIT SUCHEN WIR BEIDEN, DU AUSSEN  
IM LEBEN ICH INNEN INDEM HERZEN—  
UND SINDET SIE EIN JEDER GEWISS—

(۳)

زبان ارضی ہے اور شعرا ان خیالات سماوی ہیں ان دونوں کو وصل دینا گویا لطیف روح اور مکرر مارتہ سے جسم تیار کرنا ہے شعرا گو تا سید مرعش ہیں نیکی ان میں ہے بھی قدرت نہیں کہ اپنے خیالات کا کامل اظہار کر سکیں۔ جو خیالات دل میں موجزن ہوتے ہیں وہ اصل لطافت کے بہت کچھ ضائع ہوئے بغیر دوسے خیال سے روئے قرقاں تک نہیں آتے۔

اقبال نے اس احساس کو یوں بیان کیا ہے۔

زندگانی ہے مری شہل رباب خاموش  
میں کے ہر رنگ کے فنون سے ہر آفرین  
برہن کوں دکان میں کی خوشی پہ نثار  
جس کے ہر تار میں ہیں سیکڑوں فنون کے خزار

محشر مستان نرا کاجہا میں جس کا سکوت  
اور محشر متہ پہلے نہ تھی جس کا سکوت  
اکہ امید صیت کی ہم آئی نہ بھی  
چوٹ اس سارے مغرب کی کھائی نہ بھی

غالب کی مشاعری کے جسم پر زبان کا جامہ اسی وجہ سے تلخ ہے یہاں تک کہ میں ہنر سے چاک ہو گیا ہے اور عریان چٹک افسوس نظر آتا ہے۔

چونکہ مرزا غالب کا موضوع کلام بیشتر فلسفہ ہے یہ مشکل اور بھی زیادہ ہو گئی ہے فلسفہ چیز ہی ایسا ہے۔  
فلابیر (FLAUBERT) فرانسیسی ناول نگار کا قول ہے :-

• جب میں کانت (KANT) اور ہیگل (HEGEL) کو

مطالعے کے لئے اٹھا تو مجھ کو سر میں درد ہونے لگا ہے :-

یہی واقعہ ہے کہ

مشکل ہے زہن کلام میرا اے دل  
سُن جس کے پیسے سن فوجان کامل  
آسان کہنے کی کہتے ہیں فرمائش  
گویم مشکل و گرد گویم مشکل

زبان غالب میں ایسے اختصار ہیں جس کا مفہوم پانے سے ذہن مطلقاً قاصر ہے عقل عرض امکان میں ہر جانب پہنچنے بعد مجھوں رہا ہے آجائے گویا ایک دائرہ ہے جس سے گریز ناممکن ہے بہت سے نقاد اس کو کیف شراب بہ محمول کرتے ہیں ایسا نہیں ہے۔ گوئٹے کے اہل قریب کلام ہرچ فلڈسٹ (FAUST) حصہ دوم میں ہے یہی اعتراض ہر جانب سے کیا گیا تھا ایک دن ایکرمان (ECKERMANN) نے گوئٹے (GOETHE) سے دریافت کیا کہ اس مشکل کا کیا باعث ہے؟

گوئٹے جواب دیا یہی تاریکی ہی تھی جس پر لوگ فرطت میں لوگ اس مقامات پر لاجل مسائل کی شکل نمود کرتے ہیں اور اپنی تالیفات سے نہیں انکرتے۔ انسانی طلب کی انتہا تھی کہ اگر کس فعل سے حیرت پیدا ہو تو وہ کمال فن ہے اور اس علت پر اعتراض نہ کرنا چاہیے کہ اس کے پس پشت کیا ہے۔ لیکن بچے جب آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر حیران ہوتے ہیں تو ناول کے پشت آئینہ کو بھی دیکھنے لگتے ہیں۔

(۵)

نون الخبز میں کوش نگاری کوئی قصیر سے سب سے زیادہ مشابہت ہے۔ الفاظ 'وہ خشت دلی محبوب و آہن ہر رنگ' اوبلیت کی علامت عبارت ہوئی ہے۔ میر حسن دہلوی کی طرح لطافتی شاعر ارسلو (ARISTO) نے اپنے دلیوں میں جب جلی کار آئینہ بننا منور اور ہر عشرت محلات تیار کیے ہیں۔ کس سے اس سے دریافت کیا کہ غریب کا شانہ انشیں شاعر نے یہ ساز و سامان کہاں

سے پایا اسٹون نے جراب ویلفنگٹوننگ وٹھت سے اڈاں ہیں۔

یہی مہرزاغالب کے الفاظ معلوم ہو چکے ہیں۔ مہرزاغالب اس بات سے خوب واقف ہیں کہ مہرزا کا کوئی موصوفیہ ان کے طلب کی سہولت کی فرض سے وضع کر دیا ہے۔ ورنہ ایک مضمون کے دو اضافہ کسی زبان میں نہیں کیا جاسکتے۔ سب سے پہلے یہی ہم سمجھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی عارضی خبر یا غرضی میں بھی ایک کلمہ اضافی مضمون ہے۔ مہرزاغالب کے نزدیک سے بڑا فرق کو خوب جانتے ہیں۔ مہرزاغالب (LAWSON) کی طرح عقیدہ (PROPOSE) کے پابند اور فاضل ہیں۔ مہرزاغالب کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ مہرزا نے ایک لفظ کو جہاں تک ہو سکا دوبارہ استعمال نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کی طرح نہیں ہے کہ وہ کسی لفظ کی تکرار نہیں کرتا بلکہ یہ ہے کہ وہ کسی خیال کا اظہار نہیں کرتا۔

زبان درنگا کی پابندی کا خلاف ہے جان نہیں بلکہ زمرہ میں جو منطق کے قواعد تبدیل ہیں انکی تصورات سمجھ کر وقت تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور جو کہ تصور کے زبان سے اوپر نہ گئے کا نام ہی لفظ ہے۔ الفاظ میں تفسیر کا قاعدہ رکھتے ہیں مگر یہ تصور عہد بہ عہد نہ ہوتا ہے تو زبان کہیں اور پار نہ ہو جائے زبان کی تفسیر میں یا تو اصلاح سے آسانی نہیں جس طرح رواں رہی غالب آنا مشکل ہے عمار و کاش کا بھی مشکل ہے بہت سے ارب اس نکتے سے غافل ہیں کہ خوب سے خوب محاورہ پہلے عمر آخر ضعیف ہو کر رہے جان جو جائیداد میں اس وقت بہت سے عمارات ہیں جو حقیقت میں الفاظ اور لغات کی سیماں ہیں۔ مرزا نے اپنے دور میں محاورے کی بندش سے اکثر اعتراض کیا ہے تمام دیوان میں مشکل سے دس اشعار ایسے ہیں جن میں کوئی محاورہ بندھا ہے۔ مرزا کی شاعری دلی کی گلیوں یا کھوکھو کے کوچوں کی پابندی نہیں بلکہ آزاد اردو زبان سے جب مرزا نے اپنے فلسفیانہ خیالات کے لئے محاوروں الفاظ کی تلاش کی تو اردو کھوکھو یا الفاظ بہت محدود پایا۔ انکی قاصدہ ہے کہ جہاں نیا خیال پیدا ہوتا ہے وہاں نیا لفظ و کلمہ پیدا ہونا ہے ہر زبان اپنا جنم خود جڑ لاتی ہے۔ مرزا کے خیالات نے اپنے اظہار کے لئے خود الفاظ تیار کر لئے بلکہ وقت سے مرزا کی مشکل پسند طبیعت کے لئے کام کو زیادہ آسانی کر دیا الفاظ سازی کے فن میں مرزا اجتہاد کامل کا درجہ رکھتے ہیں چنانچہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وہم شنیدن، اخبار سوم، اتالی خاموش، جوہر شریف، نگارنگ، شہستان، دریا کے، ہم لوگ، قریب، غرق، نگارنگ  
خاندان، زلف، انجمن، جوانی، بچہ، ونوج، دریا، موج، نگارنگ، نبض، حس، تشہ، فریاد، غلوط، خاموش، سید، زہام، جست، نموداری  
ساحل، شہر، رنگ، موج، نگارنگ، انجمن، زلف، نگارنگ، خیال، بزرگ، اوراک، طالع، خاک، نگارنگ، آئینہ، اشعار، مجلس، جوہر، زلف، سنگ، گرو، شہر  
رنگ، افشردی، نگارنگ، شہر، آرزو، محرو، سنگ، دریا، آتش، محشر، خیال، مرکان، سوزن، مرکان، سیم، نگارنگ، سنگ، عظمت  
معاش، جنون، دوام، تنہا، دریا، بیتابی، دولوی، خیال، سیاست، دریا، نیو، نگارنگ، دوام، فلسفہ، سچ، و تاب، بے، تاب، تاب، آفت،  
ہمت، نگارنگ، فرود، س، گوش، کاسہ، دریا، نگارنگ، شہستان، شہر، شہر، آتش، مرکان، بزرگ، دریا، بزرگ، فرود، دولوی، خیال  
تکرم، خون، ہزار، وحشت، شہر، آفت، بچہ، خیال، دعوت، مرکان۔

ابن الخفاص کی حدیث آشکار اور غریباں ظاہر ہیں۔ بہت سے نکات ضرور قابل بیان ہیں لیکن ان کی اس تمہید میں جتنی غرض ضرور ہے اس کا اجمالاً (MICHAEL ANGEL) کا قول ہے کہ:

مجموعہ سادہ و سادہ کو مرمر تراش کر نہیں بنانا بلکہ حقیقت میں محبت ایشیا



ہی سے سنگ سفید میں موجود اور جلورہ نرائی کا مظہر اور حقائق پر تا  
ہے۔ استعارہ کامل محض چمک رکھائی چاند کو علیحدہ کر دیتا ہے۔

یہی حالت مرزا کے ساتھ الفاظ کی ہے وہ ساختہ نہیں بلکہ ورہیل (WRITING) کی مثال آفریغہ ہے۔

عربی و فارسی نے بعض اوقات قواعد کے خلاف زبان نکلی ہے۔ اس کے متعلق سید فضل الحسن صریحاً  
علی حیدر علیا لکھتے ہیں: مناسب اور معقول اعتراضات کے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ قواعد منطق کا خارجی پہلو ہے اور  
شاعری منطق کے آزاد ہے علم انوار کا تقریر اور تحریر میں سخت پید کرنا ہے کام میں لطافت پیدا کرنا نہیں اس لئے  
بعض اوقات خارج کو اپنے جذبات کے کامل انبساط کے لئے قیود سے آزادی حاصل کرنا ضروری ہے۔

قانون لطیفہ میں موسیقی و معنوی کی تحصیل کے لئے علم الاموات اور علم الاولیاء کا جانا لازمی ہے لیکن گاہ نگاہ  
ایک جیسا اکثر نفس مفتی اور مالی کلمہ صریحاً ہوتا ہے۔ جو بلا تعلیم اپنے زمانے کا مجتہد ہو رہا ہے۔ بعینہً کہیں کہیں ایک جیسا  
میں غریبی دنیا میں آتا ہے جو نظریات اور قواعد زبان کے آزاد اور صرف روح القدس کا ترجمان ہو رہا ہے۔

شیکسپیر (SHAKESPEARE) اور غالب کا کام قواعد زبان کی پابندی نہیں ہے۔ قواعد زبان کا کام ہے کہ ان  
کی پابندی کرے یا ان کی خلاف ورزی کرے اس میں خاص خیر بات کا اضافہ کرے۔

(۶)

جہاں مرزا نے الفاظ میں نادر اور شہ نصیحتات اور استعارات میں بھی کام پایا ہے۔ وہیں شکیبائی اور استعارات میں بھی کام پایا ہے  
سے گزرتے کیلئے تشبیہات اور استعارات کی بنیاد قیاس پر قائم ہے۔ تشبیہ یا استعارہ کا پہلا کام معنی آفرینی ہے کسی اور کو  
کتابی واضح بیان کیا جائے وہیں مفہوم کے پائے سے قاصر رہتا ہے لیکن ایک مثال کا کام دے جاتی ہے بہت سے شاعر  
اور غریب اشعار میں جوتے ہیں ایک مقابل شعری معنیوں کو آئینہ بناتے ہیں۔ تشبیہ یا استعارہ کا دوسرا کام حس آفرینی  
سے تشبیہات اور استعارات شعری نظم کے یونٹوں کو ان ہیں جن کی آمیزش بغیر تصویر اور تکمیل حیات کو نہیں دے سکتی  
اور بے رنگ رہ جاتی ہے۔ تشبیہ یا استعارہ کا تیسرا کام اختصار اور بلاغت ہے۔ جرات و دلالتوں میں آواہ جاتی ہے  
دوسری طرف وہ طوطیوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔

اور دوسری طرف میں جو تشبیہات اور استعارات کو ہم میں اور جو دور دور پہنچتے ہیں ان کو اصول مسلک خیال کیا جاتا ہے  
اور شعریات میں ہل برابر تھکا کر آگے خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ قبل مرزا کا حال معشوق کی صورت کو چاند سورج یا ہفت  
سے آٹھ کو دیکھنا یا میاں سے، ہر کوئی کو دیکھنا یا میاں سے، ہر کوئی کو دیکھنا یا میاں سے، ہر کوئی کو دیکھنا یا میاں سے،  
مگر کوئی سے اور دونوں کو ہم سے مثلاً قرآن وینا مخصوص اور قائم ہو گیا ہے۔

مرزا نے خود کو اس سنگ دائرہ میں مقید نہیں کیا جس طرح ہر زمانے کی تصویریں کارنگ و رنگی بنیاد پر تھکتی ہیں۔  
یہ تقاضا کے وقت لازمی ہے۔ ہر زمانے کے تشبیہات اور استعارات کا ہونا بھی ضروری ہے۔

صاحب نظر ایک نگاہ میں محض رنگ سے ہٹا سکتے ہیں کہ تصویر ہمارے عہد و اہل سے، ہندوستان کے

صدا صحتاً سے 'یا فرنگ کے قرون وسطیٰ سے 'یا اطالیہ کے زمانہ احیاء سے متعلق ہے۔ ہر عہد کے مصوٰدا پانچ رنگ بھی اپنے ہمراہ لے لے جی۔ ططیان (TITIAN) کے رنگوں میں بھی وہی سکون ہے جو اس کے جنبش پر منور نظم میں ہے۔ اور گائیگین (GAUIGIN) کے رنگوں میں بھی وہی بہجوان ہے جو ارتعاش اس کے تخیل میں ہے۔ مرثانے ٹرو آفرجہ تصنیفات اور استبداد کا اس بے حلف انداز سے استہلال کیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے، گویا یہ ہمیشہ سے ہماری زبان میں موجود تھے اور جلا دار کے سنے ہوئے ہیں۔

دیکھنا تعصیر کی لذت کہ جو اس نے کہتا

میں نے یہ جانا کہ شاید یہ بھی میرے دل میں ہے

چنانچہ کسی خوبی سے مونس آتش دیدہ کو زنجیر سے لوند ہائے تسبیح کو صد دل عشاق سے، خاد بھنوں کو گرد بے سفاہ سے، پہلو کو حلقے پائے غزل سے، جوہر آئینہ کو طوطی بمل سے، حضرت یعقوب کی تابنا آکھوں کو درون دیوار زمانہ سے، دست سے تمام موج کو حلقہ سر کام نرنگ سے، شکارنگ یاس کو ریشم سوزن سے، ہر نظر خون تن کو گلشن نام عشاق سے، سر راگوں میں کے عرق الغلال سے، سرور کو دودھ لٹا آواز سے، تار کو گرجا سیارہ کی صدا سے، ایسے وطن کو خستہ و دغان فدا سے، موتے شیش کو دیدہ سا غری مرگان سے، آئینہ کو درپ سے، صوبہ شرب کو مرفا خواہناک سے، ساغر کو تاج دست غیاں سے، عیاش بیان کیا ہے۔

مولانا شبلی نے منائے اور چائے کے متعلق بحث کرتے ہوئے کہا کہ اس کا بیخو شاعروں کے لئے کوہ کنواریوں کا دروازہ دہلی سے لیا رہا جس کلام میں جس قدر منائے اور بدائع کے استعمال کی زیادتی ہوگی اتنا ہی کلام حقیقت سے بعید اور تصنیف سے قریب ہوگا۔ خاموش اور کم مطلب اشعار بعض آرائش کے قواعد سے گویا اور پر معنی نہیں ہیں، کتنے میں کلام کا پابند نہیں ہے بلکہ پیر قیود سے آزاد ہے۔ "مارکوول پیٹو" کے قواعد مصوٰدا کی کی رو سے عورت کا بدن تصویر کے خاکے میں تلک خط معنی کو ایک دو اور تین میں حسابی قاعدہ سے ضرب دینے سے قائم ہوتا ہے۔ بھلا کہیں بے حاش لکیریں شوائی جسم کی مشریت کو وجود میں لاسکتی ہیں۔ مین تصویر نگار مختلف رنگوں میں مختلف معنی بیان کرتے ہیں۔ انظاروں کے پیر دیکھتے ہیں: من روع میں ہے۔ ارسطو کے متبعین مخالفت کرتے ہیں کہ جسم میں ہے۔ لیکن در حقیقت نہ چکر مشرق میں کوئی معین خطوط ہیں، دیکھی رنگ میں کوئی خاص مناسبت ہے۔ قول در روع سے متعلق ہے نہ جسم کے محدود ہے۔ من من میں ہے جس کی آفرینش شعواء کا کام اور راز ہے۔ میں طرح تقلید میں خطوط سے خوب صورت سرا نہیں بن سکتا۔ منائے اور چائے سے خوب کلام ترتیب نہیں پا سکتا قابل عزت ہیں وہ تمام خطا رہنوں نے علم منائے اور چائے کو فرد سے لیا ہے۔ لیکن اگر ان کی تمام کتابیں جلا دی جائیں تو شعواء کا ذرا سا بھی نقصان نہیں۔

منائے اور چائے کے استدلال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمیت میں آمد نہیں ہے۔ منائے اور چائے کا استعمال کلام کو عام ادبی زندگی سے جدا کر دیتا ہے۔ اور میں زمانے میں منائے اور چائے کا عام رواج ہو وہ زمانہ اقوام کے انحطاط اور زوال کا ہوتا ہے۔ غالب بہت کم منائے اور چائے کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کے

کلام کے اشکال کا باعث فارسیت کا ظہور، الفاظ کا ادق ہونا اور ترنمِ کلام کا پس و پیش ہونا ہے۔ اس کا نتیجہ کلام کی مشکلات کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔

لیکن ایک خصوصیت اس کے کلام میں ایسا ہے جس کی مثال کسی دوسرے شاعر کے کلام میں موجود نہیں ہے۔ جس طرح سفید رنگ میں تمام آفتابِ اراکینِ مظهر ہیں، اسی کے بعض اشعار کی سادگی میں عجیب و غریب لطیف معنی پناہ ہیں۔ جیسے کوئیس نے امریکہ کو دریافت کیا تھا مولانا حالی نے مرزا غالب کے کلام میں اس نئی دنیا کا پتہ لگا دیا ہے اور حقیقت میں مولانا حالی مرزا غالب سے کہہ کم مستحقِ داد نہیں ہیں :

(۵)

کوئی ویرانی میں ویرانی ہے

دشت کو دشت کے گھر ڈال آیا

جہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ دشت اس قدر ویران ہے کہ دشت سے گھریا دیا گیا ہے، وہیں یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم تو گھر میں کھینچتے تھے کہ ایسی ویرانی کہیں نہ ہوگی لیکن دشت بھی اتنا ویران ہے کہ اس کے دیے گئے سے گھر کی ویرانی پا دیتی ہے۔

(۶)

کون ہوتا ہے مریدِ سائے مردانِ عشق

بے سکر نہ لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

اس شعر کے ظاہر میں یہ ہیں کہ میرے مرید کے بعد شرابِ عشق کا کوئی طریقہ نہیں، اور ساقی میرا مشفق کو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لطیف معنی یہ پناہ ہیں کہ ساقی میرے اولیٰ کو سکر پڑھتا ہے، ایک دھڑلے کے لیے میں، یعنی کوئی ہے جوئے مردانِ کاسرین ہو۔ پھر جب اس کی آواز پر کوئی نہیں آتا تو اسی مصرعے کو بار بار صلا دیتا ہے، یعنی کوئی نہیں۔

(۷)

کیوں کہ اس بیت سے رکھوں جانِ حسرتِ

کیا نہیں ہے بلکہ اکھٹاں حسرتِ

اس کے ظاہر میں یہ ہیں کہ اگر میں اس سے جانِ عزیز رکھوں گا تو وہ ایمان لے آئے گا۔ اس لئے جان کو عزیز نہیں رکھتا، اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس بیت پر جان قربان کرنا تو عین ایمان ہے۔ پھر اس سے جان کیوں کہ عزیز رکھی جاسکتی ہے۔

(۸)

تو سے سروِ قیامت سے اک بعدِ آدم

قیامت کے فتنے کو کم دیکھے ہیں

اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تیرے سرو قیامت سے فتنہ قیامت کم ہے۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم کو  
عیرا قیامت میں سے ہٹا دیا گیا ہے اس لئے وہ ایک قیامت کم ہو گیا ہے۔

(۵)

سراڑا نے کے جو دوسرے کو مکرڑہ چھا

ہند کے ہونے کے تیرے سر کا قسم ہے ہم کو

اس جملے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ تیرے سر کا قسم ہم ہندو سراڑا نہیں لگے، دوسرے یہ کہ ہم کو تیرے سر  
کی قسم ہے یعنی ہم تیرا سر رکھیں نہ اڑا نہیں لگے۔

(۶)

الجنتہ جو تم اتر دیجئے ہو آئینہ

جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیوں کر ہو

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک مزاج شہر میں اور ہوں تو شہر کا کیا حال ہو اور دوسرے  
معنی یہ ہیں کہ جب تم کو اپنے عکس کا بے اپنی مانند ہونا گوارا نہیں تو شہر میں اگر فی الواقع تم جیسے ایک دوسرے موجود  
ہوں تو تم کیا قیامت بردہ کر۔

(۷)

بعض کا خیال ہے کہ مشاعری مصوری ہے۔ اس پہلو سے بھی دیوان غائب مدیم مثال ہے۔ ہر دوق ہر  
لیکھا شمار موجود ہیں، میں کو صوفی قریاس سے جائز تصویر پر منتقل کیا جاسکتا ہے۔

شعر کے تصویر پر یہ ترجیح ہے کہ تصویر ساکن اور شعر متحرک ہے۔ تصویر اپنے قائم کردہ انداز کو نہیں بدلی سکتی۔  
شعر ایک کیفیت کی مختلف حرکات کو ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ تصویر وقت حیات پر ایک نقطہ ہے۔ شعر ایک دائرہ ہے  
میں وحشی کے تمام معاملات کو مرزا نے اس معنی سے نظم کیا ہے کہ ہر وہ تصویر نگاہوں میں پہنچاتی ہے اس کے  
لئے صرف زبان پر قدرت ہونا کافی نہیں بلکہ فطرت کا بڑھنگتہ دل ہونا ضروری ہے کیا غروب زندگی کی رد و سرو تصویر میں ہیں۔  
مشابہت ہیں۔

(۸)

غنیہ ہشت گشتہ کہ دور سے مت دکھا کیوں

یوسہ کو پہنچتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کیوں

نصرت گوش لکھتے ہوئے ہی اقل ذہنوں اور ب مرعان کا فائدہ سمجھتا ہے۔ پھر مستحق کی گواہی اور پانچ سرفی سے  
ان میں تجتم کارنگ بھرتا ہے پھر رد خانی میں مشغول ہوتا ہے اور شریعت کی تحریر اور قسط کی تکریم نہیں بھولتا پھر گردن کے  
انگو اور سینے کے اجمار کے خطوط کی کشش سے پکیر تیار کرتا ہے اور اس پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ دست حافی میں چمچ رہا ہے وہ

بھی اندھ میں غریبے میں دہرہ آگوشوں سے اس کو بھی دکھاتا ہے۔

کہیں کہیں دوزخ و تصاویر کا دوسرا رخ دکھایا ہے یعنی واقعات حقیقت اور قدرت کے مطابق ہیں لیکن افسردہ اور عادات کے خلاف ہیں مثلاً،

(۶)

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے  
صاحب کو دل نہ دینے پہ گنت غرور تھا

وہ ضم جو عشق کو جنوں کہتا تھا جو حس کے اڑکا منگر تھا۔ اور ہر عاشق و معشوق سے دم کرتا تھا اپنے حوالے کو یک  
بلوسے کیسا حیران ہے یار کما آئینہ کی جانب سے پروا بٹاش، بڑھنے اپنی صورت سے دوچار ہوئے اور حُرگس کی طرح  
تیر عشق کا نشانہ ہو کر بے اختیار چو کہے گئے ہتھ کا کیا ماریاں قفس ہے،

(۷)

آج وہاں تیغ و کفن ہانڈے ہوئے جاتا ہوں میں  
ہڈیر سے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

(۸)

لے توؤں سوتے میں اُن کے پاؤں کا دوسرا  
ابھی باقوں سے وہ کاسنہ بدگماں ہو جائے گا

یادِ نحو خوب ہے اور عاشق پاؤں کے لئے جھکتا چاہتا ہے، لیکن اس خیال سے کہ ممکن اگر معشوق جید ہو گیا تو تمام  
عمر کے لئے اعتبار جائز ہے گا، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں عشق و شوق دائرہ نظر اور آرزو کے کیا متضاد تقاضات ہیں۔

(۹)

منہ لٹیں کھولتے ہی کھولتے آئیں غائب  
یار لائے مری بالیں پہ اسے ہر کس وقت

(۱۰)

نہ لڑنا صبح سے غائب کیا ہوا گزائیں نے شہرت کی  
ہمارا بھی تو آہستہ زور چھٹتا ہے گریباں پر

(۱۱)

مڑا ہوں اس آواز پہ ہر چند سزا جائے  
جلا دو لیکن وہ بجے جائیں کہ ہاں اور

(۱۲)

ہم سے نکل صبا و بوقت سے بے رستی ایک دن

درد نہ ہسم پھیریں گے رکھ کر غم پرستی ایک دن

امیر خسرو کا ایک شعر ہے :

مہماناں اگر سہیت دیں ہر دہن جسم

نمودار بزم سنا زونگو گیں دہان گیت

مرزا خائبہ نے اپنے شعر میں دو گونہ لطف پیدا کیا ہے پہلے مصرعے میں کہتے ہیں کہ نڈ کا بہانہ کر کے ہم سے مکمل جاو کوئی نہ چلے گا کہ تمہاری آرزو سے ایسا ہوا ہے۔ دوسرے مصرعے میں کہتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو میں خود نڈ کا بہانہ کر کے پیش قدمی کروں گا اور پھر خواہ تم کچھ ہی کہو سب مجھے معذور رکھیں گے۔

(۹)

نیشنلسٹس کی ہے دماغ اس کا بے لایق ہوں کی ہا

قبر کی زلفیں جس کے بازو پر لٹاں جو گھٹیں

اس شعر کو چھٹے ہیں جنہوں نے ناصر کے آخری کلام کا مضمون دہرا آ جا ہے جو درد و گداز اس وارفتہ کے اشعار میں ہے۔ وہ میں میں نہیں ہے

میروں ہل فہمت ایکے لپیٹے

فتیل الصبح اوقبلت فنا ہا

وہل رفت علیک فترو دن لپیٹے

رفیق الا فتحو انشاء فن سدا ہا

مجھے عمر کی قسم ہے کیا میر کے پہلے تو نے لے لے کو سینے سے لگا یا ہے، یا اس کے منہ پر بوسہ دیا ہے، کیا تیرے اوپر لپٹے کی زلفیں ہرائی ہیں میں طرح کہ گلن باز نہ ہرا تیرے۔

(۱۰)

داں وہ فرد مستردانہاں یہ مجاہد پاس دفن

راہ میں ہم میں کہاں بزم میں وہ چائے کیوں

(۱۱)

رات کے وقت مجھے سنا تہ رقیب کوٹے

آئے وہ داں حنا کرے پردہ کرے خدا کیوں

(۱۲)

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھو دکھو دے کے پچھو

خود کرو مہرے دل سے کہ میں آگ دیلی ہے

(۱۳)

دوستی کا پروہ ہے بیگانگی

منہ پھپھاتا ہم سے چھوڑا چاہئے

(۱۱۴)

غیر بھرتا ہے لئے یوں تمہے خلاف کو کہ اگر

کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

(۱۱۵)

بھگے کرتے ہیں بازار میں وہ پریش حال

کہ یہ بگے کہ سسر رہ گزر رہے کیا بگے

اگر وہ مریخ ساز جوشق و محبت کے معاملات کے نئے نئے معامین کے متلاشی رہتے ہیں، مندرجہ بالا اشعار کو لہجہ قرطاس سے ہر وہ نظموں پر منتقل کریں تو ان میں سے ہر ایک ایک یا دو گار زمانہ تقویٰ ہو۔ مرزا کا ختم موقوف ہے

(۸)

اقبال نے مرزا غائب کی شان میں کہا ہے :

منکر انسان کو تری سستی سے یہ روشن ہوا

ہے پر مریخ قنصل کی رسائی تابکرا

کتاب قدرت ایک تاریک کتاب ہے جس کے اوراق پر سوائے شعلوں کے کوئی روشنی نہیں ڈال سکتا اس خیال میں ہر شے ایک نئی صورت میں کیمیت میں مشاہدہ ہوتی ہے لیکن روشنی شعاعوں کی مثال دم زدن میں غائب ہو جاتی ہے اور پھر وہی خلقت چمکاتی ہے۔ اس روشنی میں ہر رنگ، سنگ میں عین شہداء اور شہر سنگ میں جلوہ نروں نظر آتا ہے یہ کوئی شاعر وہ درویش یا فریب نظر نہیں بلکہ مشاہدہ حقیقت ہے۔

جب شعرا اگر روشنی کے منظر اور واقعات کو دور نظر اور فوق الفطرت طوے پر بیان کرتے ہیں تو وہ بیانیہ ان کے معنی اور یقینی نظارہ پر مبنی ہوتا ہے۔

وہ نام نہاد شاعر ہیں جو محض الفاظ کے پس و پیش سے تشبیحات تیار کرتے ہیں اور تابع ہونے کے باعث ہر دیکھ جنہیں دیکھ سکتے،

(۱۱)

مروج سراب و شمشاد کا شرب ہے حال

ہمسہ فتنہ بشن جو ہمسہ قینچہ آہد ارتقا

دعا جو ایک صفت قلبی ہے شاعر کو غارِ آدشت کی صورت میں نظر آتی ہے اور دشت بھی بے آب و سرخاں ہے۔ جہل جگہ نگاہ کام کرتی ہے رنگ رول ہے۔ اور سراب کے فوٹات جو ہر تیرے آہدہ کی طرح حجابات آفتاب میں لڑناں ہیں اس

مقامِ حق و حقی کی حرا خور کی کا نام عشق ہے ۔

(۲۲)

گزشتہ اندوہ و شبِ فرقت یہاں ہو جائے گا  
بے تکلف و اپنے سر پہ ہر دواں ہو جائے گا

عاشق چاہتا کہ وہ بکثرت اپنے چاند کے مشاہدے سے معاشرہ خیال اس کے دل میں پیدا ہو جائے کہ اگر میں نے رازِ الفت اور دردِ فرقت کو چھپایا تو میں دیوانہ ہو جاؤں گا اور کوئی آسا بھی نہ چلے گا کہ میرے جنوں کا باعث کیا ہے میرے جنوں کی اور میرے محبوب تک کو خیر نہ ہوگی گویا یہ ماہِ شباب جس کی روشنی میرے قلب میں ماننا کا اظہار پیدا کر رہی ہے میرے لئے شہرِ دہلی ہو جائے گا اور اس وقت (WORDS WORTH) محبوب ماہِ شباب کی کیفیت کے مشاہدے سے متاثر ہو کر بے اختیار کہتے ہیں :

"O MERCY TO MYSELF I CRIED  
IF LUCY 'SHOULD BE DEAD"

(۲۳)

سفرِ عشق میں اس کی ضعف نے راحت طلبی  
ہر قدم سایہ کو میں اپنے خستہ پاں کہا

عاشق سفرِ عشق میں اس درجہ خستہ پاں اور متھل ہو گیا ہے کہ قدم قدم پر ضعف سے لغزش چھتی ہے اور تسکین دینے کا یار نہیں اس ادنیٰ معنوں کو وسعتِ خیال اس طور پر ادا کرتی ہے کہ جس طرح تشنابِ مسافر کو دشت میں سروب دیکھتے ہیں اب معلوم ہو جائے گا۔ خشک دشت اور مجروح بدن، عشق کو اپنے سایہ پر خواب گاہ منزل کا گمان ہوتا ہے۔ ہر لحظہ خیالی کرتا ہے کہ مقامِ مقصود کو پا لیا اور ہر لمحہ چونکتا ہے کہ نہیں ہمنواز دشت بظاہر کنارے ہیں وسط میں ہے۔

(۲۴)

میں نے جنوں پہ لڑکپن میں اسے  
سنگ اٹھایا تھا کہ سنگِ سدا آج

کہتے ہیں کہ جب جنوں کا شباب عشقِ تمامیرا وقت طفل تھا تمام شہر کے بچے جنوں کو پتھر سے مارا کرتے تھے کہ وقت گئے ہیں۔ میں نے بھی نیک ہار دیکر ہم عمروں کی طرح اس ستم زدہ کو نشانہ سنگ بنائے کی غرض سے پتھر اٹھایا وہ ہندن میں اپنی تمام آئندہ زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا کیا دیکھتا ہوں کہ میں آگے آگے ہوں اور بظاہر شہر پیچھے پیچھے لگ باری کر رہے ہیں یعنی سرشتِ عشق طفل کی نا اہلی سے آڑوں سے گھوڑا ہے کا زمانہ تھا کہ بچے ہی بچروں پر ضمیرِ عاشقی نے متنبہ کر دیا۔

جس طرح نبوتِ ایلن ماہ سے شرعاً ہوتی ہے عشق بھی عہدِ طفل سے آغاز ہوتا ہے۔ چنانچہ خود جنوں کا قول اس کا مصداق ہے ۔



الذی ایسا القلب الذی لیج ہما سجا  
وسیداً جلیلاً لم تقطع متعاً سیمہ

میں بیٹے کے عشق کے بھروسے میں اسی وقت بعض گمراہ تھے کہ بچہ تھا تو میرے گئے کے خوف میں نہ کئے تھے۔ ایک روایت ہے کہ منصور کو اتنا ملحق کہنے کے باعث لوگ خشت و سنگ سے سر زل کیا کرتے تھے۔ ایک دن شبل کا ہنس اس راہ سے گزر ہوا شبل نے شاید ازراہ مزاح ایک پھول منصور کی جانب پھینک دیا منصور کو نہایت روچہ ملا ہوا کیوں کہ شبل جو خود عاشقانِ خدا میں سے تھے منصور کے معاملے سے واقف تھے۔ ضرور ہے کہ مرزا نے مجھوں پر چہرہ اٹھایا ہو گا تو مجھوں نے شکایت نہ کر ان کی طرف دیکھا ہو گا۔

(۵)

مفق میں کس تشاخص سے جاتا ہوں میں کہے  
پڑھ لکھ غیب ال زمزم سے دامن نگاہ کا

عاشق کے عقل کو جانے کی مسرت کا اندازہ ممکن نہیں دامن نگاہ یعنی نہ بہر کہ گدھی نگر حرام تمام افق زخموں کے غیبی کھوار سے پر گل ہے۔ یہ گلزار عاشق گلزارِ غلیل اللہ سے حکم نہیں۔

(۶)

پہچانت ویر سے مستی ار باب چمن  
سایہ ناک میں جو تپ ہے ہوا موچہ شرب

موسمِ ہار میں سرد ہوا کا زور ہے بارش سے تابا تھاں صب شور بود میں درخت جو شش شباب سے سبز ہے  
تیرا گوں سبز ہو گئے ہیں گویا یہ مست و دہل چھا وہیں میں تمام بلان پر سرود کا اثر معلوم ہو رہا ہے۔

لکھوں کا لب نہر چہرہ جھومنا  
اس اپنے عالم میں نہ چرنا  
ہک ہک چوک کے گڑنا خدایاں پر

فتیہ کا سما عالمِ گلستان ہے (پیرسن)

مرزا کہتے ہیں کہ یہ کیفیت ہے کہ خم بارش آلود ہوا خوشہ انگور کے مس سے لطیف شراب ہو جاتی ہے۔

(۷)

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے واں بھی خانہ آرائی  
سنبھادی دینے یعقوب کی پھرتی ہے زخماں پر

جب زلفِ یوسف سے پرنا مقصود دل نہ پایا تو غریب سے کہہ کر زخموں میں بھیج دیا یہ زلفی کی آخری کوشش تھی کہ شاید وہ ویرانِ کلیفِ قید سے جان جائے لیکن ادھر یوسف روانہ ہوا ادھر وار و شو کو فرماں ہوا کہ مجلس کی آرائش میں مشغول ہو تاکہ وہ نازنین قید سے زیادہ طول نہ ہو۔

معطر فادہ دہلاؤ دو دشمن برا  
منور سا اظلالِ شہرِ شش ما (۷۸)

چنانچہ سوارِ جبر و یوسف میں سفیدی ہی میں مشغول ہیں۔ مرزا کا خیال کہ اس کے کہلِ قتل ہو تا ہے۔ ان کو یہ سفیدی دیدہ و یعقوب کی تابانی آنکھوں کی سفیدی معلوم ہوتی ہے۔

چہ درخشِ نگرانِ مست کو یوسف چاندانی ست

(۷۹)

خلم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو دنیا اذکیہ نفس  
برق سے کرتے ہیں روشنیِ شمعِ ماتمِ خانہ ہم

دنیا کی تکالیفِ حائق سے ہیں جو اضافتِ خوردنہ سے جبر کی ہیں۔ وہ الم سے بھی سکندرش ہیں۔

آزادِ ظاہر میں سب سے زیادہ انکار پاتے اور دفعِ اٹھاتے ہیں اور شبِ دروز تاریک ماتمِ خانہ میں رہتے ہیں۔ لیکن واقعہ ماتم کا اثر ایسا پر عملی اور فوری ہو تا ہے کہ مرزا اپنی اس سکونِ جہت کی کیا فوقِ الحیاں مثال دیتے ہیں کہ جب برقِ بلا گرنے سے (ہم) جلنے خوفِ زندہ اور پختہ ہونے کے کمالِ اطہر میں سے اٹھ کر قبوالہ برق سے پہنچا الم کو سے کی خاموش کشتہ شمع کو روشنی کر لیتے ہیں۔

(۸۰)

شوق اس دشت میں دوڑا ہے مجھ کو کہ جہاں  
منہادہ غنیمتِ ازنگہ دیدہ تصویرِ نہیں

دشتِ وقایعِ عشق کی تنگ قدم کا انجام موت ہے۔ جس بحرِ سراپ کا کوئی ساحل نہیں کوئی چادہ نہیں جس سے ساحلِ صحرا سے جانِ سلامت لے جائے۔ رواہ کے عدم کو مرزا کمالِ شاعری سے یوں بیان کرتے ہیں کہ صرف ایک راست ہے اور وہ نگہ دیدہ تصویر ہے جس کوئی راست نہیں۔ کیا خوب عدم کو وجود کے لباس میں جلوہ گر کیا ہے۔

(۸۱)

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر  
لیکن آنکھیں روزِ زہد و روزِ زندان ہو گئیں

حضرت یعقوب کی آنکھیں فرزند کے فراق میں روئے روئے سفید ہو گئیں تھیں۔ مرزا کے فکرِ سامنے اس سے تاثیرِ عشق کا کیا طرہِ مصروف پیدا کیا ہے کہ وہ روزِ زہد جو دیوارِ زندانِ یوسف میں ہیں حضرت یعقوب کی تابانی آنکھیں ہیں جو اپنے فرزند کو دیکھتی رہتی ہیں۔ سفید تابانی آنکھوں کو جو روزِ زہد سے مشابہت ہے ظاہر ہے۔ قطرہ قطرہ پانی اگر گریں گے رہتا ہے تو سرِ زہد فوادِ تک میں ٹوٹنے کو کیجئے حضرت یعقوب کی مدامِ اہلک باری سے دیوارِ زندان میں سوراخ ہو گئے ہیں جس طرح روزِ زہد دیوارِ تک میں بند نہیں ہوتے حضرت یعقوب کی تابانی آنکھیں بھی بند نہیں ہوئیں۔ رات دن بے خواب۔ جانبِ یوسف گھراں رہتی ہیں۔ حضرت یعقوب کی آنکھیں روزِ زہد و دیوارِ زندان ہو گئیں۔ تنگ تاریکی اور جس سے یوسف کا

وہ غفلت ہو۔ آنکھیں دیوارِ زنداں ہو گئیں، تنگ یوسفِ زندانی سے دنیا کا تماشا دیکھ سکیں اور تنہائی کے پریشانی نہ ہوں سے

(۱۱)

بیچتے آسانگِ دل و پر ہے یہ کچھ نفس

اڑ سنبھرتے زندگی ہو کر رہا ہو جائیے

حیات بعدِ المرات اور بھٹکتے رہنے کی کیا وجہ مشکل دی ہے۔

(۹)

قدرتِ مستورِ حقیقت ہے۔ قدرت اور مہم کے دو مہمان ایک دوسرا حائل ہے۔ جس میں سے صرف شاعر کی نظر یا  
کی انشیا شعائیں گزر پاتی ہیں۔

مرزا غالب کی چشمِ مرئیت کو تمام نقاطِ نگاہ سے دیکھتی ہے اور سب نظریں ایک نیا جلوہ دیتی ہے۔ جو شعرا  
قدرت کے ترجمان ہیں ان میں سے اگر مستعدی اور درویشِ درجہ (WORDS WORTH) کی طرح قدرت سے قاتلانہ  
بہار و غمزاں، ہنس اور اس کا کھسار و آبشار مراد لینے ہیں۔ غالب کے مشاہدات کنارِ دریا، و اس کو وہ لب جو ہم بہت کم  
متعلق ہیں۔ مرزا کا یہی سہو دیا خاموش مرغزاروں کے زیادہ شہروں کے پر شور کوچوں میں لگتا ہے جہاں زندگی  
شعلے منتشر کی طرح ہفت رنگ جلوہ دکھائی ہے۔ مرزا کے نزدیک دلی کی گلیوں کی رونق یا ویرانی، خوش و فتن یا  
افسوس، شورش یا خاموشی، خدا کی کھینچنے احساسات کی خارجی تصویریں ہیں جو صورتیں ادھر ادھر روئی دلی نظر آتی ہیں  
وہ مرزا کے نزدیک ان کے اپنے خیالات کے جسمات ہیں۔ ان کو الف کے لئے سرو و چار کو شب، ماہ، لب آب، صہبت  
یار میں یا سحر و سحر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھ کر کسی جتنی ہوئی عمارت پر نصب شدہ جرنیل کا کہنی حلقہ بھی رتنی میں  
آویزاں دیکھتے ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سیرنگ اپنا جنگل آسمان سے نارسے لٹڑنے کے لئے دوا کر رہا ہے  
جس مظاہر قدرت کو مرزا دیکھتے ہیں اور شعرا یا تو ان کو عام خیال کر کے ان پر غور ہی نہیں کرتے یا ان میں اس درجہ مستور  
نہیں پاتے کہ ان کی حیثیت کو اپنے کلام میں بیان کریں اور اگر کرتے ہیں تو کامیاب نہیں ہوتے مثلاً

(۱۲)

خلیجِ بخت ہے تو اس میں سے دھواں اُٹھتا ہے

شعلہٴ عشق سے پشش ہوا میرے بعد

کون ہے جس نے شمع کو گل ہوتے نہیں دیکھا لیکن کسی شاعر نے مشاہدہ کیا ہے کہ شعلے کے ختم ہوجانے کے  
بعد دیر تک فیتلہ سے دھواں اُٹھتا رہا ہے عاصی کی موت کی اس سے بہتر کیا تمثیل ہو سکتی ہے۔

(۱۳)

برنگِ کافور آتشِ زود ہم رنگ ہے تاری

ہزار آئینہ دلی داند ہے دلی یک طریق پر

حرف و آواز کا نغمہ جلد زور ہو جاتا ہے۔ کاغذ پر کلام رہی اور کلمات بشری کا حامل ہے، کاغذ کے جملے کو عیب خیال کیا جاتا ہے، لیکن کاغذ کی تحریر مستقل رہتی ہے اس لئے شہادت کو تلف کرنے کے لئے کاغذ کا خالق کرنا ہوا۔ اوقات لازمی ہو جاتا ہے، معشوقی ابتداء سے نامہائے عشاق کو جلائے آئے ہیں، لیکن کسی شاعر کے مشاہدے میں یہ نہ آیا کہ کاغذ کے جملے میں کیا شاعرانہ کیفیت نہیں ہلکے عیاں ہیں۔ جب کاغذ کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تو قدوسی و حرارتیں بلند ہو کر شعلہ بھج جاتا ہے اور سوخا و سیاہ رنگ کا کاغذ نیم جاں جسم رہ جاتا ہے جس میں سکرات اور نغمہ کی تمام علامات نظر آتی ہیں۔ پھر یہ ارتقا کی حیات ہی فرو ہو جاتا ہے اور سراپا جل چکے کے بعد بڑی روں نقطہ ہائے روش کاغذ پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ آخر کار کاغذ خاکستر ہو جاتا ہے۔

(۳)

ہوئی ہے مانتے ذوق فنا مستر خانہ ویرانی

گفت سیلاب باقی ہے برنگہ پندرہ روزی میں

جو شہر و دیاروں کے کنارے واقع ہوتے ہیں بعض اوقات شدت آب کی وجہ سے فرق سیلاب ہو جاتے ہیں بلکہ حیدر آباد و کٹھن کے واقعات صوبہ کو یاد ہیں۔ جب آب و دیار انسانی کے ساتھ خرابات سے مکانات میں داخل ہو جاتا ہے تو جہاں سے راہ پاتا ہے وہاں چلا جاتا ہے جہاں داخل ہوتے ہیں منزلت ہوئی ہے پانی گھٹنے آتا ہے۔ جب جوش و خروش دیا فرو ہو جاتا ہے تو سطح آب پھر نیچی ہو جاتی ہے اور پانی واپس دریا کی جانب روانہ ہو جاتا ہے لیکن گفت سیلاب جس جس خوف اور سورما میں پیدا ہوا تھا وہ وہیں باقی رہ جاتا ہے اور تاریخ کیوٹ کی طرح اس رشتہ کو بند کر دیتا ہے۔

(۴)

ہوئے اس مہر و شش کے جلوہ نشانی کے کنگے

ہر افشان جو ہرما یکتہ میاض اورہ رفتہ میں

جو لوگ غم منا کر و مریاتے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی قدرہ کو کسی روزی میں آنکھ لگا کر دیکھا جائے تو قدرہ کے بے مقدار جسم سے ہر سمت شعاعیں نکلن ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس کا باعث آفتاب کی روشنی ہے جس کے ٹکس سے درہ کا جسم غار و روشن ہو جاتا ہے یہ شعاعیں بعض اشیاء معلوم ہوئی ہیں گویا پھر پڑی چھوٹ رہی ہے۔ مریا قلاب اس کو درہ کا پرافشان ہو چکے ہیں۔ سوال ہے کہ مریا کے وقت میں تو کیا اس زمانہ میں بھی جب کہ انگسار اور افشان کے مساوی ذہان زد عوام ہیں کتنے اشراف ایسے ہیں جو اس کیفیت سے واقف ہیں۔

ایک اور معنی اس شعر کے ممکن ہیں۔ مریا نے بعض اوقات پرفشانی پر زنی کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے مثلاً

(۵)

کہوں بیجا و ذوق پرفشانی عرض، کیا قدرت

کو طاعت الاہی ارٹنے سے پہلے بیوے شہری

اگر یہاں بھی یہی صحنہ ہی، تو خدا کی پروا اور ہے۔ چنانچہ باہم گر مائیں دو پہر کے وقت غلط کر کے جس اگر کوئی آفتاب کی کرن سیاہ پوش روشنی دلیں گے کبیں رہنے سے اندر آجاتی ہے تو ہمارے ہر ایک ہی سے جو غلط شواہد سے روشن ہو جاتی ہیں، اور پتے نیچے اور پٹے سے اوپر اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(۶۳)

بسا اوجیز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی

سودہا ہے بہ انہا ز چاکیل سرنگوں وہ بھی

کہنا اور لعل و سیرہ عمارت میں کب دھوا کے عام اور سیم اثر سے سنگ سفید اور سنگ مومن کے کچھ مریدیت چکانی ہم جاتی ہے اور بعض اوقات دلیدوں سے پانی بستے لگتے ہیں، وہاں وہی جگہ مرمر کی پانی خست سے قطرہ قطرہ آب گر تارم تار ہے۔ قطرے ایک دوسرے کا آفتاب کرتے ہوئے آتے ہیں اور جب آگے آگے ہوئے وہ مقام مقصد پہنچ کر چشمِ زندہ وقت کے بعد گر جاتا ہے۔ جو چیز قطرہ کوئی گر جاتا ہے وہ پانی کے سالات کا باہم طوق ہوتا ہے۔ لیکن کہاں ایک قطرے کی قوت قرار، کہاں تمام کرواڑی کی کشش ثقل، قطرہ کیا کب لاسکتا ہے۔ مرزا غالب اپنے دل کا لپکتے ہوئے قطرے سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انسان کے دل کو اٹھانے ٹھکانے ناشپاتی سے تشبیہ دی ہے لیکن وہ خست میں آویزاں ناشپاتی کا باہاں حصہ طورہ اور زیریں کلال ہوتا ہے اور دل کی حالت اس کے خلاف ہے۔ دل کی کوئی تشبیہ خوبی کے لپکتے ہوئے قطرے سے بہتر ممکن نہیں۔ عذراہم! دل کی لاپارسی اور عاجزی کی کیا تصویر ہے۔

(۶۴)

آگ سے پانی میں بجتے وقت آگ ہے صفا

ہر کوئی وہ ماندی میں تالے سے ناپا رہے

کس شاعر نے آگ تک آتش کے فرو ہونے کی اس ظاہر اور ادنیٰ کیفیت کو شاہدہ اور عرس کیا ہے بقول ہر کلام میں آگ کے طبعاً مفرد اور سرکش ہونے کا اشارہ نہایت خوبی سے مفرج ہے۔

(۶۵)

ہاتھ دھو دل سے یہی گری غرا دیتے ہیں ہے

آج کل تندی صبا سے پگھلا جاسے ہے

وینس (VENICE) برصغیر یورپ کا ملبہ ہے، وینس کے بلوریں جام و ساغر مشہور ہیں ان کی نزاکت کا انکار بیان سے باہر ہے دیکھ کر بے اختیار چی چاہتا ہے کہ مناہوں کے ہاتھ چوم لے آئینہ گر حقیقت میں عمر خیام کے گورہ گرے کہیں زیادہ "خالق" کے لقب کا مستحق ہے۔ جو گھن میں مشغول رہے کہ وہ دلفریب و ترشیب سے مینا کر دیتا ہے مینا سے بلور بنا دیتا ہے بلور سے آئینہ کر دیتا ہے اور آئینہ سے آتشیں شیش بنا دیتا ہے جب گرم شیش اکٹھا سے پھر آگ ہے، اربعہ حالت میں ہوتا ہے اس وقت آئینہ ساز اپنے دم سے جو صورت چاہتا ہے شیش کو عطا کر دیتا ہے۔ اگر کسی پہلو آگ کی شیش اعداں سے خدا بھی زیادہ ہوجاتی ہے تو شیش کہلا جاتا ہے اسانچہ صورت چھوڑ دیتا ہے۔

۲۱۶

ہے۔ مرزا غائب گبر اور تاثیر کے لحاظ سے اس فرق ممکن کا عقابل بیان کرتے ہیں اور اسے کی مدت اور شدت کو یوں ظاہر کرتے ہیں کہ سافر کو گلاخت سے بے صورت کئے دیجیے۔ پھر کہتے ہیں کہ یہی حالت میرے دل کی ہے جو فکر اور اندیشہ کی محک کی تاب نہ لاکر کہلا جاتا ہے

(۹۱)

جب نشا طے ملاد کے چلے ہیں ہم آئے  
کو اپنے سایے سراؤں سے ہے دو قدم آئے  
جب آفتاب راہرو کی پشت کی جانب ہوتا ہے تو سایہ سامنے پڑتا ہے۔ مرزا دو پہر کے قریب اپنے عشق میں جانے کے عشق اپنے شوق کو یوں بیان کرتے ہیں کہ میرا سراؤں سے دو قدم آئے آگے ہے۔  
اس کیفیت کو ہر شخص نصف انہار کے بعد خود دیکھ سکتا ہے۔

(۹۲)

رنگ وہ ہے میں جب اترے زہر خم پھر دیکھے کیا ہو  
ابھی تو تخی کام و وہیں کی آزمائش ہے

قدرت نے قریب قریب جملہ ہلک سیات کو تلخ بنا دیا ہے ہندوستان میں جو زہر زیادہ تر خود کشی کے لئے مستعمل ہیں وہ تیلیا، سنگھیا، و سورترا، افیون اور کپڑ ہیں۔ یہ سب سخت تلخ ہیں اس لئے سب سے پہل مشکل بن کا منہ لگ سے جاتا ہے زہر کا فعل معودہ کے فعل پر مقرر ہے اور وہ طلب ہے۔ چنانچہ دوران مرزا و اطراف، امتکا انیشان جریاں خون، عطش، صیق النفس اور القاضی و تلخ جو موت کی علامت ہیں اس وقت تک شروع نہیں ہوئیں کہ زہر سرایت نہ کر جائے مرزا فم اور دماغ کے اثر کا کیا خوب زہر سے مقابلہ کرتے ہیں۔ آخر میں خم صرف سخت تلخ معلوم ہو سکتا ہے لیکن انجام کار رفتہ رفتہ گھبرا کر مارتا ہے۔

(۹۳)

ہوئے ہیں پاؤں پہلے ہی مہسور و عشق میں زخم  
نہ سمجھا جاوے ہے مجھ سے زخمیڑا جانے ہے مجھ سے

جنگ میں اس سے زیادہ کوئی کمجوری کا عالم نہیں جب تک گولی دل یا دماغ میں نہ لگے انسان کو رونے سے فوراً معطل نہیں کر سکتی۔ بسا اوقات جدید ہارک کلاہ کی گولیاں فم معودہ میں ایک جانب سے دوسری جانب یا مختلف حکم سے پشت کی طرف اٹکی جاتی ہیں اور سوائے ظاہری غیظ و خوں کے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ معودہ کے سوراخ فوراً خود بخود بند ہوندا ہے اور زہر ہوتا ہے جس میں جگر میں گولیاں بعض جگہوں میں نہیں ہوئیں اور قریب قریب جود جلد چڑھ جاتی ہیں لیکن وقت ہنگام پاؤں پر گولی کا گنا خفتاب ہے۔ نہ چائے رفتی نہ چائے ماندی۔  
مرزا طالب نے میدان عشق میں کہے ہیں ہو جانے کی کیا مثال دی ہے۔

(۹۴)

باغ ہا کر نفعستانی یہ ڈراما ہے مجھے  
سایہ شادیں گل افش نظر آتا ہے مجھے

بہرہ و حمان میں مٹانے کے زمانے کے بہت سے باغلات علی آباد میں ابھی تک ہیں سنگ مرمر اور سنگ و فلیم کی دہادہ دیہی شہر کے اندر ہیں جن میں شہزاد سے لے کر عورتیں وہیں اب بچتے اور بچوں کا مسکن ہے جہاں دوستوں پر کانٹوں کی قمیصیں پوشیدہ ہیں جن میں وہیں اب چنگوٹا کتے ہیں۔ نہایت نفع و صحت انسانی کی اطلاع دینے سے آزادی یا اگر ایک گلوب آزادی اختیار کر لی ہے پانی کے پاس دوستوں کے ساتھ ہیں جو نہ دے ہوتے ہیں وہ اکثر طویل اور نازک تنہا ہوتے ہیں جن کی شخصیتیں بکلی ہونے کے باوجود پھول کے وزن سے ہیں جبکہ جہاں ہیں اور ذراست ہوا کے جھونکے ہیں اور ہوا چلنے والے ہوتے ہیں جس شام کے وقت ان شانوں کا عکس سبز سے لے کر سیاہی کی طرح نظر آتا ہے اگر طبیعت پر انیلاؤں و مشت یا ہول ہو تو اس نامی سے ڈراما کوئی عجیب نہیں۔

(۱۳)

نہ پھر سوئے عاشق سے آپ جیش لگاؤ  
کہ زخمِ روزنِ درد سے ہوا جھکتا ہے

بھلا اطباء کے علاوہ کون اس بات سے واقف ہے کہ زخم کے شراب ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے اندر ہوا انورہ کر جاتی ہے جو زخم سانس دینے لگتا ہے ضرور مہلک ثابت ہوتا ہے۔

(۱۴)

شالہ مری کو شش کی ہے کہ مرغِ اسیر  
کرے نفس میں فراہم خُش آسپاں کے لئے

مرغِ نفس کو کس نے نہیں دیکھا۔ کہاں فضا سے ناکھدو کہل گئے نفس جس میں پروں کو پہیلانے تک کی جگہ مفقود چھپ چکا ہو اور ہمدردوں کی مدد تک نہیں آتی لیکن تھکنے مہلت پھر بھی نامشکوہ کو ششوں کا نورست لگتا ہوتا ہے جب حسان ہمدلی کا زمانہ آتا ہے تو گو مرض تنہائی اور قہر ہے اور تنکوں کا ہیما کہ نایاب معنی لیکن نفس نفس میں ضرور دھج کر رہتا ہے۔

(۱۵)

مرغِ غائب کے کلام کی عجیب سا ادنیٰ اور شیلی اور عجیب تر ہے خودی اور پرکاری انجامتے کمال ہے۔ بعض نکلے مرغِ غائب یا تنگور کے کلام کی ساوگی سے محنت و محاطے میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کے خیال میں یہ بات نکلتی ہے کہ اس میں خودی ہی کیا ہے، ہر شاعر و شاعر کا ہے۔ یہ ایک فریب ہے۔ ہر شخص اپنے ذہن میں جیتی کرتا ہے کہ وہ اپنی حکم اشیاء کو جو اس کے پیش نظر ہیں خوب جانتا ہے اور ان کے من و معنی میں اور اظہار کی قابلیت رکھتا ہے حالانکہ چند منتخب افراد کے سوا دنیا میں کوئی شخص اپنی گرد و پیش کی ادنیٰ اشیاء کی نفس صورت سے کس واقف نہیں رہی ہے۔

ہے کہ گرائس سے (افکار غائب) اور ان کے انکشاف کرنے کو کہا جاتے تو اس کے دوسرے کتب باطل ثابت ہوتا اور اس کا نام (BIOPTO) اور لرنسٹی (LORENZETTE) کی سلاہ تعلیمی کتب میں ملا ہے کہ وہ فی الواقع کش اور رنگ آمیزی سے ساختہ تصویروں پر قائم کریم فنان بد وقت کمال سکھانے چاہیں تو تم بھی ایسی تصویریں بنالو۔ اس غلط انداز سے میں کہی چکا تھا تھا۔

شہر لرنسٹی میں میری شاعری بھی شامل ہے بقول فرانسس تھامسن (FRANCIS THOMSON) لرنسٹی کا تعلق ہے۔ جب مصور غرضت ازیت طراز کو حوالہ دے کر کہنے کے لئے موصوفہ اضافہ ہے یا شاعر اس معنوں کو میں کوئی توفیق برسم خود آسان جانتے ہیں اور اگر تاسع صلابت یہ طرز میں مصور یا شاعر کے سامنے ایک فن دنیا کی صورت میں نظر آتا ہے (جی کولمبس) (COLUMBUS) کی مثال کو خوش اور جہلیت جہتو سے دریافت کرتا ہے میکائیل انجلو (MICHAEL ANGEL) کا قول ہے کہ تصویر باقی سے نہیں دماغ سے سمجھنی جاتی ہے جب یہ ملوڈ ڈاؤنچی (LEONARDO VINCI) سے حاشیہ ویلا گرافیا (BELLE GRAZIA) کے اسٹک نے حاشیہ رانی کی تصویر بنانے کے لئے کہا تو وہ کئی روز تک صبح سے شام تک یہ موصوفہ اقریں نے مکرار بار بار دہرایا اور ان کے اندر یہ لگا یا ہم سمجھتے ہیں کہ ہم ہر جسم کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ہم کو صرف ایک وحشیانہ کیفیت سے زیادہ دیکھنے کی طاقت نہیں۔ سوائے فنونہ لطیفہ کے کوئی بھی عالم کے متغایرات خلق اور مہلک کو نہیں دیکھ سکتا اور اس وجہ سے ان کا تہلہ نہیں کر سکتا۔

جب میں ذیل کی غزلوں کو دیکھتا ہوں تو کہہ کر مٹا اپنی شوق کا قول یاد آتا ہے۔

فاذا اقبل الطبع الناس طراً

واذا ریم اعجز المعجز یسنا

جب پڑھا جائے تو ہر شخص کو یہ خیال ہو کہ میں بھی

ایسا کہہ سکتا ہوں مگر جب دیکھا جائے گا ارادہ کرے

تو معجز بیان عاجز ہو جائیں۔

ابن مریم جو اگر سے کوئی میرے دہ کی دوا کرے کوئی

نہ سولو گر بڑا ہے کوئی نہ کہو گر بڑا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی بہن دو گر غلط کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجت کس کی حاجت دوا کرے کوئی

کیا کیا فخر نے سکھارے اب کے رہنا کرے کوئی

جب توفیق ہی اعلائی صائب

یوں کسی کا غم کرے کوئی

پھر اس اتنا نہ ہے بہار ان کہ ہوئے ہر وہرہ شاشان



دیکھو اسے ساکن غلط خاک      اس کو کہتے ہیں غلام آرائی  
 کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر      دو کشتیں سیخ چرخ مینائی  
 سبزہ کو چپ ہمیں جنگ نہ مل      بن گیا روئے آب پر کائی  
 سبزہ وطن کو دیکھنے کے لئے      چشم نرگس کو دی ہے مینائی  
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر      بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی  
 کیوں نہ دنیا کو ہو غرضی غالب  
 شاہ و سہنوار نے شفا پائی

کوئی امید پر نہیں آتی      کوئی صورت نظر نہیں آتی  
 موت کا ایک دن میں ہے      نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 آگے آتی تھی حال دل پر نہیں      اب کسی رات پر نہیں آتی  
 جانتا ہوں تو اس پر طاقت و زہد      پر طبیعت اور صبر نہیں آتی  
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں      ورد کیا راستہ کر نہیں آتی  
 ہمہ اہل ہی جہاں سے ہم کو بھی      کچھ ہماری خبر نہیں آتی  
 مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی      موت آتی ہے پر نہیں آتی  
 کبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب  
 مشہور نام کو مٹ نہیں آتی

دل ناواں تھے ہوا کیا ہے      آہزاس ورد کی دوا کیا ہے  
 ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار      یا اجنبی یہ ماہر کیا ہے  
 میں بھی مٹیں زبان دکھتا ہوں      لاش پڑ چھو کہ مدعا کیا ہے  
 جب کہ تجھ ہی نہیں کئی مرچو      پھرے تنگامارے خدا کیا ہے  
 یہ چہری چہرے لوگ کیسے ہیں      غمزدہ و محشورہ واد کیا ہے  
 شکن زلف مہربانی کیوں ہے      مجھ پر جھٹم سرور کیا ہے  
 سبزہ وطن کہاں سے آئے ہیں      ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے  
 ہم کو ان سے وفا کہ ہے امید      جو نہیں جانتے وفا کیا ہے  
 ہاں سبیل کر خرا سبیل ہوا      اور درویش کی صدا کیا ہے  
 جان تم پر نہ رکرتا ہوں      میں نہیں جانتا دھ کیا ہے

یہ سنا مان کہ کچھ نہیں حالت  
معنت دھڑا آئے تو بھلا کیا ہے

عشق تھو کر نہیں دھشت ہی سہی  
قطع کچھ نہ تعلق ہم سے  
بہرے ہونے میں ہے کیا رسوائی  
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے  
اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو  
کچھ تو ہے اسے قلب نا اہضات  
ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں  
ہم بھی تسلیم کی خزا میں گئے  
یار کے پیڑ پسل جائے اسد  
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

کوئی دن مگر زندگانی اور ہے  
آنکھ دوزخ میں یہ غری کہاں  
بار بار دیکھی ہیں ان کی رہنمائی  
دھکے کے خطا مند دیکھتا ہے نامرد  
مات پی امار بھی اکثر بجزم  
ہو مہیکی غالب بلا بھی سب تمام  
ایک مرگب نا گہانی اور ہے

اب اس متن سے قطع نظر شکل اور مطلب انداز پر غور کیا جائے تو دلچسپ تر صورت ہے کہ جو لوگ کہ گرم عقل  
فرش دھڑ پوچھنے کے عادی ہیں وہ ان لوگوں کی پاک اور خوف انگیز سرسرت کو کیا جان سکتے ہیں جو شوق لطیف کی سرور اور  
بے دلائل عرف سے دھکی ہوئی مرتفع پریشوں میں گھست لگا رہیں۔

کانٹ کے اپنی کتاب (KRITIK DER REINEN VERNUN URTHEIL SKINFT)

میں خوب کہہ کر برت سے اشعار ایسے چوتے ہیں جن میں ہر آواز سن سہتا ہے۔ وہ پھولوں کی طرح اپنے سحر جانی  
کرتے بلکہ اپنی خوشبو سے شام جاں کو سرور کرتے ہیں۔ انہوں کی فکر کرنے اور ان کے مطالب کے دریافت کس تک کی کوشش

کی جیسے تو وہ کوشش ایسی ہی ہوئی جس طرح کوئی شخص پھولوں کی خوشبو کو ہانے کی فرض سکان کی پتیوں کو کوڑ کر پھیند کرے۔ بعض اوقات انسان پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں غائب کی اس حالت ہوتی ہے غائب میں تنہا لوگ اپنے غائب کہلاتے ہیں اور عجیب پر لطف چٹانوں پر شائبہ طلب مظاہر پیش کر گئے ہیں۔

پال دوہیے (PAUL VERLAINE) کی مشہور نظم میرا غائب (MON REVE FAMILI- ERVE) - مرزا کے منقطع ذیل کے قطعوں کے قلم مشابہ ہے۔

نظم ادا واپ رنگ و ساز دامت طرب

شیشے سے سرو سبز جو سہا ر نغمہ ہے

غائب فنکاروں کی طرح وہ شاداب اور ساز کوئے گدا کی طرح مست زبان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیشے سے سرو سبز کے ہونے پر ایک سر پہنچے ہے۔

یوگنڈ (BAUDELAIRE) لکھتا ہے کہ شاعرانہ کیفیت میں ایک وقت ایسا ملتا ہے جب تمام جوش نہایت درجہ تاثرات پذیر اور ذکی احساس ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں پر وہ آبدھار دیکھنے لگی ہیں پر شور و محالیت میں حقیقت سے غیبت آواز کو کلان سننے لگتے ہیں اور شور سے بالکل نا آشنا رہتے ہیں۔ اشتعال خیالات واقع ہوتا ہے اور جس قدر اظہار عالم اپنی صورت سے ہوا اوقات دوسری صورتوں میں منکب ہو جاتی ہیں اور خیالات میں ناقابل حل اطلاقی تفسیر پیدا ہو جاتا ہے۔ گدا قریں رنگیں معلوم ہونے لگی ہیں اور رنگ میں غور پیدا ہوتا ہے۔

غائب کو شاداب اور ساز دست اور نغمہ آبدھاری اور تمام سرو سبز نظر آتا ہے لیکن غائب میں یہ کیفیت نہایت متحول انداز اور صحیح حد تک ہے (RIMBAUD) کی طرح اس حد تک نہیں پہنچتی کہ جس طرح سرو و قی حروف کے احوال میں سفر نہاں پاتے ہیں وہ ہر حرف میں ایک خاص رنگ پاتا ہے جتنا پتہ کہتا ہے

ANOIR, EBLANE, ROUGE, UVERT, OBLEW, VOYELLES

غائب کا اس انداز کا کلام سب سے زیادہ فرانسیسی شاعر ملارم (MILLARME) کے مشابہ ہے۔

نغم آغوش دوش بکدہ مردوش دیتا ہے مائیک

ہزاروں دوش اٹھانے قزم صرصر کا مرجاں ہے

کہہ ہے داد ترے لب سے کب رنگ فوٹ

خدا پسند سراسر نگوہ گل چیں ہے

بکھا ہے گردہ ٹخنے کا بھاسے بیل زار

کو گوسیش گل ہم شبنم سے چہ آئیں ہے

پر پیمانہ مشابہ ہوا باری کشش سے تھا

ہوئی نہیں کی گرمی سے روحانی دور ساز کی

مے کوہ اگر چشم مست ناز سے ہوا جہ شکست  
موتے شیش دیدار سافر کی شرکانی کرے

تعلق سے ہیں کہ حیرت سے نفس پر درہوا  
خط حیا مے سراسر رشتہ گوہر ہوا

ذکی سامان میٹھ دجاہ نے تھیں و مشت کی  
ہوا حیا م زمرہ بھی مجھے داغ پختہ آخر

لیکن شاعرانہ جذبہ اور دھواں میں ایک ایسی کیفیت بھی واقع ہوئی ہے جس کو سرشتی کے حروف کبھی نہ کہیں  
ہے جس میں شاعر اکابر و بہتاب کو اپنے کف دست میں اٹھالیا ہے۔ اس بے خودی کے عالم میں مرزا نے کلام ہندوں  
کیا ہے۔

مرزا کی دیوانگی پر مبنی دیوانے شاعر انفرڈیم برٹ (ALFRED MOMBERT) سے کچھ کہ نہیں  
مام برٹ اپنے جنون میں کہتا ہے۔

DA MOND UND SONNE DIREWIG KALT IST,  
UND DIR DAS STERNENGEWOLBE EWIG AIT ITS,  
UND IN DER FINSTERNIS ZERREISST DEIN GANG,  
LAUCHE MEINEM GERANG.

مرزا غائب فرماتے ہیں۔

ہی نوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام  
ہر گردوں ہے چراغ رہ گزار ماویاں

مرزا اور مام برٹ دونوں ظلمات کی بنیاد پر ہیں، داخل ہوتے ہیں اور سکندر کی آخری منزل سے بھی آگے نکل  
گئے ہیں لیکن مرزا کی سلامت فطری طرح داپس آگئے ہیں اور وہ غریب ہمیشہ کے لئے نہیں رہ گیا ہے۔  
فطرتش نقشے جی تعریف، ”بقول زرد وشت میں نکلا ہے

”ہیں شعراء سے جنگ ہوں تفرق شعراء سے اور جدید سے وہ

سب پلایا پانی میں ہیں، ان کی شکل خشک دریاؤں کی سی ہے، ان کا

تخیل حق سے خالی ہے، ان کے احساسات سلی ہیں، تپیش اور تفرق کے

چند جذبات کے سوالیہ کے دریاؤں میں کچے نہیں۔“

مرزا کی شاعری اس مزاج سے مطلق بری ہے۔ غائب کا دل ایک آئینہ ہے جس میں ہر نظر انہی اور منظر قدرت

کا جلد موجود ہے۔ اس کی زبان تمام حقیقت ہے، اس کے ہر کلمہ کی شکل کا دائرہ امکان سے ہم کتاب ہے۔ عالم کو ہر دو سلاہ میں ایک ذرے کی جنبش بھی اس کے حلقہ غور سے پہنچ رہی ہے۔ غالب ایک فلسفی ہے جو شاعری کا چاند زہرہ کی گئے ہوئے ہے۔

غالب و صریح الوجود کے قائل ہیں وہ خدا کو ہر سو سے مغموم نہیں خیال کرتے بلکہ اس کا مذہب ہمارا ہے۔ فلسفہ کی کوئی سوال اس سے زیادہ مشکل نہیں کہ دنیا کی آخرین کس درجہ سے ہوتی ہے۔

غالب اس کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں

دہریہ مہلک بھگتانی مشوق نہیں

ہم کہاں ہوتے اگر حسی نہ ہوتا خودی

مبارک عالم حسی ہے اور حسی کو فنا خائے اظہار ہے اس لئے دنیا عدم سے وجود میں آئی ہے دنیا ایک آئینہ ہے جس میں حسی ازل خود ہیں ہے یہ خیال مرزا غالب کا اپنا خیال نہیں ہے بلکہ اسلامی تصوف کا مقصد ہے مگر جس خوبی کے ساتھ مذکورہ بلا شعری مرزا غالب نے اس کو ظاہر کیا ہے مولانا عبد الرحمن جاسی کے علاوہ کسی نے اس خوبی سے اس کو نظم نہیں کیا۔

اہل تصوف نے اس راہ کو جو غالب کو مطلوب حقیقی تک کے بنائی ہے تین عوام یا سات واسطوں میں تقسیم کیا ہے۔ ابتدائی عالم ہمارا ہے اس میں ذہن اسرار حق کے رازوں کی حلقہ کشائی کرتا ہے۔ اور عقل راہ معرفت کلوسہ دکھاتی ہے۔ غالب عالم ہمارا ہے کہتے ہیں

مرد ہر دو مرد ہے جو مڑ گاں اٹھائے

طاقت کہاں کہ دیے کا اماں اٹھائے

لہذا خود ہے جان اور ہمارا ہے اور جو چیز لہذا کو ترقی جنبش میں لاتی ہے وہ حرکت ہے مگر حرکت خودی ذات سے آخر جنبش کی قدر سے نہیں رکھتی جب تک کہ تمہیں نہ ہو۔ اگر حرکت میں قائل نہ ہو تو دنیا عالم نساہ سے عالم کن میں بنا سکتی پس علت العلل و بذات یا طاقت ہے جو حرکت کے پس پشت حرکت کو تھیں دیتی ہے۔

ہے کائنات کو حرکت ترے ذوق سے

ہر تو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

ہے تہی تری سہ ماہ وجود

ذرہ ہے ہر تو خود شہید نہیں

عالم جبروت سے عالم لاہوت کا راستہ دہی ترقی میں سے ہے۔ العلم حجاب الاکبر میں گذر علم میں ترقی دہی ہوتی جاتی ہے لامیت سے بعد ہوتا ہمارا۔ شرارہ کا علیاں آتش کے نظارہ کرنا۔ اس سے واقف ہونا آسمان ہے ایک گونہ ترقی خودی میں سے اس کا مشاہدہ کیا جائے تو وہ ایک آتش کوہ معلوم ہوگا جس کی کیفیت کو مطالعہ کرنا ناممکن ہے جس قدر

حقیقت عالم پر وہ سے روشنی میں آتی جاتی ہے ورنہ غائب رہتا جاتا ہے جوں جوں تک کہ ایک عام حیرت اور استغراق کا عالم  
ظہور ہوتا ہے۔ مرزا غالب نے اپنا اس کیفیت کو جس غلی سے اپنے کلام میں بیان کیا ہے۔ اس کی مثال موجود  
نہیں ہے

اجل ظهور، مشاہد و مشہود ایک ہے  
میراں ہوں پھر مشاہد ہے کس حساب میں

جب کہ تجھ میں نہیں کوئی نمود      پھر یہ جنگا سارے خدا کیا ہے  
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں      غمزہ و عشوہ وادوا کیا ہے  
مشکن زلف غنیری کیوں ہے      نگہ چشم سرور سا کیا ہے  
سبزہ دلی کہاں سے آئے ہیں  
ایر کیا ہیز ہے ہوا کیا ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے      ہر تجھ میں تو کوئی شے نہیں ہے  
ہاں کھائیڑ مت فریب جتنی      ہر چہند کہیں کہ ہے نہیں ہے  
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب  
آخر تو کیا ہے، اسے نہیں ہے

واوکی حیرت کا راستہ بنائیت پر غلط ہے۔ بہت سے طالب حقیقت اس سے آگے نہیں پہنچ پاتے،  
یہ مرزا اب اور شہنشاہ کی کیفیت ہے

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان رنگ آفر  
تجیز آب برجا مانہ کا پاتابے رنگ آفر

لیکن جواہر لعل مرزا، وہ بدیر حیرت اس دلی کوٹے کر جاتے ہیں۔ مرزا غالب جب اس کیفیت کو  
جب یہ کتاب ان کی نگاہ سے رفتہ رفتہ اظہار ہے، لعل بیان کرتے ہیں،

کثرت آرائی و عدت ہے پرستاری دہم  
گرد کا فران اہنام خنیاں نے لکھے

آہستہ آہستہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ جنگا سارے پری چہرہ لوگ، یہ غمزہ و عشوہ وادوا، یہ مشکن زلف غنیری  
یہ نگہ چشم سرور سا، یہ سبزہ دلی، یہ ایر و ہوا، اہنام خنیاں ہیں، اس کثرت کا تسلیم کرنا پرستاری دہم ہے۔  
حقیقت سب کی وعدت ہے جب طالب حقیقت سے دوچار ہو گا ہے تو من و کوکے امثال ذات منط ہلتے  
ہیں اور امثال اور غیر خدا کا فرق باقی نہیں رہتا ہے

ظہر دریا میں جوں جاسے تو دریا ہو جاسے  
کام اچھا ہے وہ میں کا کہ حال اچھا ہے

منصور کا اَنَا الْفَنِّ ہکارتا، اور باخیز یہ بھڑائی کا یہ کہنا کہ خدا میرے ملبوس میں ہے اسی کی خدمت کا ثبوت ہے۔ سرمد کی طرح مرزا خائب کہتے ہیں، سہ

جلا دے ڈالتے ہیں نہ وہ غلط سے جھڑکتے  
ہم گئے ہوئے ہیں اُسے جس میں ہمیں میں آئے

وحدت الوجود کا مسئلہ تصوف سے مخصوص نہیں، معتزلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ فیضان و شوق، دامن ابن عطا، محمد بن حمید، مادہ، روح اور خدا، خیروں کو اذی اور ایدی خیال کرتے ہیں۔ خود فلسفہ قدیم و جدید میں یہ ایک سرگرمی الٹا مسئلہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ فلسفے کے جملہ مدارس و فرقوں میں تقسیم ہیں۔ وحدت الوجود کے قائل کہتے ہیں کہ تمام عالم مادی کو از فیض کیا جاسے تو ابخیز وہاں ہے اور ابخیز خود تخلیق ہو کر خیال اور خیال نہیں ہو کر صرف موجب الاسباب باقی رہ جاتا ہے۔ خیال کی نیکی اور بدی محض قسطن مادی کی وجہ سے منتقل آتی ہے و نہ جڑ سے ایک کے خیال میں نیکی ہے وہی دوسرے کے خیال میں بد ہے۔ بالذات نیکی اور بدی کا وجود نہیں، توحید کے قائل خدا کو فانی اور ماسوا سے مخلوق خیال کرتے ہیں۔ خدا دنیا سے بے تعلق اور آزاد ہے۔ شہوت کے پیروں کا اور جہی کو اہرمین اور یزوال کی مثال ہمیشہ مصروف پیکار رہتا ہے، مادہ اور روح کو متحد بالذات نہیں بلکہ متکلف انداز کہتے ہیں۔

جدید ترین فلسفہ اور حکمت کی تحقیقات وحدت الوجود کی طرف مائل ہے۔ اسپینوزا (SPINOZA) کا قول نہایت مسلم ہے۔ حکمت میں (HECKEL) کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان ہو سکتا ہے: "عالم کا تمام نقد و فیہ ابخیز ہے"

موجودہ زمانہ میں سب سے اہم حقیقتات مسئلہ ارتقاء ہے اور سائنسوں کی کتب ماضیہ میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے اور افکار ان، ابوعلی سینا اور خصوصاً الحسن کے نام سے منسوب ہے اور ہذا کے کتب خانے کی کتابوں کے وجود اتفاقاً تھری، و سائن اخوان الصفا، قرآن لاضرہ، مشنوی معنوی و دیگر میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ لیکن واقعہ اس کے لحاظ سے اس کا خسر زمانہ جدید ہی کو حاصل ہے۔ ڈارون اور مرزا خائب ہم عصر ہیں۔ گورڈون کو ایک دوسرے کا کچھ بھی علم نہ تھا۔

مسئلہ ارتقاء کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ ڈارون (DARWIN)، اسپنسر (SPENCER)، ولس ہاوس (WALLACE)، ہیگن (HECKEL)، وایزمان (WEISMANN)، ڈنٹل (DENT) وغیرہ تقریباً ایک ہی وقت میں ایک دوسرے سے آزاد طور پر اس کا پتہ لگانا پیرور ڈالتے یہ ہے کہ ہر عہد کی روح العصر ہوتی ہے جس کو المانی ZEITGEIST کہتے ہیں۔ وہ روح العصر کی طرح حسب ضرورت زمانہ انسان کو تقسیم کرتی ہے۔ مرزا خائب نے بھی مسئلہ ارتقاء کو پہچانا ہے۔

لوٹے زے (LOTZE) کا بیان ہے کہ عالم کی یہ کیفیت ہے جس طرف تک رفتہ رفتہ منازل بہ منزلت نمود پڑے جو کہ تناور درخت ہو جاتا ہے ، یہ "جان عالم" ہے ۔  
 فان ہارت مان (VAN HERTMAN) اس کا قائل ہے ۔ زمانہ جدید کا سب سے بڑا فلسفی برکس (BERGSON) اس کو جانتا ہے اور کہتا ہے کہ حیات جو تمام عالم میں جاری ساری ہے بالذات آماوگا ارتقا ہے ۔ دنیا بڑا برتیل پارچہ ہے اور مشتعل ہے ۔

مرزا غائب نے اس بات کو کسی نزاکت سے کہا ہے

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں بنوڑ

پیشِ نظر ہے آئینہ واکم نقاب میں

یعنی معشوق عالم جو موجودات کے نقاب میں پہنا ہوا ہے براہِ اپنی جہاں آرائی میں مصروف ہے اور آئینہ نقاب ہی میں سے ہونے لگتا ہے کہ وہ دورست کر رہا ہے جب عالم تمکین کو پہونچ جائے گا تو نقاب اٹھ دے گا ۔  
 عالم کو دیکھتے ہی سے محو ہوتا ہے کہ ابھی کس چیز کی کمی ہے شش جہت آراستہ ہو رہے ہیں اور مشتعل ہیں سے  
 کس کا سراغ چل رہا ہے حیرت کو اسے خدا  
 آئینہ فرش مشعل جہت اشتغال رہے

(۱۱)

غائب عالم کو عیاں خیال کرتے ہیں سے

باز بچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور

جز وہم نہیں ہستی اسما میرے آگے

یہ چندہ دل کی قدیمی تعلیم ہے لیکن ہندو عام طور پر اس کا مفہوم غلط سمجھتے ہیں ، اور خیال کرتے ہیں کہ عالم کا وجود ایک فریب نگاہ ہے ۔ ایک مشقت سراب ہے جو خواب میں نظر آتا ہے ۔ ایک خواب ہے جو چشم کو دیکھتا ہے ۔ میرزا غائب کی حقیقت میں عقل اس مقابلے سے آزا ہوئے ۔ غائب لفظ ہستی کو ہمیشہ مادہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں ۔ عالم کو اجسام خارجی سے محو نظر آتا ہے اور غایت لطیف غازیات سے لے کر غایت گراں غزوات تک عن عمر کے ہے ۔ مادہ کا وجود محض بالاعتیت ہے بالذات نہیں ۔ زندگی کی جتنی جانگھ چلتی پھرتی تصویریں حرکات اصوات الوان کوئی وجود نہیں رکھتیں جب تک کہ ذہن ان کا ادراک نہ کرے ۔ وجود کی بنا تصور پر ہے ۔ یہ تصور کوشش سے آلاؤ ہو جاتا ہے ۔ جس سے اس پر یہ اعتراض عالم کیا ہے کہ فرض کرو کہ ہم اپنے دوست کو جو موجود نہیں اپنے پہلو میں موجود تصور کر لیں اس خصلت کی دوسری اس کا غائب اور حاضر ہونا مساوی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ متغیر کی حدود



سے کسی تصور کا قائم رہنا ایک مقام اور مستقل کوشش پر منحصر ہے۔ جب تک تم اپنے دوست کا خیال کرتے ہو گے اور جتنی تسخیرات اور منت سے تمہیں کو کام میں لادو گے وہ نقش قائم رہے گا جہاں میں اس نقطہ سے بارہی اختیار کر کے کا نقش محسوس جائے گا۔ بخلاف اس کے موجودا مشیاء کا تصور کوشش سے نکلا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جائے گا کہ اگر تمہارا فلسفہ یہ ہے کہ تمہارے وجود سے عالم مادی کا وجود ہے تو اس کے معنی یہ ہونے کہ تمہارا وجود محدود دنیا کو مطلق کر دے گا اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں سے جہاں مادہ کو اپنے تصور سے قائم کیا ہے وہیں یہ بھی معلوم کیا ہے کہ تو اس سے مماثل اور بہت سے مادہ موجود ہیں جو میری طرح سے قائل اور متحرک ہیں۔ بہت سے مقام پر جس کے اثر اور اقتدار سے باہر ہیں۔ اس کے اثر اور اقتدار میں ہیں۔ تمام مادہ میں ہیں خود میل ہم اور جتنی نوع کے اشیاء حاصل ہیں بے جان اور بے کالم ہے۔ وہ روح، وہ دماغ، وہ خیال، وہ حیران پر قائل ہے حقیقت ہے۔

غالب کا فلسفہ پس نواز (SPINOZA) ہیگل (HEGEL) برکے (BERKELEY) اور فیشٹے (FICHTE) سے ملے۔ حکمت کی رو سے بھی مرزا غالب کا خیال صحیح ہے مادہ سالمات سے مرکب ہے اگر پانی کے ایک قطرہ کو کرۂ ارض کے برابر خیال کریں تو اس کے سالمات جو کلن کی گیند سے بڑے ذروں کے تمام سالمات دراصل حلقوں کی مثال ہیں۔ سالمات اجزاء سے مرکب ہیں جو اب انہی ذروں کی مثال ہیں بلکہ جو ہر برقی سے مرکب ملے جاتے ہیں۔ ہر ذرہ کو گر ایک کمیسا سے مشابہ خیال کریں تو بقول سرسورد رائے (SARSWAD RAI) جو ہر کمیسا میں اذنی ہوئی مکھیوں کی مثال ہیں اگر ان کو تحلیل پھر تحلیل کر کے توان کی ساخت طبقہائے اشرے ہوئی ہے اور اگر اشرے مطلق کی مراد کل جائے تو محض تخیل باقی رہ جائے گا۔

ہستی کے مت فریب ہیں آجیا بنوا سدا

عالم تمام حلقہ دارم خیالی ہے

وہ کیا چیز ہے جس نے خیال کو حقیقت میں اپنے نگہ میں ذات باری ہے اس پر آمادہ کیا ہے کہ وہ عالم کے مختلف بلوی لباسوں میں جب بدرجہ جلوہ گر ہوتا ہے۔ جمال الہی اگر یہ تھا فلسفے اعمال میں وجود چاہتا ہے تو وجود مادی کی کمیوں اختیار کرتا ہے۔ اس کا جواب مرزا غالب کے سوا آج تک دنیا کے کسی فلسفی نے نہیں دیا اور وہ جواب یہ ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

بھس ڈنگار ہے آئینہ باد بہار دی کا

یہی باعث ہے کہ بقول اسپنسر (SPENCER) مادہ خود اجنس اشیاء سے مختلف اشیاء کی نگہوں کے لئے آزاد حالت سے لازب کی حیثیت کی طرف چلتا تھا عالم حیوانات میں جاندار جس قدر مادی سے بناؤت کی طرف بڑھتے ہیں اور اعلیٰ درجہ پر آتے ہیں وہ گہر حکمت کے خمیر میں کثافت زیادہ ہوتی جاتی ہے یہی باعث ہے کہ شاعر کے دل کو اپنی نگہوں کی ہوائی لطافت کے حاصل کرنے کے لئے علم کی آگ میں جلتا پڑتا ہے۔

غالب ان لوگوں میں نہیں ہیں جو حدود کے قائل ہیں اور ان کے سامنے انکسار بجز کر کے رک جاتے ہیں وہ بلا ادب کی طرح یہ نہیں کہتے کہ حقیقت عالم پر وہ غریب ہیں نہیں اور نہیں ہے اور علم کے معاملہ سے باہر ہے وہ حافظہ کی طرح پچاڑی

کا اظہار نہیں کرتے تھے

ایں راز نہاں ست و نہاں خواہد ماند

بلکہ وہ کہتے ہیں کہ دل دانہ و چشم بے نیل کے لیے کوئی راز نہیں ہے

محسوس نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا

ہاں در در جو گلاب ہے ہر وہ ہے ساز کا

کوشش تو اکوہر وقت یہ تمام حقائق کو پہنچا رہا ہے۔ عالم کا کون و دلوں رات ہماری آنکھوں کے سامنے واقع ہوتا

ہے جو عالم سکون میں نظر آتا ہے وہ بھی چشم بیک کو جینکے تار و دکھائی دیتا ہے۔

غنیچہ ناشگفتنی ہا برگ عاقبت معلوم

با وجود دل بھی خواب گل پر بٹھاں ہے

اور جو عالم ارتعاش کثیف اور تحریک میں دکھائی دیتا ہے وہ بھی بسے زنجیر کون ہے۔

کٹ کٹ ہائے جست سے کہہ کیا سن آواز

ہوائی زنجیر موی آب کو فرصت روانی کی

یہ کون و دلوں کا نقشہ صاف بتاتا ہے کہ کوئی صورت نکلا اس پر دے کے عجب میں موجود ہے۔

نقش فریاد ہے کس کی شوقی تحریر کا

کاغذی ہے پیر بن ہر پیکر تصویر کا

جب میں غالب کی طبیعت پر غور کرتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ یہ تفکرات کی ایک جہیز قرین تحقیقات

فیصل کی جاتی ہے مثلاً جیسے سے زیادہ ریاضی کے غنیمتوں پر مبنی ہے کہ اگر ہم فضا کے سماوی کے سبب سے آخری تار سے

اور سیارے تک پہنچ جائیں تو وہاں سے آگے بھی دیکھ ہی سترارے اور سیارے نظام ہائے شمسی قزاق وغیرہ موجود ہیں۔

آہا فضا بھی بے اندازہ ہے اور نہیں معلوم کے خلا کے اخیر کہاں شروع اور ختم ہوتا ہے۔

منظر اکہ بلند کا ہر اور ہم بنا سکتے

فرش سے ادھر ہوتا کاش کر مکان اپنا

معلوم یہ حقیقات میرزا غالب نے جھپٹیں مسعودی اور مرزا خیام کے مطالعے سے اخذ کئے یا وہ اپنا وقت دہلی

کے جڑ مٹر میں گزارا کرتے تھے اور جہازوں کی طرے ڈیو ستارہ بینی میں مرا، فلکسیمائی کیا کرتے تھے یا علم ریاضی کے

ڈیجے انہوں نے اس کا پتہ لگایا یا ان کی نگاہ خلیل خود فضا پہنچا تھی۔ کائنات (KANT)، لاپلاس (LAPLACE)

اور ہرشل (HERSHEL) اور ان کے جانشینوں سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ نظام ہائے فلکی کی

آفرینش اس طرح ہوئی جس طرح کسی خاد سے ٹکڑے جو کہیت میں مائل ہوتے ہیں ٹوٹ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں

یہ جیسے کہ کسی چیز کو پھینکتا ہے۔ میرزا غالب کو طور شیعہ کی نسبت یہ کہاں سے معلوم ہوا

پھوڑا نہ نمشب کی طرح دست قضاے

نور شید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

جس شخص کی نگاہ سے ستاروں کی آفرینش فانی نہ تھی اس کے لئے جغرافیہ جدید حقیقات کی حقیقت دکھتی ہے  
بمسرور بکسر نہ ہو کہ تو بیاباں ہوتا

(۱۲)

مرزا غالب کی عبادت گاہ عرض ذکر سی کے سامنے میں ہے وہ شیخ جس پر وہ اسمائے الہی کا ولیٰ بن چکے ہیں، مسد  
ہزار دہے اور وہ اسے اہرام فلکی اور اجسام سماوی ہیں۔ کعبہ اور کلیسا اور کنشت اس رفیعہ بارگاہ سے یکساں نظر آتے  
ہیں، بھل عوام و خواص کا مذہب تھی جو جانتے مرزا کا مذہب آغاز ہوتا ہے  
ہے ہر سے سرحد اوراق سے اپنا سمجھو  
قبیلہ کو اپن نظر قید نہ کیجئے ہیں

ذات خداوندی کو جملہ مذاہب کا مقصود ہے خدا تعالیٰ خود طریق و ملت کی قید سے آزاد ہے مرزا غالب بھی کس  
ارضی مذہب کے پابند نہیں بلکہ

I SET AS GOD HOLDING ON FORM OF CREED BUT CONTEMPLATING ALL

ان کو ہر مذہب کا اس قدر پاس ہے کہ انہوں نے سب میں شرکت کی خاطر تمام عبادتیں، رسوم کو جو باعث اعتقاد ہیں  
ترک کر دیاتے  
ہم جو صمد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم  
میتیں جب مٹ گئیں اجڑا سکے ایمان ہو گئیں

ان کی طلب اور آرزو ووزغ کے عذاب کے خوف اور جنت کی لذت کی حرص سے آزاد ہے  
مٹ نش کرے نا ہر اس قدوس باغ رضوا کا  
وہ اک گلستا ہے ہم بے خوروں کے قہقہوں کا  
جنت فی الحقیقت عوام کے لئے ایک خوش آئند خیال ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن  
دل کے خوش دنگے کو غالب یہ خیال اچھا ہے  
حقیقی شہت قرب الہی اور حقیقی جہنم بقدر خداوندی ہے

سمتے ہیں جو بہشت کی تشریف سب درخت  
لیکن حسدہ اگر سے وہ تری سیلوہ گاہ ہو

اگر جنت کی ہواؤ ہوس، دوزخ کا خوف و ہراس دل پر غالب ہو تو عبادت میں مصیبت ہے۔ یہاں تک کہ اگر  
غالب کو یقین ہو کہ اس کی متاعا شد درجہ قبول ضرور حاصل کرے گی تو یہ خیال ہی سہما نیاز نہ کہ باطل کر دینے کے لئے  
کافی ہے

مگر تجھ کو بسے بیشین احباب بت دیا نہ مانگ

جنت اور دوزخ اور امید و بیم عاشق عشق حقیقی اور معرفت ایزدی ہیں۔ انڈیا کیرس مقام پر نشتر ہیں جہاں سے یہ فتنی صا اور فرما دیا ہے

طاقت میں تا رہے نہ سے دانگیں کی لاگ  
دو زخ میں ڈال دو کوئی سے کر بہشت کو

اس پایہ کے لوگ جب سفر کعبہ کو نکلتے ہیں تو کعبہ خود ان کے استقبال کو آتا ہے اس جادو پیاپی کا برف خیز  
خیاں میں ہے ایک قدم اس تمام زندگی کی مسافت سے جو سفر نماز میں ختم ہو دیا وہ ہے۔ ایسے آؤں گا کہ گئے صم  
کی خود رائی لایا کہنا ہے۔ عمر ضام کہتے ہیں کہ جب قیامت میں مجھ سے سوال ہوگا تو میں کہوں گا ظ  
ایں رہا ہے کے بگو قرآنہ شناسد

مرزا غالب جو دھڑی دیکھتے ہیں کہ سے

جنگی میں بھی وہ آنا وہ وغور ہیں جی کرم

اُسے پھر آئے ویر کعبہ اگر وا نہ ہوا

کیا محب ہے کہ حضور و نور مشرق میں یہ عرض کریں سے

آئیںے داغ حسرت دلی کا شمار یاد

مجھ سے مرے گئے کا حساب اسے خدا نہ مانگ

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی سنے داو

یارب اگر ان کو وہ گناہوں کی سزا ہے

جو صباوت اس ورچے پر پہنچاتی ہے وہ قید کنز و دیں سے آزاد ہے وہ عشق کامل ہے سے

وفا داری بہ شرط استواری عین ایماں ہے

میرے بہت خانے ہیں تو کہے ہیں گا ڈو برہمن کو

(۱۳)

انہی کی اصل مرزا کے خیال میں علت اسفل سے ایک ہے اور حیات اس کا اپنے میدا سے جدا ہونا دینا

میں آئے ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں سے

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

ڈوبو یا مجھ کو ہوسنے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

انسان کا عدم سے وجود میں آنا بھرتے قطرہ ہو جاتا ہے۔ مولانا روم نے فرمایا ہے کہ : میں نے ”ہوں“ ہوں“ میں وہ سرورِ نواز عالم صورت سرمدی دم کرتا ہے سے

از نیستانِ مرا۔ سریدہ اند

از نقیرِ مردوزن تالیفہ اند

مرزا غالب کہتے ہیں سے

نہ گلِ لعلِ ہوں نہ پردہ ساز

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

مرزا غالب کا فلسفہ حیات اپن رشد سے شاید ہے۔ اندلسی فلسفی نے بیان کیا ہے کہ مادہ جھپٹے ہیرن کی مٹا ہے۔ بلکہ صورتِ مادہ کے کائناتوں کا ممکن ہے۔ ایسی اور اداس کی طرح مادہ سے صورت پختہ ہونے کے لئے پریشاں علیحدہ تصور میں نہیں پھرتے بلکہ مادہ سے یک جان ہیں۔ مادہ چونکہ ساغر ہے۔ مادہ کے جذب حیات ہونے سے کائنات اور خزانِ عالم اجسام میں راہ پاتا ہے۔ مادہ کے ذریعے نوال اور انھما ظاہر ہے  
یہاں جنوں کوں ہو جاتے ہیں سے

میری تیسری میں مضرے اک صورتِ خزان کی

ہیوئی برقِ خرم کا ہے خونِ گرم دہقان کا

مٹا نہ لگی میں مرگ کا گھٹلا لگا ہوا

اڑنے سے چہتر ہی مرا رنگِ زرد مٹا

وہ شے لطیف جو مادہ کی آمیزش سے میات کی تخلیق (ENTELECHIA) دیتی ہے روح ہے۔ روح مادہ کے جیس میں ایسر ہونے سے بھرتا ہے اور اپنے ماضی کو یاد رکھ کر فریاد کرتا ہے سے

ہیں آج بکوں ذیل کے گلِ تنگ نہ تھی پند

گستاخِ فرشتہ ہماری بناب میں

نہ جاؤں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے

جو گل ہوں قسروںِ گلشن میں جو مٹی ہوں تو ہوں گلشن میں

یعنی یہ روح اور مادہ کا امتیاز حقیقت میں ایک فریب خیال ہے ورنہ مادہ محض مالا ہے جب اور اک کامل اور مطلق رہا ہو جاتا ہے تو مادہ کی غیریت خود بخود ناکل ہو جاتی ہے سے

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بعد ہے

جس کا کہ دم غیر کے ہوں پہنچ دتا ہے

جو راز عالم سے واقف ہو جاتے ہیں وہ اکرام اور تحیفات نہیں پاتے اور شکایت نہیں کرتے بلکہ غلط فہم حیات کے ہم سفر اور شرافت ہو جاتا ہے۔ قید و حیات و بند و آزاد میں دو فرق ایک ہیں۔ غور۔  
 موت سے پہلے آوی تمہارے نجات پائے کیوں  
 پیش و نشاء دنیا گزرتی روں اور کم ظرفوں کا حصہ ہے جو رزقِ آتش نوش ہیں ان کے لئے شرابِ خمِ غمِ غم  
 ہے جو کیف مٹنے سے محروم ہے۔

وہ خود قہر و غضب جیب کوئی ہم سا نہ ہوا  
 پھر غلط کی بات کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا  
 پہچنے ہے کیا وجودِ صدم اہل شوق کا  
 آپ اپنی آگ کے حق و عاشاق ہو گئے

جہاں رزقِ غایتِ خوب ہے مگر جہاں رہی ہیں کہ سمیتِ انگیز ہونے کی نہ مرنے اور نہ طرب لاسکے  
 کمال میں ہے۔ شکر رکھتے ہیں :

”خوب صورت ہے ساروں سے آرامت و مختلف رنگ کے جواہرات سے  
 بڑا ہوا تیرا لکھن، لیکن میرے لئے تو اس سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے  
 تیری تھوڑی اور محترم و مشغولہ پھیلتے ہوئے بارش کی طرح بھلے کا سامنہ لکھنے  
 والی تلوارِ خوب آفتاب کی خضہ ناک سرخ روشنی میں پوری طرح نکلی ہوئی تلوار  
 وہ کا پتی ہے جیسے موت کی شیلہ کن ضرب پر شدتِ درد میں زندگی کا آخری  
 جواب۔ وہ چمکتی ہے جیسے ایک ٹوٹ ناک پتھر کے ساتھ دنیاوی حس کو  
 جلا دینے والا پاک شعلہ ہستی۔ خوب صورت ہے تاروں جیسے جواہرات سے  
 مزین تیرا لکھن۔ لیکن تیری تھوڑی ساخت میں اسے حرکت کے مالک کمال حسن  
 صرف جواب ہے جو نہایت دقیق و نازک کے نزدیک جیب ہے :

یہاں باعث ہے کہ مرزا غائب نے افلاطون کے استاد سقراط کی مثال تلخ زہر آب کو ہمیشہ نوش خیر پر ترجیح  
 دی۔ غائب کا علمِ افلاطون جہاں سہارا ہے اور غور۔

جہاں سہارا ہے شجرِ بید نہیں

مرزا غائب ان باتوں پر دوشِ فلسفیوں میں نہیں ہیں جو زندگی کو مائتِ خانہ اور اپنی دنیا کو اصل جہانِ  
 خیال کہتے ہیں۔ وحدتِ الوجود کے فلسفہ کا پہلا سبق یہی ہے کہ ماسوائے خدا صرف عارضی طور پر پیدا ہیں اور

بہارِ موت پر یہ جیڑائی ختم ہو جاتی ہے۔ نظر

عشرتِ قطر ہے دریا میں فنا ہو جانا

انسانی غرور کو اپنی غلط بینائی سے اور انداز سے غلطی اپنے ماحول سے مبرا خیال کرنے لگتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ دنیا میں اجنبی ہوں اور میں افسانہ اور ترائین سے گھرا ہوا ہوں لیکن انسانی اور مخلوق میں حقیقت میں کوئی فرق و جانکی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ موت میں اس میں رخنہ پیدا نہیں کرتی۔ اپنے شیعوں میں لکھا ہے :

”موت اور بقا ہمیں کاسایہ ہے“

موت اور حیات میں کوئی فرق نہیں نہ تضاد ہے بلکہ حیات ہی موت ہے۔ حیات کی آمد ز ندگی اور رفت موت ہے۔ موت حیاتِ عارضی کو دائمی کر رہتا ہے

فنا کو سوچ اگر مستحق ہے اپنی حقیقت کا  
خروج طالعِ غاشاک ہے موقوفِ گمنی پر

عشرتِ قتلِ گمراہی مستحقِ موت ہے  
میدِ نثار ہے غریب کا عسریاں ہونا

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی بھتی  
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نکل میں ہے ہماری جاوید راہ فنا غالب  
کہ یہ ہیشیرازہ ہے عالم کے اجڑائے پریشاں کا

مرقا غالب موت کے مقابل میں، خائف بھڑکی مثال نہیں ہیں۔ وہ ان میں سے نہیں ہیں جو جس قدر موت سے خالی اندہن ہو تا چاہتے ہیں اتنا ہی خیالِ مرگ ہی کو مستحق ہے۔ موت کا خوفِ خوف کرنے سے بڑھتا ہے۔ موت کو خواہ کواہ سخت ہزار لکھا ہے۔ لیکن کا قول ہے :

POMPA MORTIS MAGIS TERRET  
SUAM MORE IPSA.

لیکن موت بیماری نہیں۔ موت سے زیادہ بہل کوئی اور چیز نہیں ہے  
ہے تو آموڑِ خشتِ ہمت و شہادہ پسند  
سختِ مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان لکھا

موت سے انسان کے گھبرانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو یہ خوف دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں احتشام زندگی چرادر شخصیت کو مہوش کے لئے گل نہ کر دے۔ لیکن جیسا کہ مائٹرلنک (MAETERLINK) نے بیان کیا ہے ہستی محض یادوں کا مجموعہ ہے۔ جو پتھر میں تمام حلا وہ سے ایک عارضی امتیاز دے رہی ہے وہ چند یادوں کے اجزائے پریشانی ہیں۔ اور یہ عارضی امتیاز ایسا عارضی ہے کہ - نشہ ہے - "عالم خواب" - جنوں - معذرت عارضی - رویہ - تنگ میں قائم نہیں رہتا یا مستحلب ہو جاتا ہے۔ مرزا غائب اس خوف میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ ان کی مشکوک طلب طبیعت کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں اچانک یہ موت بھی ایک تنازع البقا اور کون دنا دہی نہ ہو سکے

دائے دل بھی شور مچانے نہ دم لینے دیا  
لے گیا تھا گور میں فوقی تن آسانی لے

موت سے زیادہ گوارا کوئی پسند نہیں۔ مسکرات اور مزاح تو زندگی کا نا ہے۔ موت کا نا نہیں۔ موت تو تمام نکاحیاف یعنی کو ختم کر دیتی ہے۔ آکام جسمانی سے نجات دلاتی ہے اور عذاب روحانی سے آزاد کرتی ہے۔ داغ عالم میں افراد اخراجی شال ہیں۔ بہت سے ترش ہوتے ہیں جن کو تا ختم مہار محنت ہونے کے منتظر رہ کر نا پڑتا ہے۔ بعض شیریں کو پا ہی نہیں سکے اور مرض یزدوں کے باعث اپنی شاخوں کو پیریا نہیں کہتے۔ بعض اپنی گرائی باری سے شافکہ کو دھبیٹے ہیں۔ بعضوں کو ہوائے تند خواب کی دھجی ہے۔ میں کو چار پاخانہ رات کو کھاتے ہیں۔ بعض کے طلب میں دیوان گھر بنا لیتے ہیں۔ بعض کارنگ خواب صرت ہوتا ہے لیکن عداوت سے عاری ہوتے ہیں۔ بعض گوفو شہوں لکھتے ہیں ذاکلان کا رخ کام کرنا ہے۔ بہت سے بچے ضعیف پیدا ہوتے ہیں تو بہت سے ضعیف کا دم گور بچے ہی رہتے ہیں بعض جوانی میں سر سفید ہو جاتے ہیں، بعض پوری میں بھی سر سفید دنان سفید رہتے ہیں، لیکن موت کے آرام کی سب کو ضرور دست ہے

دعا پنا گفن نے داغ عیوب برہنہ

یہ دودھ ہر باس میں ننگ دھوکتا

سب ہی اپنی موت کو اس کے چاہتے ہیں۔ منہ پہنے سے اپنے آخری وقت سے مطلع ہونا چاہتے ہیں۔ سسٹرن، فطی بہار میں پنجرہ ریزہ سرسریوں میں دب کر مدحون ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ سب غامی ہے براہی قوت میں ای قیود کے قائل نہیں سے

تجیشہ بنیر مر نہ سلا کوہ کن اسد

سرگشتہ شمار رسوم و قیود تھا

موت کے بعد ہم محض ایک کالبہ ایک نشانی رنگاں سے زیادہ نہیں۔ روح کا چلا جانا اصل واقعہ ہے۔ جسم کا وہ لانا اس سے زیادہ نہیں۔ جیسے کہ گل کی پریشانی پشگلہاں خشک ہو کر گر پڑتی ہیں جس طرح صبا کھلب کی پتھوں کو لانا کر ڈھیریاں دگا دیتی ہے اور کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ اس جسم کو کبھی خصلوں کی نذر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ مشراب سادہ کر دے دیا جائے کہ وہ اسے یاد میں آخستہ کر کے اس سے پھر جام تیار



کرتے یا لگیوں میں تشبیر کیا جائے تاکہ ایک آخری کام اس سے بھی سراپا تمام ہو سکے  
لگیوں میں میری نمش کو کیٹھنے پھرد کو میں  
جہاں داد دے ہوائے مسبر راہ گزرا رہتا

(۱۵)

ختمہ کیا ہے ؟ اور ملکہ زمانے سے آج تک فلسفی اس مسئلے پر غور کرتے آئے ہیں۔ جہاں سے ذہن فلسفہ میں  
لاٹ (KANT) اسپینسر (SPENCER) ہیکر (HECKER) کریپ لین (KRAP - LIN)  
(BAIN) بی (BAIN) لپس (LIPPS) میرے ڈوٹو (MEREDITH)  
اور برگس (BERGSON) نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے، اور جیب اور نکات پیدا  
کئے ہیں۔

تہذیب ہمیشہ مجلسوں میں جنم ہو رہی ہے۔ جہاں گرم صحبت نہیں یہ سادہ مخلوق بھی نہیں۔ اس وجہ سے مکھنوں کے  
قیصر بارغ کے عیاشانہ مجلسوں کے رند، انش، اور جرأت اور آگرہ کی برت کی ہولوں کے گھسیا ٹیکر کے قہقروں کی  
آواز آج تک بلند ہے اور میر تقی، میرور اور غالب کے کلام میں جو دنیا سے غصہ وادہ منگنا عالم سے دور رہنے  
طاوہ میں گالی بنیو گئی اور خاموشی کا اثر ہے۔

تہذیب قدرت کا غلبہ نفس کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ صحت بخش ضروری ہے لیکن خود اخلاقی زیادتی اور  
مرغن کی علامت ہے۔ چنانچہ رنگین اور دیگر جنرل سرا شعرا کا اصل علاج ہندوہ قصد ہونا چاہئے تھا۔  
مرغان کی طبیعت میں خیالات سلیب کو مطلق ڈر نہیں ختم، اصلاح عیوب کے لئے ایک ہتھیار ہے۔ اس  
میں اختلاف نہیں بلکہ ظلم پایا جاتا ہے۔ سودا اور اکبر کے تہقیر کی کی شہی ہے۔ غالب کی طبیعت میں رحم ہے وہ انسانی  
کو رویوں پر سب اتار دیتے نہیں بلکہ شہم آسا رکتے ہیں۔

ختمہ لا عقل کی علامت ہے۔ زندگی کو جو شخص دور سے دیکھتا ہے اوسے پر وار رہتا ہے وہ ہنسکتا ہے۔ اور  
جو قریب سے دیکھتا ہے اور اس میں شریک ہوتا ہے وہ نہیں ہنستا۔ غالب زندگی کی خارجی کیفیات سے اندرونی  
جذبات کا اعلاہ نہیں کرتے بلکہ اپنے اندر دفنی جذبات سے خارجی کیفیات کا سوز نکالتے ہیں۔ اس لئے غالب کے  
لب بنی سے آواز آتا ہے۔

ختمہ غم سے عواطف ہونے کی اور لطف خواب کی علامت ہے۔ الحقائق شیر خوار سوتے ہیں ختمے میں ایک جیب  
بیدار ہوتے ہیں تو روتے ہیں۔ جب تک انسانی آلام درد صاحب سے شہساز نہیں ہوتا ہنستا رہتا ہے لیکن جب ولی ٹوٹ جاتا  
ہے تو کمزور غم کے کوئی رقیب نہیں رہتا۔ بد نصیب مرزا سے تہذیب منشا کی امید رکھتا ہے جانور ہے  
ختمہ غم اور سکون کو چھپانے کا یہ بھی ہے اس مسئلے پر برگس (BERGSON) اور غالب بحث کرتے ہیں۔ برگس  
(L. E. R. I. E) کے اختتام پر لکھا ہے۔

”مسند میں سچے سچے موموں میں رقص پا رہا ہے لیکن قلم میں ہمیشہ امن و سکون ہوتا ہے۔ بالائے آب مومیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور کف لے آتی ہیں، سبکے کفن و روکو۔ منٹ۔ جان کر ساحل سے اٹھاتے ہیں، لیکن جب ہاتھ کھول کر دیکھتے ہیں تو بجز پانی کے کچھ بھی نہیں پاتے۔ متنبہ زندگی کے مسند کا کف ہے جو شخص اس کے رقص کو فاصلے سے دیکھتا ہے خوش ہوتا ہے اور آفتاب سے اس کا منام جان جسم روشن ہو کر طلسم نور نظر آتا ہے۔ لیکن جو قریب جا آئے بعض قریب پاتا ہے اور تلخ کام ہوتا ہے۔“

مرثیوں فرماتے ہیں :۔

عرض ناز شوخی و دغاں بولے خندہ ہے

دعویٰ جمیعت احباب جائے خندہ ہے

ہے عدم میں غنیمت عجب عبرت انجام محل

یک جہاں زاف و تامل و رقعات خندہ ہے

کھنٹ افسردگی کو بخش ہے تابی حیرام

ورنہ دغاں و درولی افسردہ بنائے خندہ ہے

سوزش باطن کے ہیں اصحاب مشکور دنیاں

دل محبہ گریہ و لب آستینے خندہ ہے

لیکن مرثیہ گو بھی بلند آواز سے نہیں ہنستے گاہ گاہ زیر لب تیسیم ضرور کرتے ہیں۔ ان کا تیسیم متغیر نہیں بلکہ مزاج (ESPIRIT) کا آغاز رکھتا ہے۔ یہ اجسام مشوق کے کسی خلافت عادت کام سے یا اپنے خلافت عادت ارادے یا واقعے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کسی کی ثابت کسی کے مشق کوئی جملہ یا اسٹارامیاں یا پٹیاں نہیں ہوتا، بلکہ ہڈوں و کھڑکیوں (VICTOR HUGO) اس کا منشا

POUR RIEN, POUR LE PLASA

ہوتا ہے۔

مہربان کب ان کی بزم میں آتا تھا ڈور جام

ساقی نے کچھ ملا دیا ہو مشرب اب میں

اس ساوگی پہ کون نہ مر جائے اسے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

میں نے کہا کہ بزم نازینر سے چاہئے شہی  
سٹی کے ہستم قرین نے مجھ کو اٹھا دیا کیوں

کہا تم نے کہ کیوں ہو جینر کے ہٹنے میں مروت  
بجائے ہو ہٹا جکتے ہو پھر کیوں کہ ہاں کیوں ہو

صبر سے دیا جینر کی نہ ہڈی ہو کہیں یہ نو  
میتے لگا ہے۔ بوسہ بینر امتا کے

مگر حکمائے کوئی اس کو خط تو ہم سے حکمائے  
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رگوں کو قلعے

گدا سبر کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے  
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاساں کے لئے

انہیں وجہ سے مرزا نے بھی کہی کہ اگرچہ نہیں بلکہ۔ ایک شعر کی نسبت جو مسٹر زاہد جواں بخت کے سرے  
کا مقلع ہے یہ کہا گیا ہے کہ فوق ہر سلسلے لیکن مرزا قطع گزارش میں کہتے ہیں کہ "مقلع میں ماضی سن گستاخاں  
آکڑی ہے اور گاں فراخ دل سے اس قصور کے لئے بھی معافی کے طالب ہیں :

آزادوں دل دشمن خطاست

وہ ایک اشعار کی نسبت لگان ہو سکتا ہے کہ فوق پر۔ جن سے چشم خرو و تھی "زوبے سے

میں جو گستاخ ہوں آئینہ غزل خزان میں  
یہ بھی تیسرا ہی کرم ذوق فراہم ہے  
رکھو غالب مجھے اس تلخ فوائے سے صاف  
آج سینے میں مرے درد سوا ہوتا ہے

ہنا ہے شہ کا معاصی پھر ہے رازنا  
وگرنہ مشہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یہاں خیال یہ ہے کہ لفظ 'غالب' میں ایسا نام ہے لیکن یہ مرشد گانی ہے اور عجیب جو کا اپنا آپ قصور ہے ۔  
ملک ناموس کا مشہور ادیب ہنریک ایسن ( HENRIK IBSEN ) اپنے مشہور ناٹک  
"وارثان تخت" ( KONGS EMNERNE ) میں ہاوسٹاد اور غز کے درمیان مفصلہ ذیل  
گفتگو کرتے ہیں۔

بادشاہ : تم کس طرح مثنوی ہو گئے۔ تم نے فن موسیقی کس سے حاصل کیا ؟  
 معنی : جہاں پناہ فن موسیقی تحصیل نہیں ہو سکتا ۔  
 بادشاہ : جیسی ؟

معنی : نہیں ۔ میں نے یہ نذر ادا کرامِ حق کے ہا مستحق پایا ہے ۔  
 بادشاہ : تو کیا مثنوی ہونے کے لئے علم کی ضرورت ہے ؟  
 معنی : مجھ کو علم سے یہ دولت مل ، بعض کو مسترت سے یہ نعمت حاصل  
 ہوتی ہے اور .....

بادشاہ : اور  
 معنی : توفیق سے جو ایمان کے درجے تک ہوا در شک سے .....  
 بادشاہ : شک سے بھی ۔

معنی : جو ایمان کے درجے تک ہو ناقص نہ ہو ۔  
 بادشاہ : ناقص شک کس کو کہتے ہیں ؟  
 معنی : جہاں پناہ جس میں شک کرنے والے کو خود اپنے شک میں شہرہ  
 پر شعلی ہے جو زور و عظمت ، دانے اور رات و دنوں سے محروم رکھتا  
 ہے ۔

مرزا غالب اپنے شک میں کامل ہیں۔ چنانچہ دریافت کرتے ہیں ۔

ہی آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند  
 غمناخی فرشتہ ہماری جناب میں  
 جاں کیوں بکھلے لنگتے تھے تن سے دم سماع  
 غمروہ صداسنائی ہے چنگ و ریاب میں  
 اصل شہر و مشاہد و مشہور ایک ہے  
 حیران ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

میب کو تجھ بن نہیں کوئی موجود  
 پھر یہ ہنگامہ خدا کیا ہے  
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں  
 غمزدہ و مشوہ و ادا کیا ہے  
 مشک زلفِ غیری کیوں ہے  
 نگہ چشم سر مرہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں  
اب کیا چیز ہے ، ہوا کیا ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب  
آفر کیا ہے تو اسے " جیوں ہے "

یاد ب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے  
لوحہ جہاں پہ حرف مکتد نہیں ہوں میں

جب عمر خیام کی شیرازی خراب کو فز جیرلڈ ( FITZGERALD ) نے ابرق مغرب میں  
مضفر رنگ میں پیش کیا تو سب نے یہ سوال کیا کہ یہ میرے معرفت ہے یا داؤد مجاز۔ سوزی عمر خیام کے کلام میں  
ایستاد کے فلسفہ اجتہاد کی شوقی اور بے باکی پاتے ہیں اور خیام کی عقلیت ، لذات و شہوات کے متعلق ہونے اور  
دنیا کے لذائذ کے قریب سے نفس کو تسکین دینے میں خیال کرتے ہیں ۔

اگر غالب کا انگریزی المانی فرانسیسی روسی زبان میں ترجمہ ممکن ہوا دیکھا جائے تو عجیب نہیں کہ میں سوال  
غالب کے مشق پیدا ہو ، لیکن مرزا کی شراب خوردگی کے ثابت کرنے کے لئے کسی علم ابیان کے رسالے کی مدد فرمائی  
ہیں بلکہ طوفاں کا بیان موجود ہے ۔

مطلب ہے نازہ فرزندے گفتگو میں کام  
پیدا نہیں ہے دشت و خنجر کے بنیر  
ہر مہینہ ہوا مشابہ حق کی گفتگو  
بہت نہیں ہے داؤد و سنا فر کے بنیر

مرقا کی شراب سے بے خودی مراد ہے ۔ یہ وہ کیفیت جذب ہے کہ جہاں سادک راہ طریقت فریضہ  
کے ادا کرنے کے لئے باادب اور خاموش جا رہے ہیں ۔ یہ سر راہ بیٹھے افندہ جو کے غم سے لگا رہے ہیں ۔

دچوں عمر تیرہ کروم چنناں کو ننگ کروم  
ورنگی خرابائے افتادہ خراب اگلے

لافت و انش فطرت و نفع عبادت معلوم  
درویک سا فر غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین  
ہر ذہ ہے غم زہ و ہم ہستی و عدم  
منو ہے آئینہ فرق جنوں و تمکین

نظم ہی پر چور و بچے کیا طوط موم سے

آلودہ سے جامہ احسرام بہت ہے

یہ سرتیج و مدہوشی کم مانگی نہیں ہے بلکہ تم خانہ جاوید میں داخل ہو کر شراب بے اندازہ پی گئے ہیں۔ یکمید  
سرموئی ہے۔ یہ عشق الہی کے فتنہ میں نش ہیں۔ کوئی ایسا ہے جو اس کیفیت میں سرشار ہو کر ہوش مندہ سکتا ہے۔

مریخت جو شیش دریا نہیں خود درئی ساحل

جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعوئی ہو شکاری کا

انہیں کا طرف ہے کہ اس دانش نیا شراب کو جس کی دوسرے کو بھی نہیں لے سکتے اپنے ہیں۔ یہ وہ شراب  
ہے کہ حب ساقی جام میں قاتل ہے تو حضرت میح اور خضر رشک سے سہمت کے لئے کشاکش کرتے ہیں۔

بہشت کی آرزو رکھی یہ ہے کہ ایک ہاتھ میں زلف یار ہوا اور ایک میں یہ شراب ہو

وہ چیز جس کے لئے ہو ہیں، بہشت عزیز

سوائے باوہ نکل نام مشک۔ رو کیا ہے

وہ کیسے خوش قسمت ہیں جن کو یہ دولت نصیب ہے

جہاں فراہ ہے یا وہ جس کے ہاتھ میں جام نکلا

سب بیکریاں ہاتھ کی گویا رنگہاں ہو گئیں

اگر تا دم آخر کیا آرزوئے بے خودی ہے

گر ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تدم ہے

رہتا دریا بھی مسافر و مینا مرے آگے

ماہہ خود بے صورت ہے۔ مادے میں نہ کوئی خوش صورتی ہے اور نہ بد صورتی ہے۔ من عاشق نہیں، پالمن  
ہے من مادے کے ہم میں نہیں بلکہ صاحب نظر کی نگاہ میں ہے۔ من ہیں کا قلب خمد ہے۔ ماہہ صرف پردہ فانوس  
ہے۔ شاعر جو من کو دیکھ کر محو تماشا ہو جاتا ہے، اور اپنی ذات کو خوب صورتی میں فنا کر دیتا ہے، یہ کیا ہے؟ عدم  
اور ازل میں جو صورت دیکھی ہے وہ خزار کے تبسم کی مثال نکلاتی ہے، اور منہ چھپا دیتا ہے۔ نہال مغرور میں  
یا مشت چپیاں ہیں، پھولوں میں یا عطریں۔ صورت میں خواہ دو شیرہ ہویا نا دو شیرہ کوئی من نہیں۔ جس اس اشاہ  
میں ہے جو جمال الہی ان کے ذریعے سے کرتا ہے۔

مرزا غائب کو ہر طرف جو جلوہ روئے صنم نظر آئے وہ گرا بیٹا نہیں بلکہ عارضی۔ حاجی عالم ہے بیان بیک  
جب ہر گھما س کی دیکھ کی تھرا رکھتے ہیں

جلوہ از بسکہ تقاضا سے نگر کرتا ہے

جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے خراں ہونا

لیکن وہ مشوق حقیقی اپنے دامن سے کسی کو خوش کام نہیں کرتا بلکہ شرم اور استغنا اور غرور اس کی رونمائی  
کرتا ہے۔ مانع آئے ہیں اور اپنے چہرہ ناز میں سے نقاب نہیں اٹھا آئے

مشرم آگ ادا ہے ناز ہے اپنے ہی سے ہیں  
وہی کھٹنے ہے حجاب کہ جہیلوں حجاب میں

حبیب وہ جمالِ دل مشرورِ صورتِ مہر نیم روز  
آپ ہی ہونگارہ سوزِ پردے میں مٹ چھپائے گیوں  
وہ اپنی آپ مثال ہے کوئی اس کی مثال نہیں ہے

سب کو مقبول ہے دعویٰ قریٰ یکتا کی کا  
دو برو کوئی بہت آئینہ سیمانہ ہوا

ہوئے اس مہروش کے جلوہ تشا کے ہائے  
پر افشاں جو ہر آئینہ شل ذرہ روزِ لعلی

جس آئینہ جہاں نمایں وہ چمکا فتن جو جاتا ہے طوئی جو ہر کی حالت مرے قبضہ کی سی ہو جاتی ہے سے  
اہلِ بینش نے یہ حیرت کردہ شوقی نماز  
جو ہر آئینہ کو طوئی لیسمل پانہ حاکم

جو مجنوب عشق سب سے کو اس کو سے بیٹے ہیں وہ بھی اس کا روئے از سرِ پا نگہ ہو کر بھی نہیں دیکھ سکے  
جب کوئی اور عاشق نہیں رہتا تو نگہ خود مانع آتی ہے اور وہ وہ بن کر حاکم ہو جاتی ہے سے

ہنوز محسوسِ حسن کو ترستا ہوں  
گشتے ہے ہر گن جو کام چشمِ بینا کا

دا کر صیغہ بھی شوق نے بند نقاب سے  
غیر از نگاہ کوئی بھی حاکم نہیں رہا

اسیوسف کے حسن میں ایک عالمِ زن عزیز کی مثال دینا ہے ممکن اس کا مدح پاک ہیں یہ اس کی پارسائی  
کے منہ پر ہیں سے

نہ جو میں تماشا دوست رسوا ہے وفائی کا  
ہ ہر مد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسائی کا

مرزا غالب ان شعراء میں سے ہیں جو حسن کو پیرنگ قدرت یا کیف مینا یا سرورِ ہلال میں تلاش نہیں کرتے  
بلکہ حیرت کے پہنچنے میں دشمن بن جاتے ہیں۔

شہ مین کو کہ ہے ۔ شہ مین نگاہ اب جس حاکم ہے

مرزا غالب کی مشرقی مریم نہیں بریٹنیل جنرل سے پاک اور جنس مقابل سے بالا ہے بلکہ زمین ہے۔ وہ خود  
 یسوع نہیں بلکہ سری کرشن ہیں۔ ان کے مشرق کی تصویر رافائیل (RAPHAEL) نہیں کھینچ سکتا۔ یہ  
 روبنس (ROBENS) کا کام ہے سے

ماننے ہے پھر کسی کو مہربانم پر ہوس  
 سرور سے تیز و مشدّد شرکاں کئے ہوئے  
 اک تو بہاؤ کو تاک کے ہے پھر نگاہ  
 چہرہ منور ہونے سے گھٹاں کئے ہوئے  
 چاہے ہے پھر کسی کو معتاب میں آرزو  
 زلف سیاہ رشتا پہ پریشاں کئے ہوئے  
 ان کا مشرق تمام عشقہ گری کے اظہار و ناز سے واقف ہے سے  
 لاکھوں لگاؤ ایک چسپورانا نگاہ کا  
 لاکھوں بناؤ ایک بگڑا عتاب میں

پرسش طرز و لہری کیجئے کیا کہ ہیں کبے  
 اس کے ہر اک اشارے سے نکلے یا ادا کریں

سادگی و پُرکاری ہے خودی و ہشیاری  
 عشق کو تنہا میں جرات آزمایا

اس کا حسن انتہائے جمال ہے ورنہ مرزا جیسے بلند نظر کی نگاہ میں ساری نہ سکتا۔ یہ وہ حسن ہے جو نہ مرن  
 مرعوب بلکہ مطلوب کر لیتا ہے سے

حب تک کو نہ دیکھا تھا قیودار کا عالم  
 میں مستعدِ نقشہ عشرت ہوا تھا

سلوت سے تیرے مہلوۂ حسن غزلی  
 خون ہے مری نگاہ میں رنگ اوائے گل

یہاں تک کہ الہ خود اپنے حسن کو چمٹا آئینہ میں دیکھنے کو یونانی زہوان فرس کی طرح تاب نہ لائے سے  
 آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے

صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا عسرو رہتا

عشق کیا ہے؟ آرزوئے وصل جو دو پریشاں خاک کے ذریعہ اور دہر پریشاں دلوں میں یکساں موجود ہے



کہ اسباب سے پیدا ہوتی ہے۔ عاویس کی کشش اور ولی کی کشش دونوں ایک ہیں، کشش کا تقاضا ہے کہ ایک دوسرے کو کشش کرنے والے اسباب جو کچھ چاہیں قریب ہوتے ہیں کشش میں افزونی ہوتی ہے۔ یہی محبت کی کشش کا حال ہے عشق میں کہیں ایک جانب غائبانہ جذبہ ہے اور دوسری جانب مفتوحانہ تسلیم، کہیں دونوں سمت پریشی جذبات اور آرزو سے قرب، کہیں ایک طرف جوابی دوسری طرف عزیز پائی جاتا ہے۔ لیکن یہ کشش تین کب اور کہاں اور کیوں پیدا ہوتی ہے اس کا نشان پانا مشکل ہے ہے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتشِ غائب  
کہ لگائے نہ لگے اور بجائے نہ بنے  
فلسفی ذہنی اور دماغی نقطہ نظر سے عشق کو مرض قرار دیتے ہیں  
ہیں کے کاروبار چہ میں خستہ ہا سے غل  
کہتے ہیں میں کو عشقِ غل ہے دماغ کا  
لیکن دل سے دماغ بھرتا ہے

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل و عشق کہے  
عسائیت کا دشمن اور کوارگی کا آشنا  
یہ وحشت طبیعت میں ازل سے رائج ہے اور یہ سکون اور راحت کے مانع آتی ہے  
دل لگی کی آرزو ہے چین رکھتی ہے ہمیں  
ورنہ یاں ہے دوفتی سودِ صبرِ رازِ کشتہ  
یہ وہ مرض ہے طبیعت میں کے علاج سے محروم رہتی ہے اور ہمیشہ میں چاہتا ہے کہ کبھی صحت نہ ہو یعنی کاشتہ  
فرستادہ دوسرے محبت راہ میں ایذا کیفیت  
سودۃ الماس و نہ ہر بلا بل می کشند  
مرزا غائب اسی شعر کو جلا سے کرتا ہے جیسا ہے

نہ پوچھ نسخہ مریم جراثیمِ دل کا  
کہ اس میں ریزۃ الماس جزوِ اعظم ہے  
اس عشقِ جوی کا سبب یہ ہے کہ اس شگامہ ہائے وحش کے عالم میں رونق اور جان ہے  
دوفتی مست ہے عشقِ خانہ ویاں ساز سے  
انجن بے شش ہے گر برقِ غریب میں نہیں  
جہاں درد موجود ہو عشقِ مزید شکر لائے ہے

عشق تا پیرے تو امید نہیں  
جاں سپاری شہرِ امید نہیں

مست ہو چکے کہ کوا حال ہے میرا ترے آگے  
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے  
اور عشق کا شرخاں ویرانی، برداری، تباہی، پیشانی، بے اعتباری، عریانی اور صراغِ زری ہے سے  
خون ہر رنگ رقیب سرو سامانِ نیک  
قصص تصویر کے پردے میں بھی عریانی نکلا  
بُٹے گل، نالہ دل، دُور و حسرتِ بے مغل  
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا  
حاصلِ العنت نہ دیکھا جو شکست آرزو  
دل بہ دل پیوست گویا اک کعبہ انیس تھا  
کب سے ہوں کیا بتاؤں جہاں عذاب میں  
شب ہائے ہجر کو بھی رکھو گڑھِ حساب میں  
گو شبنم جو روپیہ و سچشمِ عرومِ مہال  
ایک دل تن پر یہ تا امید داری ہائے لے

لیکن اگر مرزا غالب کی مشق ایک ارضی عورت ہے، ان کا عشق ہوسِ مغلیہ اور لذاتِ عریہ سے پاک ہے ان کو اس کے من بے پایاں کے دیکھنے سے ایک ارتعاشِ روحانی ایک وجدِ اپنے پیدا ہو گئے ہیں میں ہدایت کا مرانی اور خواہشاتِ کام جرنی کا کوئی عنصر نہیں۔ اس کا جلوہ رخ ایک کیفیتِ وجدان پیدا کر دیتا ہے۔ اور ہم کے ساتھ میں ایک نفسِ مشفق پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ حاجتِ آرزو کے بشریہ سے لائق ہوتی ہے۔ غفلتِ مغلیہ کیلئے۔ جب روم گیلانی اور متبع کی جانب مائل ہوتی ہے تو یہ ہوسِ مطلوب کو اپنے پر غفلت کے ماتحتوں سے ملوث کر چاہتی ہے۔ عشق کیا ہے؟ عشق میں اوب اور خرم شامل ہیں۔ عشق دور کے پرستش اور پرستش کرتا ہے جہاں اضطرابِ آتش زیرِ پائے شوق ہے وہاں عشق نہیں۔ عشق نور ہے اور جلوت اور خلوت دونوں کو اپنے مینا سے روشن کرتا ہے۔

میرے ہونے میں کیا ہے کسوائی

اے وہ جلوت جنہیں خلوت ہی ہیں

سید انِ مطلق میں جہاں جانا بازیِ خطاں نہیں ہے ہزاروں میں سے ایک عزتِ سلامتِ غالب ہے۔ اسی عشق کا دور ہے کہ

چمک رہا ہے جلہ پر اہو سے پیرا ہوا

ہماری جیب کو اب حاجتِ رنگ کیا ہے

جلا ہے ہم جہاں دل بھی چل گیا ہوگا

گریختہ ہر جوابِ دل کا جسکو کیا ہے

رنگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل

جب آنکھ ہی سے نہ چلا کر پھر ہو گیا ہے

جہاں ہوا ہوس اس کو چڑھتی میں قدم رکھتے ہیں وہ اہل دل کو نہ مارتے ہیں

ہرچہ اہل ہوس نے جس پرستی شکار کی

اب اکبر سے شیوہ اہلِ نظر علی

اس عشقِ حقیقی میں ایک کیفیتِ فانی، ایک عمارتِ بادی ہے۔ ہمیشہ آرزوئے وصلِ دہی ہے، کبھی پوری

نہیں ہوتی۔ اس کا لطف جہاں کن سے زیادہ لطف بخش ہے کبھی کم نہیں ہوتا۔ دہاں یارِ دہی ہے جہاں عشقِ

آرزو کے خام ہے اور سیرِ آں ہے

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ دہاں یار ہوتا

اگر اور جیتے رہتے ہیں انتظار ہوتا

یہاں تک کہ عاشقِ سراپا ایک، شعلہ معزز بن جاتا ہے

خونگاہِ گرمِ فخرِ ماتی رہی تعلیمِ ضبط

شعلہ خن میں بھیجے خوں رنگ میں بہاں ہو جائیگا

جہاں اس کا سببِ حقیقی ہے بڑیاں ہے وہیں مرزا کی تابِ عاشقِ بے نہایت ہے

یوں چل گیا نہ تابِ سُرخِ یار دیکھو کہ

میں ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھو کہ

گرتی تھی ہم پر برقِ تجلی نہ طور پر

دیتے ہیں بادِ خوفِ قدحِ خوار دیکھو کہ

یہ اشتعالِ ریشہ اور معز و فز میں یساں رہتا ہے، خود بخوارہ سُرخِ یار کا پردہ بن جاتا ہے

میں نامراد دل کی قسریٰ کو کیا کروں

عانا کہ تیرے رخ سے نگر کا میاب ہے

دیکھنا جنت کہ آپ اپنے پر شک آجائے

میں اسے دیکھوں کھلا کب مجھ سے دیکھنا چائے

نکار دے بھی کام کیا وہاں نقاب کا  
 مسق سے ہر نگہ ترے دشت پر بھسرتی  
 یہاں تک کہ اگر عاشق مہلبے محبت میں مدد عرض قبلے حریر کے بند کھول دیتا ہے تو بھی ۔ نظر  
 دشت وہی دست نہ پاگم می شود و خوردا نکو دایم ۔

مے نے کیا ہے مہن خود آرا کو بے محاب  
 اسے شوق پاں اجازت تسلیم ہوش ہے

اس مدام لب وریا تشدد بھی کا باعث صرف یہ ہے کہ عورتی محبت کبھی مہربان قریب سے خود کو سیراب  
 نہیں کرتی۔ اگر عشق کے دست ناز میں کو مگر دوسرے دیا جائے تو دوسرے بوسے میں یا تو پھلے کے سادہ لذت ہوئی یا  
 اس وجہ سے کہ پہلا بوسہ لینے سے عشق کی تار سائی کی شان جاتی رہی ہے اور اگر سادہ ہے تو بھی چونکہ پھلے  
 پر سی کیفیت کی لاعلمی جاتی رہی ہے، ضرور کم ہوگی۔ فارسی قصہ نگار نے اگر وہاں کی داستان میں اور فرشتہ داستان کو  
 نے "MADEMOISELLE DE MAUPING" میں اسی امر کو بیان کیا ہے ۔

گر ترے ہی میں جو خطاں وصل میں شوق کا زوال  
 مرق صیقل آپ میں مارے بے دست دیا کر پلا  
 اس عشق کے اہل اہل دلا کی طرح ہر زمانے میں شاذ نہیں ہوتے ہی، چنانچہ کہتے ہیں ۔  
 کون ہوتا ہے حریف بے سرواغلے عشق  
 بے مکر و لہجہ ساقی پہ صلا میرے بعد

علم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دیتا میں کوئی  
 کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بے کسی عشق پہ رونا غالب  
 کس کے گھر جائے گا صہاب بلا میرے بعد

کیا شاعری مصوری ہے ؟ اس میں شک نہیں کہ فن مصوری اور فن شاعری ایک دوسرے کے قریب ہیں ۔  
 دونوں کا کام جینر میں وہاں مشیہ کو کا خراور واقع دیکھنا ہے ۔ دونوں کی بنا ایک خوش انداز فریب پر قائم ہے مصوری  
 سرمہ آواز شاعری ہے اور شاعری شیریں زباں مصور ہے جہاں مصرع کا مرقم رنگ اور خطوط سے مختلف حقیقی یا  
 مجازی مضامین کو صورت دیتا ہے وہی شاعر کا قلم الفاظ اور انداز بیان سے وہی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ الفاظ شاعر کے  
 رنگ ہیں اور الفاظ مصور کے الفاظ ہیں ۔

اوسط رنگ بیان ہے کہ شاعری کا مقصد قدرتی مشیہ کی نقل ہے ۔ لیکن اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ شاعر کا کام

واقعات کو ان کی من و مکن کیفیت میں نقل کرنا ہے بلکہ یہ ہے کہ مشاعر کو محاکات اس حالت میں و کھلا  
چاہئے جس میں چشم تخیل ان کو دیکھتا ہے۔ اردب کے بہت سے موجودہ مشعراء واقعات زندگی کی ہر ہر تصویریں اُتارتے  
ہیں لیکن یہ حکامی ہے مصوری نہیں اور کم درجہ کام ہے۔

مشیکبیر کے کمالات میں جو جذبات انسانی کے مرقعات ہیں وہ گویا بالکل زندگی سے مماثل معلوم ہوتے ہیں  
لیکن حقیقت میں تخیل سے رنگین ہیں اور یہی رنگ ہے جو مشیکبیر کے کلام کو لاشانی بناتا ہے۔ مرزا کی مصوری شکبیر  
کی مصوری ہے نہ

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے  
بہتے دو ابھی سافر و مینا سرے آگے

بندگی میں بھا وہ آزار و غم میں ہیں کہ ہضم  
اُسے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

گیوں میں میری فنش کو کھینچے پھر و کہ میں  
جاں داد ہوا اے سپر و گذار تھا

ہور میں کی رائے میں تصویر میں خواہ وہ مصر کی بنائی ہو یا مشاعری کوئی بات موزونیت کے خلاف نہ  
ہونی چاہئے (۱۱-۱۳) من مزاروں ہونا چاہئے (۱۳-۱۴) غنیہ نام ۲۰، تھوڑی اوریا لوں کی خوبصورتی کو بھی منانے  
کو فرما ہے (۲۵-۲۷) مرزا کی محاکات میں یہ غری غارت گلی ہے نہ

سُخا رہا ستون مرغوب بت مشکی پہنایا  
تکاشے بیک کف بردین عدول پہنایا

سب رقیبوں سے ہیں تا غرض پر زبان مصری  
ہے زینت غرض کہ مجھ ماؤ کنٹھاں ہو گئیں

رات کے وقت سے پئے ساتھ رقیب کوئے  
اُسے وہ پاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں

یہ مرزا ہی کی قدرت بیان، صریح انتقال اور شوق کا کمال ہے کہ ان قصا ویر کو ایسے ترسب اور  
منازل ان غرضیں کھینچا ہے۔ ان اشعار کے انداز کی لطافت اور اثرات ہلکے سے ہلکے رنگوں کی سیاحت کو مدات  
کرتی ہے۔ لہذا نے ایک عالمانہ بحث میں بیان کیا ہے کہ

”اصنام اور اشعار میں عابرا لامتناہی ہے کہ بت، سکون اور اشعار  
جنبش کا انہما رکھتے ہیں۔ جب من سے کر چپ چاپ کھڑا ہو جاتا ہے، تو

جیسے کہلاتا ہے اور جب حرکت اور دھکی گئے لگتا ہے تو شعرا م پاتھے ایسا  
صنم سازی کا اور افعال شاعری کا موضوع ہیں۔ شعریں تصویریں موزون  
کی طرح دعاں حالت میں ہوتی ہے اور مسلسل سہنیت دکھلاتی ہے :

قآ آن مومہ ہمار کی تصویریں کھینچا ہے سے

فرمک نرمک نیم زیر لگان می خزد

فتیغ بایں می حکم عاریق آن می گزد

گم بچن می چم کہ بچن می وزد

گاہ مٹاہ درخت گم بہ لب جو کبار

ہوائی یہ رفتار شا عرق طاسد پر قلم اسی سے دکھلا سکتا ہے۔ مصور پر سے پر قلم سے نہیں دکھلا سکتا۔ ہر ذرے

قلم کی یہ تصویر ملاحظہ ہو سے

مدت ہوئی ہے یاد کو مہاں گئے ہوئے

جوش قدح سے بنم چراغان گئے ہوئے

کوتا ہوں بچ پھر سبک منت منت کو

عصر ہوا ہے دعوت چراغان گئے ہوئے

پھر وضع امتیلا سے نکلے لگا ہے دم

برسوں ہوئے یہ چاک گریبان گئے ہوئے

پھر گرم نام ہائے مشورہ اپنے نفس

مدت ہوئی ہے سیر چراغان گئے ہوئے

پھر پرستی برصحت دل کو چاہے عشق

سامان صد ہزار لنگ دان گئے ہوئے

پھر بھر دم ہوں غامہ چراغان بہن دل

سانہ چین طرازی دعاں گئے ہوئے

باہم دگر ہوئے رہا دل و دیہہ پھر رقیب

نظارہ وضعیال کا سامان گئے ہوئے

دل پھر طواف کوئے ملاحت کو چاہے

پسندار کا صنم کدہ ویران گئے ہوئے

پھر شوق کدہا ہے خریداری طلب

روض مندع عقل دل و جان گئے ہوئے

دور سے ہے پھر ہر ایک کی دھال پر دنیا کی  
صد گستاخ نگاہ کا سامان کئے ہوئے

پھر جانتا ہوں تامل و دلدل کھوٹ  
جاں نذر دل فریبی عنوان کئے ہوئے  
مانگتے ہیں پھر کسی کو لب بام پر برسوں  
زلزل سیاہ رخ پر پیرائوں کئے ہوئے

جا ہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آزاد  
سور سے تیز دھندل خراگاہ کئے ہوئے  
اک فریبہ باز کو تاکے ہے پھر نگاہ  
پیرہ فرود گئے سے گلتی کئے ہوئے  
پھر یہی ہیں کہ کہ دیکھیں کچھ بڑے رہیں  
سور فریبہ باز بہت دریاں کئے ہوئے  
ہی تو صوبہ آب ہے پھر وہی فرصت کہلاتی  
بیچنے رہی تصویر جان کئے ہوئے

غائب ہیں نہ پھر کہ پھر ہوش ایک سے  
بیچے نہیں ہم جیسے طوفان کئے ہوئے

ہجر میں ارمان وصل کا مرقع اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔ عاشق کی تمام زندگی ان اشعار میں موجود ہے۔ اس زمانہ کو بیان کرتا ہے جب محفل وصال و شراب سے ہرج و مرج، آغلیوں سے روشنی دہن تھی۔ پھر کہتا ہے کہ تعاقب نے اعتیاد جو کچھ بھی جو فراق یا دہشت کی تامل میں ہے۔ اس کے بعد دل کے نہ ماننے اور پھر طوفان کو کسے طاقت کو جانے کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم دلدل کے تصور کے ہاتھوں کا لاشیاں کہ خوشی سے اس کو کھول بھی نہیں سکتے اور پھر کسی کے دہی پڑنے رہنے کا قصہ منظم کرنا، عشق یہ جذبات کا ایک مرقع ہے۔ ہر شعرا ان جیسے ایک نکل تصویر ہے اور ہر تصویر اپنے سے ماہر تصویر سے مستحق ہے۔ کوئی مصور رنگ سے وہ شہ پیدائیں کر سکتا جو شہ سے یہاں کیا ہے۔

اصل میں یہ شفا میں حالات سے لذت پانے کی دہلیز تھی ہے کہ ہر شے کی تصویر خود لطف انگیز ہے، خواہ وہ شے فی نفسہ بُری ہو یا اچھی۔ چنانچہ یہ جہان نامتوق صورت ہیں، ان کی تصویریں دیکھ کر کسی رنگ غرض ہوتے ہیں۔ لیکن دوجہ اس امر کے بلند پایہ تصور ہے صورت اشیا کی تصویر آنارنے سے گناہ کرتے ہیں۔ جن صورت کو جس سیر سے جو شوق ہے اس کا نقاشی ہے کہ باطنی حیالات اور تصورات کا اثر پیرے اور ہجر سے بے جا ہوتا ہے۔ عظم یا غصہ کی حالت میں دلغریب سے دلغریب صورت کے خطوط نامتوق ہو جاتے ہیں اور جذبہ کی شدت

میں کو باطل کر دیتی ہے، اس لئے اس تاویس حالت کی تصویر کھینچنے سے اجاگر رہے ہیں۔

یونان کے مشہور قدیم مصور سے جب رہم میڈیا کی تصویر کھینچنے کے لئے کہا گیا تو اس نے اس کی تصویر اس وقت کی حالت میں کھینچی جب کہ وہ تیز برب کی حالت میں تھی اور ہنوز قتل پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔ غالب نے معشوق کے رقیب کی آغوش ناز کرنے کی کیفیت کو حوالہ تصویر نہیں کیا کہ جو تاشیز کی اس اخلاص میں پائی جاتی ہے، وہ کسی مرتعے میں ادا کئے جانے کے متبادل نہیں۔ یہ ایک ایسا فنکار ہے جس کو کوئی آنکھ دیکھنا لپ نہ نہیں کرتی اس لئے اس جان آئند منظر کی کیفیت کو یوں دکھایا ہے۔

نقش ناتویستہ ناز بہ آغوش رقیب

پائے شاو سس پہے عامرہ مانی ملنے

گویا فلپس مشاعرہ کا قوی میڈیا اور شاو کی بے وقاف معشوقہ کے ہاتھ میں یکساں درست ہے،

اسے غلام! تو اس قابل ہے کہ پردہ تصویر پر

بھی چیری ضرورت نہ دکھائی جائے :

شعر کا تعلق وقت سے ہے اور تصویر کا تعلق فضا سے ہے۔ تصویر ایک نگاہ میں اپنے محزون کو دکھا ہر کو  
ورق ہے شعر وقت کا غالب ہوتا ہے اور اس کی طرح رفتہ رفتہ اپنے سنی کو بیان کرتا ہے۔ تصویر ایک شانہ کی یادگار  
ہے شعر ایک جمل ہے جس کے کچھ خیال بچے کی طرح ہمیں سے کہیں نکل جاتا ہے۔  
مثلاً جب یہ شعر پڑھا جاتا ہے،

خنیچہ ناسٹگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں

بوسہ کو بچھتا ہوں میں منہ سے جگے جگے بتا کہ یوں

تو تصویر گوش آشنا جوتے ہی اول قدر دغاں اور ب مرطبان کا نقشہ کھینچتا ہے پھر سس کی ادا ہٹ اور  
پان کی سرخی کے ساتھ ان میں تبسم کا رنگ بھرتا ہے پھر دونوں کی میں مشغول ہوتا ہے اور سرور کی تحریر اور قشقہ  
کی میٹرک بھی نہیں بھولتا، اور پھر گردن کے آثار اور سینے کے انھار کے خطوط کی کشش سے پیکر تیار کر تا ہے، اداس  
پر آشفتہ نہیں کرتا بلکہ دستِ خالی میں جمے پردہ ہے وہ بھی اور میں فریض میں وہ پردہ آؤزیاں ہے اس کو بھی  
دکھاتا ہے۔

شب کا بیان ہے کہ ایک بڑا فرق عام مصوری اور خاص عراذ مصوری میں یہ ہے کہ تصویر کی اصل خوبی یہ ہے کہ  
جس چیز کی تصویر کھینچی جائے اس کا ایک ایک خط و قال دکھایا جائے لیکن شاعر اکثر محض ان چیزوں کو منتخب کر لیتا ہے  
ان کو نمایاں کرتا ہے جن سے صورت ہمارے چہرے پر آفرینا خاں ہوتا ہے باقی چیزوں کو وہ نظر انداز کر کے یا ان کو  
دھندلا کر رکھتا ہے کہ اثر اندازی میں ان سے خلل نہ لگے

محب تک کہ نہ دیکھا تھا قہر یار کا عالم

میں معتد بہ نقشہ محشر نہ ہوا صحت



ہر سخیِ خرد و لبہری یکجہ کیا کہ ہم کہے  
اس کے ہر اک اشادہ سے نکلتے ہیں ادا کیوں

سنا دئی وہ پُر لاری ہے خودی و دلپاری  
حسن کو تعاضل میں برائت آزا پایا

سورت سے قیوسے جلوہ حسن جنوری  
خوں ہے مری نگاہ میں رنگ اوٹنے محی

ہو مر جب بھی مشق کی مشاعرانہ تصویر کھینچتا ہے تو چونکہ وہ انسدادوں کا اُستاد ہے بھی اس سے زیادہ نہیں کہتا کہ حسین میں دیر یوں کا حسی تھا، حالانکہ تمام رزم نامہ الہی کی بنیاد حسین کے حسن پر قائم ہے۔ اور سنا جو اس دور کے درجے کو نہیں پاتا جب اپنی کتاب آریزہ فروزی میں انگلیا کی مشاعرانہ تصویر کھینچتا ہے تو اس کا پورا سراپا نکھ جاتا ہے۔ ہوسنے صرف وہ جگہ اتنا نکھتا ہے کہ حسین کی پانی گوری تھیں اور اس کے بال خوش عاتقہ غائب نے ہی کل دیوان میں زلف سیاہ ویاہ چشم سیلا سے نواہا ہے مشق کی تہذیب بتایا اس طرح بعض دلکشت ہمنامہ ساریت میں یاد چود جسم چاند کے حرکت کا دھوکہ پیا کر دیتا ہے کئی طرح بعض اشعار میں محاکات ہیں مرقم کی رنگین تصویر کی خاموش ہوتی ہے کائنات دو گیس کی دانتے ہے کز ترسین شعرو ہے جس کے مغزوں کو مغر دبا دتے صخرہ ترطاس سے چاند تصویر پر مشغل کر سکے اور جو حالت خواب تصویر میں قائم ہو وہ بیداری سے مبدل فرمو۔ اگر اس خیال سے اتفاق نہ کیا جائے تو ان اشعار سے بہتر مثال ملے نہیں۔

پھر اس اتحاد سے بہار آئی کہ ہوشے ہرودہ تماشا ئی  
دجھوے ساکنانِ عطر فاگ اس کو کچھ ہیں عالم آرائی  
کہ زمیں ہو گئی ہے سر کا سر دو کش سلع مہر رخ مینائی  
سبزہ کو جب کہیں چلے نہ مل  
ہن گیا روئے آب چر لائی

یہ کئی اشعار ایک نظارہ قدرت پیش کرتے ہیں جس میں متقل اور مسلسل واقعات نہیں بلکہ صرف ایک دل فریب خاموش منظر ہے۔ عقب میں نیٹوں افق ہے۔ آفتاب چمک رہا ہے اور قرص مہتاب بھی بے تاب اور مازموج ہے۔ بادش نے زمین کو آئینہ بربنا دیا ہے۔ سلسلے ایک تالاب ہے۔ سبزہ کی یہ زیادتی ہے کہ سب آب تک دست و پا ہے۔ اشجار رنگین پوش اور گل بادیں۔ سب سے آگے شہنہ زمیں گویا چشم زمیں مشغول تماشا ہے ایک چڑیا یا تکی لگ بھی نہیں جو اس خاموشی میں شور و حرکت پیدا کرے۔ غائب نے حقیقت میں درجہ کو بھی جس کی نظم کن رویداد کے متعلق ہے مات کر دیا ہے۔

## میرزا یگانہ چنگیزی

# غالب شکرے

(مکتوب یگانہ نام سید مسعود حسن صاحب روضی، ایم ایم پرنٹرز کھنوپہ پورہ)

ماخذ اسے غالب ہے۔ غالب شکرے۔ موصوفی حلیہ حاصل ہے۔ اس کے شائع ہوتے ہی غالب کو سمجھنے سمجھانے کی ایک صفحہ شہرت عریض شروع ہو گئی۔ معاندانہ لبہ و لہجہ، مخنوب الخفیظا سلویہ، لاگ اور یگانہ کی باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ غالب شکرے کا مطالعہ کیا جائے تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یگانہ غالب کے اوصاف شعری کے معنوں اور ان کے حقیقی قدر و منزلت میں سے سے جنگ نظر آئیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ غالب کی حقیقی عظمت کے اعتراف کے باوجود انہوں نے مافی الضمیر و انکیز کے لئے ایسا لبہ و لہجہ کیوں اختیار کیا؟ قرآن کے حق پرست یگانہ کی فضیلت ساخت کے ساتھ ساتھ لکھنوی شعرا اور ان نام نہاں غالب پرستوں اور ان کی ادبی سیاست پر جامع نظر ڈالنے کی ضرورت ہے جو غالب کی ترکیبوں، اقوال، اضافات، استعارات اور موضوع اشکال کو ہی حاصل ہے غالب سمجھ کر الفاظ کا کوتا میا بنا رہے تھے۔ مثلاً عزیز اور ان کے ساتھی غالب نظر کر کے آتشہ بھون تھے۔ یگانہ کے حقیقی لحاظ سے ایسے ہی ظاہر پرست سن نہیں تھے اور صبی۔

غالب شکرے۔ غالب پرست یگانہ کو بے ڈوبی مکن تگر غالب تک رسائی کی انتہی نے جوڑا دکھائی، اس پرچل کر حقیقی غالب کو پہنچنے کی حس و وجد پر کا جیڑ بہ پیدا ہوا، خصوصاً ماخذات اشعار غالب کی تلاش و جستجو کا مذاق عام ہو گیا۔ اس طرح تنقیدی شعور کی آبیاری سے یگانہ چنگیزی کی صف تنقید نے جو کا کیا و دیکس سے پوشیدہ صف فکر کے مشبہ اشاعت کا نام۔ غالب شکرے۔ یہ ایسا اس کی کیا بن، بلکہ ناباں کے پیش نظر ہم اسے شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

لا قور (دکن)

۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

مکرمی جناب مسرور صاحب سلام علیکم

نواسہ نامہ یاد رہا۔ غیر کہ نے شرافت کی رسید کو بھیج دیا تو (گرا) ایسی کاہل فطرت چمڑ ہے کہ بہتر سے ضرورت نے رسید تک بھیجا خلاف اخلاق سمجھ میں پہنچے ہی کہہ چکا تھا کہ رسید بھیج دیا تو کہا بعض اسباب اسے دیکھ کر جاتے سے باہر ہو جائیں، کچھ ڈھیسنگ دوسرے کوئی کچھ نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ آخر کی چند ربا عیوں دی ہیں میں غائب پر تو حق کیا ہے اشراف میں جاتیں تو چاہتا تھا۔ میں شیعہ کے عیوں میں نے اپنے ہی خواہوں کا ہی خود قبول آپ کے اول و کول ہے۔ غریبوں ہی سے۔ غلطیوں کا غائب کے سبب کوئی آپ کا کہا ہوا ہے تو کہہ بات ہے جو نہ سمجھوں دل نکالنے کی ضرورت کیا تھی۔ البتہ اگر ہمارے حکم سے کہ ہرگز نہ جیت سے چاہئے اور قدر کرنے کی صلاحیت ملک میں کتنی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ہی ہم خیال و ہم فریب کے ہمراہ دیکھ سکتے ہیں یا نہیں کہیں میرا وہ غائب پر نہیں ہے جس طرح وہ چہ گویا حق پر تھی۔

خود پرستی کیجئے یا حق پرستی کیجئے

آہ کس دن کے لئے ناسحق پرستی کیجئے (پگلا)

دوسری ضرورت میں غائب کا نامہ یاد رہا۔ میں اس کی رسید کو بھیج دیا تو (گرا) ایسی کاہل فطرت چمڑ ہے کہ بہتر سے ضرورت نے رسید تک بھیجا خلاف اخلاق سمجھ میں پہنچے ہی کہہ چکا تھا کہ رسید بھیج دیا تو کہا بعض اسباب اسے دیکھ کر جاتے سے باہر ہو جائیں، کچھ ڈھیسنگ دوسرے کوئی کچھ نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آخر کی چند ربا عیوں دی ہیں میں غائب پر تو حق کیا ہے اشراف میں جاتیں تو چاہتا تھا۔ میں شیعہ کے عیوں میں نے اپنے ہی خواہوں کا ہی خود قبول آپ کے اول و کول ہے۔ غریبوں ہی سے۔ غلطیوں کا غائب کے سبب کوئی آپ کا کہا ہوا ہے تو کہہ بات ہے جو نہ سمجھوں دل نکالنے کی ضرورت کیا تھی۔ البتہ اگر ہمارے حکم سے کہ ہرگز نہ جیت سے چاہئے اور قدر کرنے کی صلاحیت ملک میں کتنی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ہی ہم خیال و ہم فریب کے ہمراہ دیکھ سکتے ہیں یا نہیں کہیں میرا وہ غائب پر نہیں ہے جس طرح وہ چہ گویا حق پر تھی۔





[illegible]









پروفیسر رشید احمد صدیقی

## کوئی بناؤ کہ ہم بنالائیں کیا

جو لوگ اس جہان سے اٹھ چکے ہیں، اُن میں کچھ ایسے ہیں جن کے بارے میں میرا اکثر یہی چاہیے کہ کاش میں ان کی زندگی میں ان سے مل سکتا، ان میں سے ایک غالب ہیں :

غالب کی گرفت مجھ پر اس لئے نہیں ہے کہ وہ برے شاعر تھے۔ برے شاعر تو اور بھی ہیں۔ میں قرآن سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ وہ ایک عہد تھے، ایک خراج ایک علامت یا ایک عالم تھے، اور اس کے باوجود ہمارے ہی آپ جیسے تھے۔

میں احباب کہتے رہتے ہیں کہ وہ ایک زوال آلودہ تمدن یا جاگیردارانہ نظام یا راجہ شاہی - چرانے والے کا دور تھے۔ وہ ذہنی انتشار میں مبتلا تھے، نئی زندگی کے مطالبات کا نہ شعور رکھتے، اناس کے سخن ہو سکتے تھے۔ یہ الزامات ہیں، اصولی تنقید نہیں۔ یہ آئین نہیں ہے، اگر وہ نہیں ہے، ان دونوں ہم ایک ایسے عالمگیر بحران میں مبتلا ہیں کہ ہم نے تنقید کو اپنی خواہش یا مسلک کا آلہ کار بنا لیا ہے۔ یہ تنقید کی بڑی عمر ہے۔ پھر ارد گرد کے ان تذکرہ نگاروں پر کچھ چٹنے جو ہندو سے لگے الفاظ میں ہر مشاعرے کے کلام پر ایک ہی طرح کی رائے دیتے تھے، چنانچہ یہ کہہ دینا میرے نزدیک کافی نہیں ہے کہ غالب ایک زوال آلودہ تمدن یا جاگیردارانہ نظام کی یادگار و علامت تھے :

عروج یافتہ تمدن کے زوال ہی میں وہ جنگاری ہوتی ہے جو آگے والی نسل کے استعداد و عمل کو فروغ دیتی ہے اگر اس نسل سے عمل کی استعداد باقی ہے۔ غالب کا زمانہ دلی کی مشام میں دلی کا نصف انہار تھا۔ تقصیل میں طوائف تھیں لیکن انہیں سب جانتے ہیں کہ اس زمانے میں دلی کی سرزمین پر کچھ کیسے جیتا اور لگاتار روزگار اہل علم و فضل ایک نعمت منور ہو گئے تھے۔ اتنے اور ایسے جو غلیظ سلطنت کے عروج میں بھی نظر نہیں آئے تھے۔ عظیم ہندو بیرونی نہیں، وہ آگے والی نسل کو کراسس (crossed) نسلوں سے عہدہ برآ ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اگر قوم کے قواعد ذہنی و عملی پر اس کا رد عمل صحیح ہوتا ہے تو یہ عظیم ہندو بیرونی نسل کو ایک خارج اور ناسور بنی ہوئی ہے۔ پرانے دینے سے نیا دیا اسی طرح روشن ہو سکتا ہے۔

مختلہ سلطنت صرف حکومت نہ تھی وہ ہندوستان کی اخلاقی روایات اور تہذیبی اسانات کو خنوار تازگی بخشنے کی بشارت تھی جو پوری ہوئی، اور امتیازی رواداری اور حقوق لطیف میں کوئی قوم قرق اور سحر کے راستے پر چل ہی نہیں سکتی اگر وہ دوسری قوم کے ساتھ دوسری اور رفاقت کا جذبہ اپنے میں نہیں پیدا کر سکتی۔ جس میں اور تاریخی عناصر پر ہندوستان مشتمل ہے۔ اس کا تقاضا یہ رہا ہے کہ وہ ایک دہائی میں برقوں اور قہرمانی میں ایک دہائی کے بٹا کر رہے۔ جہاں ملک میں کہہ سکا ہوں خود ہندو ازم کا وسیع مذہبی تصور رہا ہے، الہ میں ایک صمت دوسرے صمت سے علینہ ہے۔ الہ کے ہاں چھوٹ چھوٹ جہات ہیں۔ ان میں ایسے تاریخی شواہد بھی ملتے ہیں جہاں انہوں نے خولہ ریزی بھی کی ہے۔ پھر بھی ہندو ازم کا بنیادی تصور دوسرے عقائد کو انکار کرتا رہا ہے۔ اور ان کے مذہبی عقیدے سے ان کے اجتماعی عقیدے کی پیروی کی ہے۔

جہ سے اگر یہ پوچھا جائے کہ ہندوستان کو مغلیہ سلطنت نے کیا دیا، تو میں بے تکلف یہ تین نام لوں گا: غالب، اردو اور تاج محل۔ یہ ہندوستان کی تہذیبی چھ اور اہم اور سوا ہندوستان کے کہیں اور ظہور نہیں پا سکتے تھے۔ ان تینوں میں ہندوستان کے صوری اور منوی استیارات سمجھتے ہیں۔

غالب نے طویل عمر پائی، اور اس زمانے میں طویل عمر پائی جو دم بہ دم منہدم اور شیر ہوا تھا۔ وہ میرزے تھے کہ ہند کے حادثات اور خدا اپنے حادثات سے تمام عمر ماں برہ ہوتے۔ وہ ذوق نہ تھے کہ مشاعری کے دھڑکے سے جدا نہ ہو سکے۔ وہ عموماً تھے کہ محراب پر نقش بناتے رہے۔ وہ نظریہ تھے کہ سلطنت باختر سے نہ جاتی تو مشایخ شادی میں کوئی جگہ نہ پیدا کر سکتے۔ ظاہر ہے غالب صرف شاعر نہ رہے ہوں گے، بہت کچھ اور بھی رہے ہوں گے۔

وہ ہر چہ ہندو فارسی کے بڑے دلدادہ تھے۔ فارسی کے اپنے ذوق و زبان پر بھروسہ اور فخر کرتے تھے۔ اگر وہ دلی آئے تو قلی کے شاعروں اور ناولوں سے ٹکڑے ہو جاتے۔ کھلتے گئے تو فارسی ناولوں سے پرخاشیں چھڑاتی۔ سیاسی وار و گیری زدوں میں آگے۔ خاندان کے نزاعی مقدمات میں آگے رہے۔ ایک سلسلے میں جیل خانے کی مصیبت اور دسٹوانی چھین۔ کھلتے ہیں مغرب سے آنے والی حربہ طرح کی جواؤں سے سابقہ روا۔ خود میں کھتے۔ تنگ دستی سے مرے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔ انگریزوں کی خدمت میں عموماً جات جات کئے اور قیدی کے گذارے۔ دامیانِ ریاست کے حضور میں گڑ گڑائے۔ ان قدروں کو سمار ہوتے دیکھا میں کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے۔ لیکن مذہم میر بنے، نہ فانی، نہ یاس چشت گزری۔ وہ تمام حوادث کو

مرے حوالے بنے تھے میں ہے اک مہج خوں و بوی۔

کہہ کر بقول حالی جوانِ ظریف (بستمِ ظریف) ہی رہے۔ بستمِ ظریف ہوتا اور رہنا وہ امتیاز ہے جو غالب کے زمانے میں غالب کے سوا کہیں اور نظر نہیں آتا۔

غالب کی شخصیت و حیثیت کا تصور کرتے وقت ہم کو یہ باتیں نظر انداز نہ کرنی چاہئیں کہ غالب نے کسی حال میں ہوا اپنے کہیں اور کی آڑ نہ پکڑی۔ اور اس آڑ پکڑنے میں وہ کہیں سمجھتے نہ پھرے۔ ہر طرح کی مشکلات کا۔

تمام سرسنا ساز ہا، لیکن انہوں نے فریادی نہ بنادت، ہر سساری کے پیچھے سے پہنچے جان، لیکن مسکراتے ہوئے تھے۔  
تورانی خون گرمایا تا تو اپنے تاقودوں پر ہی کھول کر برس بھی پڑتے۔ اردو شاہی میں غالب پہلے شخص ہیں جنہوں  
نے طنز میں خدا کو مخاطب کیا ہے۔

غالب کی فارسی کی طرف اوردشاہی لایا جا چکا ہے، اس لیے میں خودائی کے بیانات آپ نے لکھے ہیں  
گئے۔ بیک سے ان کی عقیدت کو بھی نظر میں رکھئے، ایک خاص کا یہ قول بھی یاد رکھئے کہ غالب اردو شاہی کا شعرو  
دی پر ختم نہیں کرنا چاہتے تھے وہ اسے خسرو کے واسطے سے روک کر ایک پہنچا دینا چاہتے تھے، اگر اردو شاہی  
میں غالب کا بیچ نہ ہوتا تو اردو شاہی اور زمانہ کا آج رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ بایں ہر ہندوستان کی فضا اور دلی کی  
روایات میں وہی شخص فارسی اور فارسیہ سے بہت کر اردو نظر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ غلط لکھنے کے  
کیا اصول بتا ہے۔ اور اپنے بزرگوں، عزیزوں، دوستوں اور شاگردوں کو کس عقیدے، محبت اور شفقت سے  
یاد کرتے ہے۔ اس کا اندازہ غالب کا مصلیٰ صاحب علم ہی کر سکتا ہے۔ غلط لکھنے میں انشا پر دازی کی تمام خوبی اور  
خاص خشیت ہوجاتی ہے۔ انشا پر دازی ہی نہیں غرض کی بھی۔ غالب نے کچھ اور نہیں کیا ہوتا صرف یہ رعایت  
کئے ہوتے تب ہی وہ ہمارے بہتوں سے اُوچے ہوتے۔ غلط لکھنے میں لوگوں نے بڑے بڑے اہتمام کئے ہیں، اعلیٰ  
قابلیت اور زور قلم صرف کیا ہے۔ لیکن بڑھنے پر اکثر بھی محسوس ہوا کہ غلط بھی نہ لکھ پائے اور بے نقاب بھی ہو گئے  
غلط لکھنا جو مطلب کرتا ہے انشا پر داز اس کے حوالے کرنے میں ہمیشہ چمکیا ہے گا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں غرض  
انشا پر دازی کا نہیں خود انشا پر دازی شخص کا سہارا بنتی ہے۔ مکترو ربے کا شناس بہتر ربے کا غلط نویس نہیں  
ہو سکتا۔ مشہی نے عطیہ منینی کو غلط لکھنے ہوتے تو میں غالب کے بعد ان کو اردو کا سب سے اچھا غلط لکھنے والا  
نہ قرار دیتا۔

غالب نے غزل کو جذبہ کا اور دیا جس سے آج ہمارے اچھے اچھے شاعر کو مغر نہیں۔ غزل اب اتنا  
صنف کمال نہیں رہی جتنی وہ اردو کی تاثیر اور تقدیر میں تھی ہے۔ غالب نے نثر اور نظم دونوں کو دلیری بھی دی  
دلیری بھی۔ غزلیں نقد میں غالب ہی نے مستحکم کی، اور اس کو ایسی فضا دی جہاں اردو کے تمام مکانات  
شعری و شاعری کو بزرگ و بار لانے کے سامان اور سہولتیں فراہم ہیں۔

اقبال نے ایک بڑا کھا ہے۔ کچھ آہ و فغان نیم شب کا پیام آیا۔ ایسا تو نہیں ہے کوئی شکل مقام آگیا ہو۔  
اردو شاہی میں غالب نے اپنے ہمارے والے شعر کے لئے بے شکل مقامات آسان کر دیئے ہیں۔ اور سوچنے کی بات یہ  
ہے کہ یہ سرور غالب نے غزل کے ذریعے سر کیا، جس کی تنگ و آسانی ضرب افق میں چلی تھی۔ غالب بڑے سرور  
کے عہد میں پیدا ہوئے تھے جس کو پورے طور پر سمجھنا اور نظر میں رکھنا غالب ہی کا کام تھا۔ یہی سبب ہے کہ وہ  
کبھی کے پیرو ہیں کبھی تھے اور مذاک کے عہد میں کوئی اور ان کا پیرو بن سکا۔

اردو شاہی میں بالعموم اور غزل میں بالخصوص غالب کی پیروی اس وقت شروع ہوئی جب ہمارے  
یہاں پھر سے ایمان اور اپنی شروع ہوئی۔ اور یہ زمانہ جنگ عظیم اور بھارت سے لے کر آج تک کا ہے۔ اس

پیر ویا کے اولین نقوش ہم کو طبعی کی غزلوں میں ملتے ہیں۔ غزلوں میں غالب کا یہ کارنامہ ہماری شاعری میں طرح طرح سے جھلکتا ہے۔ جس کی تفصیل بجائے خود ایک مقالہ بن سکتی ہے اور اس کا یہ موقع نہیں۔ اردو شاعری کے غالب طرز کو یہ بات عجیب معلوم ہوگی کہ غالب اردو غزل کے فیضیہ کوئی بڑے مرد میدان نہ تھے، ان سے پہلے خزانہ کے جہر میں اور ان کے بعد بھی ان سے زیادہ مست غزل گو گزرے ہیں۔ لیکن یہ غالب ہی کا تصرف تھا۔ میں نے غزل کو ہمارا پھر اور جماعت پھر کو غزل بنا دیا۔ اردو شاعری میں غزل کا یہ تصرف دوام مبارک سمجھا جائے یا نامبارک، حیرت انگیز ضرور ہے۔ اردو شاعری غالب کے مبارکے خاص و مشترک گزاردن میں ملے کرتی اقبال تک پہنچی۔ اقبال نے اس کو کہاں سے کہاں چھوڑ دیا۔ ایسا موضوع ہے، جس کے بارے میں وہیں بات دوہرانا چاہیے ہوں، برا بھی ایسی اور کہنا ہوں۔ یعنی جس کی تفصیل خود ایک مقالہ بن سکتی ہے، اور اس کا یہ موقع نہیں۔

غالب کے سسے میں کچھ باتیں ان کی ذوق دلی اور خوش طبعی کے بارے میں بھی کہنی ہیں۔ اقبال، ہمارے پچھلے دور کے دور سے اور وہ صحیح کی سیاسی و معاشرتی طنز و طعنت تک ایک درجہ پہنچ گئے ہیں۔ جیسے غالب کی مشاعرہ اور شائستہ طراوت کو چھوٹے کی ہمت نہیں ہوئی۔ زندگی سے غالب کا رشتہ با واسطہ اور براہ راست تھا۔ انہوں نے ایک مضبوط چٹان کی طرح ہر طرف کو طوفان، طوفان کو ہروں میں منتقل ہوتے دیکھا، اور اس ٹھیل کو باذیچہ اقبال سمجھ کر نقیض و دقیق میں پڑنے کے بجائے ان دونوں کو اپنے طور پر سمجھاتے رہے۔ وہ مرنے لسنے کے بولے دن کے اجالے کے قائل رہے۔ اپنی اس حیثیت کو منوانے کے لئے غالب کو ہماری حیثیت بھی ادا کرنی پڑی۔ ایک دوسرے ملک جیل کے فنون کے کنگمان کی دوستی خاطر پڑی رہی لیکن اس حیوان غریب نے جس طرح اور میں حد تک اس مشکل کو آسان کیا میرے نزدیک طنز و مزاح کے شعروں میں ان کی خدمات کے لئے کافی ہے۔

ابنائی دور کو چھوڑ کر جب ان کی دور درجی ان کی بے غمازی پر اکثر فتح پا جاتی ہے غالب کے یہاں زندگی کا ایک فلسفیانہ احساس تھا ہے جس میں ریخ و راحت دونوں کے لئے گناہ تھی ہی نہیں، بلکہ طلب بھی ملتی ہے جیسے وہ اس کے قائل ہوں کہ جنگ سے اس گھر کی رونق کے تمام پہلو گہور پاتے اور زندگی کا فخرت جیم پر پہناتے ہیں۔ نیز یہ کہ ہنگامے سے بیزار یا پریشان نہ ہونا اتنی ہی گھٹیا بات ہے جتنا کہ اس پر ہنس سکنے اور ہنگامے میں سمجھتے غلط دیکھ سکنے اور پالنے کی صلاحیت پیدا کرنا ایک اعلیٰ اور قابل من نظریہ حیات ہے جسے احساس ہے میں نے رد و قدس، کرشماتی اور دل شکستگی کی تنگ و تاریک اور خفاک گلیوں سے نکال کر انہیں ان کی شاعری کے فلسفیانہ توازن اور بے غمازی خوش طبعی کی مشاہیرہ پر لا ڈالا۔

اردو شعروادب ہی نہیں، شعرو طراوت کی محفل میں بھی غالب اس طرح داخل ہوئے ہیں جیسے غلی گانوں کے درمیان پہلے گانے لاکوئی آستاد مدد ہو جائے، تقریباً ہر صدی میں دعا ایک بار ایسا اتفاق ہوتا ہے۔ غالب انہیں دلچسپ لیکن ناگزیر اتفاقات میں سے ہیں جن کو کسی خاص دور میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ خود

ایک دوسرا ایک مہدی یا ایک خزانہ ہیں۔ اسی طرح جیسے ان سے پہلے سودا، اور ان کے بعد اکبر کی حیثیت دیکھو اور سمجھ لیں، تو اردو طنزیات مضموعات کا پورا سواد کار و بار ہو کر جہاں سے پیش نظر ہو جائے گا، اور جہاں وہ تمام مثبت اور منفی قدریں مل جائیں گی جن کو مختلف صدوق میں ایک دوسرے سے رابطہ کے کرنام دوسرے طنز نگار، اور مزاح نگاروں کا نہیں دیکھیں یا سکتے ہیں، اور ان کے فن اور کارنامے دونوں کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ مہدی زمانے کے لحاظ سے بھی غالب سودا اور اکبر کے درمیان آتے ہیں۔ اس طرح ان کی حیثیت "برزخ" کی سی ہو گئی ہے۔ میں میں ایک طرف سودا اور ان کی ذراست اور دوسری طرف اکبر اور ان کے لواحقین ہیں، اگر اس عمل یا سفر میں غالب کی حیثیت اپنے کو اس طرح ڈھالتی مزاں ہے کہ اکبر تک پہنچنے پہنچنے بہت و جہنم و برعایت، برزخ کی تقریبی معنی نظر آنے لگتی ہے۔ اور یہ احساس ہوتا ہے کہ بہت اور جہنم بھی میں ایک اعجاز ہیں ہے۔

مزاح کی طرح غالب کی طنز بھی لطیف ہے، گزشتہ براہ راست یا سادہ نہیں۔ ان کے یہاں وہی بات جب تک سادہ اور براہ راست رہتی ہے، اچھے پھلے مزاح کا نثر معلوم ہوتی ہے لیکن جہاں اس میں معمولی سا نرمی بھی آئے طنز کا شیکھا پن اور ظرافت کا بہم پورے طور پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس غیر معمولی اعتماد اور قابو کی مشال میں کوئی مثال سے پوچھے یا ان دوستوں سے جن کے نام غالب نے مہدی جنس کے خطوط لکھے ہیں، یا ان مضمون میں دیکھیں میں میں کسی دشمنی بہانے کوئی نہ کوئی سن گزشتہ بات آپڑی ہے۔ ان کی ظرافت میں کوئی پیرزمنی شوقی معلوم ہوتی ہے، وہی ان کی طنز میں پہنچ کر گزشتہ کی طرح پہنچتی ہے۔ مثلاً

آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

ہے یوں کہ مجھے قندو تہر جام بہت ہے

ہے ولی پوشیدہ اور کا خرم کھلا

خدا سے کیا ستم جو نہ خدا چکے

کیا بات ہے تمہارے شہزادہ طہور کی

شیر خاں کا ہے قلم سرفروخت کو

اگر ان کردہ گنت ہوں کی سزا ہے

یہ اور ایسے ہی جانے کتنے اور گزشتے ہیں جو غالب کی شخصیت، ان کی ذراست نگاہ اور ان کی بے محابک حیات شناسی کے لئے چور دوزخوں کا کام دیتی ہے، جو شاید کبھی نہ کھینچے نظر آتے اگر ان پر غالب کی من لطف سے پاک غرض ولی اور غرض طبی روشنی نہ ڈالتی۔

اپنی اس عین زندہ دلی سے انہوں نے خود غزل کے مزاج اور حریفانہ کوششوں سے محبت پر امید اور غم آفرین بنایا، ایک علیحدہ سوال ہے، جس کے بارے میں وہی فکر و خیال پھر دہرائوں گا۔ یعنی میں کی تحفیں مجھ سے خود ایک مقررہ ہوتی ہیں۔ اور اس کا یہ موقع نہیں۔ لیکن جب ہم ادب میں فنکارانہ طرہ امت کی حیثیت و اہمیت متعین کرتے ہیں تو غالب کی مثال ضرور سامنے رکھنی پڑے گی۔ جن کے اس ذہنی رجحانیت ہی کی بدولت ادبی دھارے کا رنگ مزینا آسان ہوا۔ وہ شاید تیری زبان و غالب کے بیان کو سنبھال سکتی، مگر اقبال کے کلام کو۔

## غالب شکنہ

(۱۹۲۴ء سے آج تک)

غالب کے گزشتہ پندرہ سو سال پر روشنی ڈالنا پڑی۔ وہ نہ کہ صرف غالب مفقود سے مخالفت و تقابلیت کا کوئی نمونہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کی صدی کے عین شہسویں صدی کا۔ میں کہتا ہوں اور کہتے کا حق رکھتا ہوں کہ تخلیق یافتہ گزشتہوں کی بدولت غالب کے کلام شہسویں صدی کے گزشتہوں کا جو ہر فطرت نے مجھ میں زیادہ ودیعت کیا ہے شاعر کو بدولت شاعر شاعر ہی بہتر ہو سکتا ہے۔ مگر بغیر وہ خاص، غالب کے متعلق اس قدر کچھ متفقہ طور پر کاٹھا ہے اس لئے ہمارے ہوتے ہیں کہ غالب پر دست ذرا تنقید کے بغیر وہ بھی کچھ نہیں کہیں سنا بھی نہیں ہوتا۔ جو لوگ اسے گزشتہ ہونے کے اہل کی خلق گزشتہوں کو کھانا کھاتے کم کرنی قابلیت کی دلیل ہے۔ کیا کھانے دھکڑوں میں نہیں اس جو انسان میں ہوتی ہے۔ گزشتہ کی گزشتہ۔ میں اسے اپنی خودت کچھ گزشتہ کچھ کرنا ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ میری یہ تاریخ تو ان کی کسی خاصانہ تہذیب کے تحت سمجھا اس میں کوئی اصلاحی امر نہ پڑتا ہے۔ آپ غالب ان کے مزاج سے کہتے ہیں کہ میری ان تمام تقریروں کا مخاطب غالب نہیں ہو سکتا کیونکہ گفتگو دونوں سے نہیں ہوتی زندگیوں سے ہوتی ہے اس کے علاوہ اس حیثیت پر نظر رکھنی چاہیے کہ مرزا غالب نے خود اپنے ہونے پر ہلے کا حق اپنی قابلیت تحت لب و لہجہ میں تنقید کی ہے۔ کچھ سے زیادہ غالب پر سخت گلائی یا بد اخلاق کا التزام کب سے سکتا ہے۔ دوسری وجہ میرے اس سبب کا کہ غالب کی یہ بھی ہے کہ غالب پر سختوں نے غالب کی مدح میں حد سے زیادہ غلو سے کام لیا ہے۔ تمام اس قدر اوردو کا حق تلف کر کے غالب کو دے دیا ہے۔ مگر میں نے غالب کا حق تلف نہیں کیا۔ ہاں کھری کھری سناوی جس کے مخاطب غالب نہیں ہیں بلکہ غالب پرست۔

غیر غلو سے اس قدر کہتے ہیں کہ مرزا غالب نے خود اپنے

عین دہم بن پاس ہے اپنے نہ ملک و مال

ہم سے حسد و انتقام ہو کے گزشتہ کا زمانہ کیا!

(خواجہ نقشب)

## العالمی سہ ماہی

کتاب مستطاب تالیف بربان فارسی قدیم لہ آمیزش  
لفظ عربی تصنیف فردوسی ہند نواب اسد اللہ خان بہادر  
غالب تخلص دہلوی، موسوم بہ

# دستنبو

جس میں مصنف نے اپنی سرگزشت ابتدائی ۱۸۵۷ء  
۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے مع قصیدہ تہنیت فتح ہند  
کہ وہ بربان فارسی متعارف مروجہ ہے ؛

مطبع مفید خلافت ۲ گرا بیس واسطہ اعتقاد  
خاص و حمام کہ یہ اہتمام شیونارائین کے چھاپا گیا



سنہ ۱۸۵۷ء میں برصغیر پر انگریزوں کی حمل داری کا شروع ہلوع ہوا اور غلبے سلسلے کا کتاب قروب ہو گیا۔ اس ہلوع وغروب کے پس منظر میں تہذیبی زندگی کے کس قدر ایجے کے اس کا اندازہ صرف ان دقت کے سے ہو سکتا ہے جو کسی حد تک مشہور تحریریں لائے جاسکتے ہیں۔ غالب نے اپنی آنکھوں سے شہر دہلی کی تباہی، شہزادگان، رؤسائے شہر، اپنے اعزاء، اعیان اور شاگردوں کی اسیری، حسن و غارت گری اور مصائب کوئی کے دوح فرساتا خود دیکھے۔ اور وہ سائیر کی زبان میں قریح فارسی میں ایک سفل رسالہ "دستبنو" کے نام سے تحریر کیا جو دہلی کی تباہی کا دردناک مرثیہ ہے غالب نے "دستبنو" کی تصنیف میں یہ التزام رکھا ہے کہ اسماء کے سوا کوئی لفظ عربی کا ذکر نہ کرے۔ دلچسپ حقیقت نے اس میں سے چند غیر فارسی الفاظ کا کش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ غالب کا یہ دعوای ممکن طور پر صحیح نہیں ہے۔ بہر حال اس دعوے سے قطع نظر غالب نے فارسی شعر کے اعلیٰ اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے شہرے شہر بے اور جنگاں بے قیود کے مصائب کی داستان اس انداز سے رقم کی ہے کہ یہ کتاب حیات غالب اور عبدالغالب کا ایک اہم ماخذ بن گئی ہے۔ انیس کہ اس نادر و نایاب مجموعہ کا ترجمہ کتابی صورت میں چھپنے کی آج تک ذریت نہ آسکی۔

اگرچہ سنہ ۱۸۵۷ء کو دہلی میں فساد ہوا اور اس دن سے غالب نے اپنی سرگزشت ممکن شروع کی اور کچھ مسلمان اسے بچا وہ "ضمیر سرگزشت" کو لے گئے یہ سلسلہ ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۵۸ء میں پندرہ جینے کے اعلان پر ختم ہوا ہے "دستبنو" کی افادیت کے پیش نظر "افکار" میں اس کے ممکن متن کا ترجمہ ملکہ وکیل ریہ کے قصبے اور اعلیٰ فارسی متن میں نہیں ہیں۔ لیکن واقعات کی تفصیل کے پیش نظر یہ اترام کیا گیا ہے "دستبنو" کا یہ مستند ترجمہ پہلی بار دہلی یونیورسٹی کے علی مجتہد "اردوئے معلیٰ" کے غالب نمبر سنہ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا تھا اور تالیف مختار، جملہ مشہور ذوق پاکت کے اجازت و رسائی میں "دستبنو" کے بعض ناقص و نامک تراجم شائع ہوئے ہیں لیکن وہ اعلیٰ فارسی متن کی روح اور غالب کے اسلوب سے قطعی غار ہیں۔ چنانچہ "دستبنو" کا یہ ترجمہ ممکن صحت کے ساتھ "افکار" میں محض اس جذبے کے تحت شائع کیا جا رہا ہے کہ غالب کی یہ یادگار تحریر محفوظ ہو جائے اور غالب شمس اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

۱۔ اردو کے معنی "دہلی کی عین اوارت" اور اس کے مدبر غزالی ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب مباد کیا ہیں جن کی اولین مساعی سے "دستبنو" کا جامع و مستند ترجمہ اردو دوستوں تک پہنچا۔

## قصیدہ

## برگزیدہ

در مدح خداوند رؤے زمیں سایہاں آفریں  
حضرت قدر قدرت ملکہ معظمہ انگلستان  
خدا شرمکہ بالعدل والاحسان  
مشتعل بر تہنیت فتح ہندوستان



درد روزگار با تورا ندشمار ریافت  
 پرکار بیزگر د فلک، در میان حسین  
 در بالی آسمان بزمیں با ذکرده اند  
 آمد اگر بضرض ز باطلا بل فرود  
 چون سخن ماه بخشید بینی پداں که ماه  
 چون رنگ روی گل نگر می شاد شو گل  
 در خاک و باد و آتش و آب کاشتی فرو  
 ناچار مینماید او گرایش نمی کند  
 هر کسی بقدر نفرت خویش اربمند گشت  
 گر خوابیده باشد را خط آزا و گی بنشت  
 در بنده خود ز خشم خط بندگی درید  
 در روشنی و مهر فروزش ز سر گرفت  
 بهرام دل به بستن تین و کر نهناد  
 نظاره فتنه های عیان از نظر ستر  
 جام از شراب روشنی آفتاب دلو  
 روئے سخن صفائے بناگوشگل گزید  
 برهم زدند قاصده دلی کین بدهر  
 بیخی سحر بنجاب پیمانہ کش رسید  
 درین شاعر خویش بر این بسیل ریخت  
 عاشق ز بسکه شاد بیداد پیشه را

خود روزگار را چندین روزگار ریافت  
 حق داد و ادحق که بمرکز قرار ریافت  
 هر کس هرا تچه جنت بهر رنجه تار ریافت  
 بروی خاک پیچ و خم زلف یاریافت  
 پا و کش جان گذازی شب های تار ریافت  
 ابر جگر خراشی پیکان حسا ریافت  
 ایستاد بر سرش که غنق زهر و درگار ریافت  
 در دهر هر چه صورت از بی هر چه ریافت  
 هر ششی بس جوهر خویش اشتها ریافت  
 هم بر دوسرای خودش بنده دار ریافت  
 توقیع خوش دلی ز خداوند گار ریافت  
 میل و نیاز صورت بیل و نهار ریافت  
 ناپسند ذوق و درخش مضراب و تار ریافت  
 اندیشه گنج های نهان آشکار ریافت  
 بزم از بساط تازی نو بهار ریافت  
 بانگ قلم انشا بر لب هزار ریافت  
 هر کس سرور تازه بهر گونه کار ریافت  
 ذوق صبور عابد شب زنده دار ریافت  
 کودک رفائی ابو زامر زگار ریافت  
 از بهر خویش غم غسل و غم عسار ریافت

خون گشت در دل دی اگر حسرت نگاه  
چشم سیاه را بستر اسو غوار یافت  
گر زاهد است نیز ز من می بجام بُرد  
در مجرم است نیز ز شر زینهار یافت  
قضی دل عدو که کشایش نداشت نیز  
دندان کلید ز دندان مار یافت  
با فتنه هم مضائقه در خرقی رفت  
خود رخت خویش از رنگ گل پو تواریفت  
عنوان رنگ و بر دستم دل فروخت  
بستان آرزو و شجر میوه دار یافت  
دولت سپند سوخت که شد ملک تانہ رنگ  
ملک آفرین سرود که دولت مدار یافت  
از استقام شاهان و آئین خسروی  
سود و سرور و دانش و داد و انتشار یافت  
بر خستگان ہند بہ سجود از کرم  
و کمتری کہ رونق از دوزگار یافت  
چخشہ بہ کار سازی اقبال ساز داد  
کاقبال ناز را بہ منقش سازگار یافت  
بالد چنان ز ناز کہ پہلو زند بجای  
از بسکہ تخت پایہ گی استوار یافت  
ناز و چنان بخویش کہ بالا بردی تخت  
از بسکہ تاج کام دل اندر کن یافت  
بایستی انجم از پانی تر صیغ تاج و تخت  
نازم فرد تنی کہ جواہر قرار یافت  
باتوت ساز چرخ کہ معدن دکان دولت  
آہد ہر چہ در دگر کہ ہمار یافت  
سنگی کہ نقش عمل و زمر و بنشتہ بود  
در سیمہ خار خار ز جوش شرار یافت  
خوشیہ را بچشم کوکب فرودار ج  
تنہا نہ آید و گہر شا ہوار یافت  
جہشید کش لبشاہ ہر ہمسری نبود  
ساقی گوی گزیدہ و در او پرده بار یافت  
زہی پس میا نہ مردم سخن رود  
ژان دور باش ہا کہ ہم از پردہ دار یافت  
ہمت نخواست دادہ زانگور ساختن  
در دورش بیکمہ ہر وی فشار یافت  
زحمت کشید گر چہ بہار اندر اہتمام  
دانہ ہی کہ سود بدون از شمار یافت  
آورد و گو نہ گو نہ نشاہای رنگ و بو  
با خویش بُرد ہر چہ نہ در خورد کار یافت  
گل را ز جوش رنگ بہ رنگا مد جا گہاست  
آورد و گر بہا رتنش را فگار یافت

در راه با یمن ز غریبان شمرده شد  
 مودبیکه آید در مهرش اهورزد  
 روزیکه زیر ران شهنشاه کامران  
 از گرد راه، سیل، یغی، نقاب بست  
 و در شکارگاه دهنش زشت بست  
 با شد بجان و غیب بمنزل زند قفس  
 تاج و تیش علامت شاهی است و جهان  
 فرمان روی ماست که از فرشتگش  
 زین سان بقیض نامیده نامی نگشته بود  
 و اتم کز افتخاری زمانست کاین زبان  
 آری چرا چنین نبود کز عطای دهر  
 کوه از انجم لاله خود رو بچاک خفت  
 بی آن که خوابش زدیگی در میان بود  
 امروز لاله را بهر کوهسار دید  
 در وصف رنگ و بوی توانی تمام شد  
 این خوش دلی ز مدثر ازل بود آن شاه  
 ماست که مستعار بود همچو عمر حلق  
 نقاب شارب دولت حب و دیانتی

ازین بهر است چیب مسی زلفت داسم

هر جا الف جنبست محاسب بهر ریافت



ہمام خداوند پیسروزر

مدد مہرمان و شب و روزگر

میت اسے کتاب کا آئینا نظر آتا ہوئے اسے خدا کے

نام سے چو طاققت میٹھنے والا ہے ۔ چو چاند، سورج

اور دھن، دات کا خالق ہے ۔

عظیم طاقت کا مالک ہے وہ خدائے ہمام نے فرما سون کو بلڈ کیا اور سات شادیوں کو بدشگونی عطا کیا  
بڑا صاحب علم ہے وہ خدا میں نے جیم کو روح سے سرفراز کیا، اور انسان کو حکمت و انصاف کی دولت بخشی ۔  
میں نے مادے اور دماغ کی مدد کے بغیر سات درمیزیوں، اور نور آسمانوں کو پیدا کیا۔ مشکل اور آسان کاموں  
کا جن کا نام اس سلسلے میں راستہ کی، معمول یا غیر معمولی رکاوٹوں کا دور جوتا وہی سب امور کو، ان کی رفتار و اثرات  
سے متعلق کیا ۔

(خدا نے، ان خالطوں کو اس طرح مرتب نہیں کیا ہے کہ وہ اجرام جہاں متضاد ہیں، مختلف صفات رکھتے  
ہیں، ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں اور دیکھی، ایک جگہ جے جو طاق ہے، طاقت کے باوجود فرماں بردار  
نہیں اور وقت کار فرمائی اور صلاحیت کا پیر کے با وصف فرمان قدرت کے تابع نہیں)۔

درازا اختر و گردوں مہم دم زنی کہ جنوں

بہا نہ ہم نشانی سہان و دور وارا

شوشہ رہ پرستار کا فتالی ہست

فرد و گشتہ فروغش نہاں و پیداما

نہم آسمانوں اور ستاروں کے دراز دھانے، لاکیا

دوسری کرتے ہو۔ ہم تو ابھی تک چھت اور پچاس کے  
عزقی سے واقف نہیں ہو۔ ستاروں کی پریشانی نہ  
مگر وہانت کو دنیا کے کاموں میں مطلق صاحب اختیار  
نہ مانوں کیونکہ ایک آفتابیہ (مخدا) بھی موجود  
ہے۔ جس کی روشنی دکھاتا ہے کہ تمام ظاہری چیزیں  
جیونیت کو چلتی ہیں، لے رہے ہیں۔

اگر ذہرہ و مشتری میں (سود ہونے کے لحاظ سے) فائدہ پہونچنے کی کچھ صلاحیت ہے (تو ہو) اور زحل و مریخ میں (خس ہونے کے اعتبار سے) نقصان و رسائی کی خاصیت ہے، تو ہوا کے جو لوگ واقف حقیقت ہیں، وہ جانتے ہیں کہ خواست و محبت اور حسرت و غم کا سرچرپا ہی ہے۔ سوائے ایک عامل شجہۃ کے ملازم ہیں (اس میں) عداوت کے سوا ہی کبھی عطف و انصاف سے قدم (باہر نہیں نکالتے ہیں۔ مل جل کر کام کرنے اور کارسازیاں و تعمیل حکم کے علاوہ انہ کو کسی چیز سے تعلق نہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے سنہ شکر کے (دو پہلے سے) اچھے موسم کا ان کو کھانا چاہا یا کسی نے نرمی کو فریاد ہے) سے ہنگامہ (ڈنڈی) کی رونق افزائی کی تو یہ سب (ڈنڈی کو) ہانکے سنوارنے (اور خوشیوں کو مل کرنے) کے حکمت انداز ہیں۔ بظاہر بچے نمازی نہیں ہے

میسر گردد که در آن زمان در خیمه بر چنگ زدن  
پیدا است که از هر چه آید چنگ زدن  
در هر دو تا خوشی خوشی چندان است  
اگر در آن خیمه جامه بر سنگ زدن

مغنی ساڑ کے تاوروت ہم مضاربہ سے ضربے لگاتا ہے اور ٹپا کرچے کہ اس سے اس کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ صورتیں مصیبتوں کے پرورے میں چھپن ہوتی ہیں۔ دھوپ شمس میں ۶ سطر کی روش کو پتھر پر نہیں جاوے گا۔

«حقیقت کس چیز کا نام ہونا کس دوسری چیز کے وجود کا سبب بنتا ہے۔»

حقیقتہً اکرام و تکلیف اور بلند کی دلچسپی ساری چیزیں (غدا کی طرف سے) انسان کو ملتی ہیں۔ اس کے وہ سب قانونے اور بیرونی کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔ اور اس سے سرسری حاصل ہوتی ہیں۔ دولت مند کس محتاج کو چند پیسے دے یا خزانوں، دوپٹے، اوشیم کے تھان، عطا کرے یا کبیل (بہر صورت میں، سخاوت اور درویش پر جوش ہے۔ قدرت کے عطیات کو اچھا بنائی کے خالق میں تقسیم کرنا یا انکے پیش رکھنا لازم نہ تھانے کی خیال تو کم نہیں ہے۔

دنیا کی بے حقیقت چیزیں جو (حق کے طاقت و مستحیروں کے) سامنے ہیجے ہیں۔ کیا ان کے لئے یہ نمائش

دعاؤندی، کچھ کم ہے کہ وہ موجود ہیں۔

یعنی یہ دو قسم باتیں کم شعور اور کم معرفت لوگوں کی رسائل ذہن سے باہر ہیں اور انچار بیان کی وہ طاقت بھی ختم ہو گئی۔ مجبوری میں چند سیر حیا کیے اُٹھا ہوں آسمان اظہار بیان اختیار کرتا ہوں اور ہم انہیں بھی ہوں باتوں کو صاف اور سادہ انداز میں کہتا ہوں۔ آسمان کی گردش چکن کی رفتار کی مانند ہے۔ تم ابھی طرح مانتے ہو کہ چکن کو چلانے والا ضرور ہوتا ہے۔ کچھ کم یہ کیوں نہیں سمجھتے ہو کہ آسمان کی گردش میں رکھنے والا بھی کوئی ہے آسمان کے چرے میں ستاروں کی صاف صاف نغمہ رسائی وادیت دہی کے کاروں سے بنی ہوئی پٹری لگی ہے۔ جن کے چند پردے تیار کر کے اپنی دنیا کی نگاہوں کے سامنے ڈال دیئے گئے ہیں۔ ماحول معرفت اور واقعات اسرار کا پردہ ان کے باوجود دیکھ سکتے ہیں کہ ہر کام کا کرنے والا خدا ہی ہے۔

پہلو جنبش سپہر یزدان دادا است

بیاد بنود اپنے ہوا آسمان وہ

جب یہ مستقیم کہ آسمان کی گردش مستقیم

خدا کے تابع ہے تو پھر آسمان جو کچھ دے

ہم اس کو ختم کیسے کہہ سکتے ہیں۔

سبحان اللہ! کتنا عظیم ہے وہ خدا جو وہ دھماکا کیا ہے اور دم کو ختم کرتا ہے جو ظلم کو ختم کرنے والا اور انصاف کی روشنی کو پھیلانے والا ہے۔ وہ انصاف کی طاقتوں سے طاقت وروں کا نور گھسا دیتا ہے اور اپنے گرم سے کڑوروں کو طاقت بخشتا ہے۔ اپنی کے کنڑوں کی ضرب سے فیل سوار خود سروں کا خاک میں مل جاتا۔ یا ایک کچھ کا نرہ و کوسوت کے بہتر پر سلا دینا کیا تھا؟ یقیناً یہ وہ نشانیاں ہیں جن سے اس کی (بے پناہ) قوت و قدرت کا انچار ہوتا ہے۔ ورنہ کھ کو بتاؤ کہ یہ دو مختلف قسم کی تباہیاں جو مختلف زمانوں میں نازل ہوئیں۔ یہ کس ستارہ کی نگاہ سے نکلا؟ قسم کا کرشمہ تین سے

وہ آگ ازیم۔ اور بگ وافر برد

سکندر بگ کاہ وارا ورو

نمود ووزان دست انگشتی

کو مستقیم رگہ جان دی و پری

نہاد و پیش وانی نہ کیمنہ ہی

سرائی ہماں میریخ و اختر ہی

خدا کا جھنڈ سے تحت و تاج چھین لیتا ہے

سکندر وارا کا سینہ چاک کر دیتا ہے۔ غنیمت

حضرت سیام کے حاتمہ سے انگوٹھی اٹھائے



جانتا ہے جو درجہ اور پیرہن پر حکمرانی کرتے تھے ۔  
شتم جزا و سبزا کے اسرار سے واقف نہیں تھے  
آسمانوں اور ستاروں کو ہر چیز کا ذمہ دار  
سمجھتے تھے ۔

خدا جس طرح کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے ۔ اسی طرح ہر موجود کو فنا بھی کر سکتا ہے ۔ وہ خالق جس  
نے ایک لفظ کائنات سے سارے عالم کو پیدا کیا ۔ اگر وہ اس عالم کو فنا کر دے تو اس کی جہاں ہے کہ چلے و چرا کرے ۔

اس زمانے میں ہرداک کا اینٹ اور ہر چپیر کا قاعدہ ہی بدل گیا ۔ سپاہی سردار سے منحرف ہو گئے ۔  
سنی طرازی سے کیا فائدہ ، کپتا چاہئے کہ زمانہ ہی بدل گیا ۔ منجھن کا خیال ہے کہ میں زمانے میں ایران کے آخری  
شہنشاہ یزدجرد کی پہلی پیش عربوں کے حملوں سے درہم برہم ہو چکا تھا ۔ اس وقت زحل و مریخ دونوں بروج  
سرطان میں جمع تھے ۔ آج کل بھی بروج سرطان زحل و مریخ کا مسکن معلوم ہوتا ہے ۔ یہ بناوت ، لڑائی ، ظلم ،  
خون ریزی اور ذلت اس (قرآن محسن کے) اثرات ہیں ، لیکن ہجو کو فتنہ سائے حقیقت ہیں ۔ وہ اس بات کو  
تسلیم کیسے کر سکتے ہیں ۔ ایران پر عرب کا حملہ بالکل دوسری چیز تھی ۔ وہ تو ایک ملک پر دوسرے ملک کے  
لوگوں کی فوج کشی تھی ، لیکن یہاں تو فوج نے اپنے سرداروں سے بناوت کی ہے ۔ ایران کی قدیم داستانوں سے ان  
دو لڑائیوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے

## جنگ عرب و ایران اور غدار کا مقابلہ

ایران پر عرب کا حملہ مذہبی بنیا پر تھا ۔ ایران جو علم و حکمت کے لحاظ سے ایران ہو چکا تھا ، ایک نئے  
مذہب کی پرستش سے معمور ہو گیا ، اور اس کی بدولت آگ کی پرستش اور غلامی سے نجات پائی ، لیکن ہندوستان  
میں ارجاں سوال صرف قافلوں کا ہے ، ہندوستان والے کس نئے آئین کی مخالفت کا سہارا لے کر اپنے اسائن  
پر غرضی کا ثبوت کر سکتے ہیں ۔

اہل ایران نے آتش پرستی سے مذہب کو مٹا دیا ۔ راستہ دیکھا لیکن ہندوستان والے نصف جانوروں  
دھڑکے ، کادامان سے چھوڑ کر درندہ صفت انسانوں کے دام میں گرفتار ہو گئے ، تم جنس دیکھتے ہو کہ  
حاکم و دام اور داد و دیوی زیادہ فاضل نہیں ہے ۔ پتا تو ہے کہ انگریزی حکومت کے علاوہ کسی دوسری  
حکومت میں انصاف کی امید کتنا باطل ، نادانی ہے ۔ عربوں کے تازے سے جو زخم لگے تھے ۔ وہ مبارک مذہب  
داسلام ، ان زخموں کا مرہم بن گیا تھا ۔ اگر ان مصیبتوں کے بعد زمانہ امن و راحت کی دولت بخشا ۔ تو  
مصیبت زدہ قوم کو کام کو بھولنے لگے تھے ۔ انکس واقف و ذوق صاحب نظر کے خیال میں اس قیامت کے مبد کوئی  
راحت ملنے والی ہو تو جسکے اور میرے غم گین اور خوف زدہ دل کو شکنجہ بخش کر متوں کے دامن و انتقام کے

ذمہ دار، ملازمین حاکموں سے بناوت کریں۔ سبھی ہی افسروں کو تعلق کریں اور خوشیاں منائیں، اور ان کو نوا بھی پیشینہ دے دیں۔ اسے واقفانِ امر اور عارفانِ سود و ذلّوں یہ سارا منگا کر خدا کا قہر ہے۔ ایران کی وہ جنگ اس قدر عاویس کن اور تباہ کار نہیں کہن سے

زخمہ بر تارم پریشاں میر و

کاین قواہی پریشاں میز نم

منازعہ پریشاں نے شخص اسے بے بہتر ہو چکا ہے

ہیں کہ عالمِ اضطراب میں مضرب ہے سے

شارعہ کسبہ طرح پھر دیکھا صحت -

میں اس قدر فہم تھیں ہوں کہ مستاروں کو روشن ہونے کے باوجود یہ یوں کہہ دوں، آسمان کو منیم و بلند ہونے کے باوجود یہ سرو سامان کجیوں، خلوق آسمانی کی کارگزاروں کو کجیوں کجیوں، یا ان دو منوسس ستاروں ذیل و مرتج کے ایک جگہ میں جمع ہونے سے کچھ بھی انہیں پر آلام حالات کی توقع کروں جواب سے ایک ہزار سال پہلے جنگِ عرب و ایران کے زمانے میں واقع ہوئے تھے۔

میں جو زمانے کے ہاتھوں ناقابلِ علاج مصیبتوں میں گرفتار رہوں۔ یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس زمین پر لپکنے والے جہنم نے ہر طرح سرطان کو جنم دیکھا ہے اور جہنم و مرتج کے نام ہی سے واقع ہیں، ناخوشیہ اور ان دیکھا باتوں میں نہ آج بھی بلکہ یہ سمجھیں کہ زمانے نے جس کے سینے میں ماضی و مستقبل کے راز محفوظ ہیں اور اچھے لوگوں کے کام کو دیکھا جتنا اس کی پرانی عادت ہے۔ اس امر کو روانہ رکھا کہ غیر فوج کی دست برد سے دنیا بھر فرنگ کو نقصان پہنچائے بلکہ اس نے اس غزوہ (انگریز، پراسی کی ہرجا سب سے آنے والی انواع کو مسلط کر دیا، اس کتاب کے پڑھنے والے یہ سمجھیں کہ میں نے جس کی قلم کی جنبش سے کاغذ پر (الفاظ کے) سوئی بکھر جاتے ہیں۔ انگریزی حکومت کے نان و تنگ سے بددش پائی ہے اور بچپن سے ان فاحش عالم کے دسترخوان کا ریزہ چیں ہوں۔ سات آٹھ سال ہوئے کہ بادشاہ دہلی نے مجھ کو بلایا اور مجھ سے فرمائش کی کہ میں تھوری خاندان کے بادشاہوں کی تاریخ لکھوں۔ جس کے عرض ۶۰۰ روپے سالانہ دینیہ دیا جائے گا۔ میں نے اس خدمت کو قبول کر لیا اور کام میں مشغول ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کے است و کا انتقال ہو گیا اور اصلاح شہر کا کام میں مجھ سے متعلق کر دیا گیا۔

### ملازمت قلعہ کا ذکر

میں بوڑھا اور کمزور تھا۔ نیز گوشہ نشین تھا۔ میں مجھے اپنے اور آرام کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میرے پن کی وجہ سے بار بار حاضرین ہو جاتا تھا۔ کوئی بات کر رہا ہے اور میں اس کے ہونٹوں کی جنبش پر نظر جائے ہوئے ہوں۔ مجھ پر پہنچے میں ایک دو بار قلعے میں جاتا تھا۔ اگر بادشاہ محل سے برآمد ہوتے تھے



سے کہ تیرے ہاتھ والے پانی کو منس و خاشاک سے نہیں روکا جاسکتا۔ اپنے آپ کو مجبور سمجھ کر ہر شخص غمگین و ماتم زوہ اپنے غمگین بیٹہ رہا۔

### مجبوری و خانہ نشینی

انہیں غم زوہ لوگوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔ میں اپنے غم میں بیٹھا ہوا تھا کہ شور و غوغا نکلا۔ چاہتا تھا کہ کچھ معلوم کروں کہ اتنے میں شور مچ گیا کہ اندرون قلعہ صاحب اجیٹ پہاؤں اور قلعہ دار قلعہ کر دیئے گئے۔ ہر طرف سے پہاؤں اور سواروں کے دھڑکنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ترمین ہر طرف علی انداموں و اکثر خندہ کے خون سے رنگین ہو گئی۔ باغ کا ہر گوشہ ویرانی اور بربادی کے سبب سے بھاری کامد فتن بن گیا۔

### انگریزوں کے قتل پر اظہارِ افسوس

افسوس وہ سپیکر علم و حکمت، انصاف سکھانے والے، خوش اخلاق و نیک نام حاکم! اور ہذا افسوس وہ پری چہرہ تازگ و جفا تو نہیں جن کے چہرے چاند کی طرح چمکتے تھے اور جن کے بدن کچی چاندنی کی طسرح دیکھتے تھے! حقیقت وہ بچتے جنہوں نے ابھی دنیا کو (اچھی طرح) دیکھا بھی نہیں تھا، جن کے جنس منکر چہرے گلاب و لالہ کے پھولوں کو مشابہت تھے اور جن کی خوش رفتاری کے سامنے ہرگز اور کبیک کی خفا کہ چہرے معلوم ہوتی تھی۔ یہ سب ایک دم قتل و خون کے مجبور میں گھاس کر (بچر خفا میں) ڈوب گئے۔

(دعا کی) چنگاریاں، ہر سامنے والی وہ موت! شعلے جس کا سر جلیا رہا، جس کے ہاتھوں و لگن غم زوہ چھتے ہیں اور ماتمی لباس پہننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر ان مقتولین کے سر سامنے آہ و زاری کرے اور اس عسکر میں مسیحا پرش ہو جائے تو روا ہے۔ اگر آسمان اس غم میں، غبار کی طرح منتشر ہو جائے اور زمین گرد باؤ کی طرح اپنی جگہ چھوڑ دے تو بجا ہے۔

ای تو بہار چن تین مہل بخون بخت

ای روز گلارچہ شہبانی ماہ تار شو

ای آفتاب روئے بسیل کبود کی

ای ماہ تاب و باغ دل روزگار تو

اسے موسم بہار! میل کی طرح خاکست و خون

میں ملے جا۔ اسے دھلتے! اندھیری راستے کی

طرح تاریک ہو جا۔ اسے آفتاب! اس غم میں،

اپنے رشتہ و روت کو دھیت کی نیلا کر لے اور اسے چاند

دنگین، دھلتے کے دل کا داغ بنے جا۔

خدا خدا کر کے وہ سنوس دن ختم ہوا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا پھیل گیا۔ ان سیاہ باطنوں اور پہلے رحم قاتلوں نے شہر میں جا بے جا پٹاؤ ڈالا۔ اندرونی قلندر شاہی بارغ کو گھوڑوں کا اہلیل بنایا اور دشمن سلطان کو خوب گانا رفته رفته دور دور کے شہروں سے خبریں آئیں کہ مسکن فوج کے یا مینوں نے ہر جہاں ڈٹی میں انہروں کو قتل کر دیا ہے۔ اور تنگ مراہوں نے کھلم کھلا بغاوت کا شور مچا رکھا ہے، گروہ کے گروہ خواہ سہا ہا ہوں یا دھیندا را، سب یک نواں ہو گئے، اور کسی طے خدوہ پروگرام کے بغیر دور و نزدیک ہر جگہ ایک ہی کام کے لئے کمر بستہ ہو گئے اور پھر کسی مضبوطی سے کمری کسی سختی کے صرف اس دریا سے خوی کی ہو ہیں، ہاں ان کو کھول سکتی تھیں جو مکروں سے گذر جائے دشمنک مقامات کے لوگ کسی قرار دار کے بغیر ہاں طرح ایک ہی کام میں قتل و خون میں لگ گئے تھے اس سے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہاں طرح ہما ڈی کی بہت سی سینگوں کو ایک ہی ہند سے باندھا جاتا ہے اس طرح گفتی شمار سے یا ہراں ڈٹنے ۱۱ویں کی کمری ہاں ایک ہما کمری سے ہند ہی ہوا ہاں۔

### باغیوں کی مذمت

بے شک ہندوستان کو آرام دہی آئی ہے اس جد تک خالی کرنے کے لئے کہ اگر ان ہجیروں کو ڈھونڈا جائے تو ایک شمس کے نکلنے کے برابر ہی نشان لے لے۔ ایسی ہی ہما ڈی کی ضرورت تھی۔ بہت سے لشکر و داروں کے بغیر تیار ہو گئے۔ بہت سی فوجیں انہروں کے بغیر لڑائی کے لئے اہل کھڑی ہوئیں۔ تو ہیں، گولہ بارود، چھوٹے فوج سارا سامان انگریزوں سے حاصل کیا۔ لڑائی کے سارے طریقے انگریزوں سے سیکھے اور انہی کھانے دانوں اور ماکوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

دل تو بے یا پتھر کا ٹوا نہیں ہے۔ کیسے نہ بھرائے۔ انھیں رشتہ و دوہ نہیں ہاں کہ انہوں نے ہاں۔ مکروں کی موت کا حکم مانتا چاہئے اور ہندوستان کی دیوانی پر روتا چاہئے، ہجر حاکوں سے خالی اور ہندو ہائے بے خداوند کے بھرا ہوا ایسے بارغ یا غیباں سے خالی اور درختان بے شجر کے پڑے ہاں۔

میٹر سے ہر قسم کی پادندوں سے اور سوداگر حصول ادا کرنے کی ذمہ داریوں سے آزاد۔ گھر و یاٹے معلوم ہوتے ہیں اور مکانات و لوٹ حار کرنے والوں کے لئے، خزان معفت۔ کا حکم رکھتے ہیں۔ جو لوگ گم نامی کے گوشوں سے چھپے ہوئے تھے وہ گروہ و گروہ بغیر کھٹ رہیں آرائش اور بے شری کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں۔ امن پینڈی اور تنگ ہنا دوٹ گھر سے ہاڑا تک آتے ہوئے راستے میں بیٹوں جگہ عاجزی اور مغلوبیت کا اعتراف کرتے پے پھرتے ہیں۔ میٹر سے دن ہیں ویری کے ساتھ لوٹ حار ہیں مصروف ہیں اور رات میں ریشی لہتر و لہر مجبور غائب۔

### شہر قاقی تباہی

بڑے بڑے عالی خاندان لوگوں کے گھروں میں چراغ جلانے کے لئے تیل نہیں۔ اندھیری طٹ میں جب

جیاس کی شدت بڑھتی ہے، بھل چلنے کے مستقر رہتے ہیں کہ یہ دلچسپی کہ کوڑہ کہاں دکھا ہوا ہے اور کیا ذکر ہے۔  
 زمین کی اس بے نیازی وہ استیلائی کو کیا کہوں کہ وہ کم رتبہ لوگ جو سادہ منی بیچنے کے لئے زمین  
 کھودتے تھے، ان کو منی میں سونے کے ٹکڑے مل گئے، اور جن لوگوں کی منی میں مات میں آتش لگے چڑا رہا  
 روشن رہتے تھے اذھیسے گھروں میں ناکامی و نامرادی کے غم میں مبتلا ہیں

کو تباہی مشہر کی زندگی و وفات کے علاوہ ساری نازیبا نازیبا شہر کا زلیہ رہزوں اور سیہ کار و ہنزوں کے قبضے  
 میں ہے۔ زلیہ وہ آرائش سے محروم ہونے کے بعد، ان نازیبا نازیبا جو ہلکا سا انداز نازیبا رہا تھا۔ اس کو ان  
 قومیت گڑاؤوں نے چھین لیا کہ ان کی خود منی کے کام آئے۔ جو سمیت کہنے والے پہلے نازیبا نازیبا عمل انجام کی  
 تازہ کاری کرتے تھے۔ اب ان بدخلیوں کے نازیبا نازیبا پر ہیوں ہیں۔ ان بے سرو پا لوگوں کے دماغ میں خود اس  
 حد تک سہا گیا ہے کہ ان کے حرکات کو دیکھ کر معلوم ہوگا کہ کچھ عجیبے چکر کھاتے پھر رہے ہیں اور سمجھو رہے  
 ہر وقت اس طرح خود نازیبا خود منی میں غور رہتے ہیں گویا پانی کی سطح پر کچھ سنگ جیسے چلے جا رہے ہیں۔ بڑے بڑے  
 عالموں اور نام و رون کی آبرو منی میں ملا دی گئی۔ اور جن لوگوں کے پاس نہ دولت تھی نہ عزت۔ وہ بے اندازہ  
 زور و جہاں اور عزت و گہرو کے مالک ہیں۔ جس کا باپ بھائیوں کی خاک بھاتا پھرتا تھا، وہ جہاں کو اپنا غلام سمجھ  
 رہا ہے۔ جس کی ماں بڑا دوس کے گھر سے آگ مالک کر لاتی تھی۔ وہ آگ پر حکم چلنے کا مدعی ہے۔ لیکن آگ اور  
 جہاں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور ہم ان پریشانی حال لوگوں میں سے ہیں جو صرف سکون و کامیابی کے چند  
 لمحوں اور انصاف کے خواہش مند ہیں۔

درد و غم کہ پیش تو اضافہ پیش نیست

پیشم تارہ را شرفِ حوی چکاں و ہر

سجادہ و سجادہ حالے مشاہدہ نزدیکہ ایک قصہ

ہے اور ہیں۔ لیکن اس کو نہیں کر سکتا مروت کسی

آہستہ آہستہ سے ہشتکے خونہ جاری ہو جاتا ہے۔

خاک کا انتظام درہم برہم ہو گیا، جس کے سبب سے بہت سے کام رک گئے۔ ہر کاروں نے آنا جانا  
 بند کر دیا۔ خاک میں پیڑم بیلچہ پھرنے کی گنجائش نہیں ہوئی، ہاں خطوط کی آمد و رفت کا قاعدہ ہے۔ مگر اس  
 گلے کی ایک اور شاخ (خیال عزت) ہے کہ نہ مضرب کی جنبش، بلکہ جنبش مضرب ہے، جو اس سے پیدا ہوئی ہے  
 ہزاروں پیام (خبریں)، اندازے باہر نکلتے ہیں۔

## عذر کی مذمت

(جو لوگ) مذہب اور قانون کے بے حد پابند ہیں۔ انصاف کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور بتائیں کہ اس معاملے  
 انتظام لا درہم برہم ہو جانا، خدا کی جنبش جوئی دولت کا اٹل جانا، خاک کا انتظام درہم برہم ہو جانا، اور

دوستوں کے حالات معلوم نہ ہوتا۔ کیا یہ ساری باتیں اس لائق نہیں کہ ان کا ماتم کیا جائے اور ان سوچنے والوں پر  
پڑے پڑے بہادروں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ اپنے سارے سے ڈریں، سہا جائیں، بادشاہ اور درویش ہر ایک پر  
حکومت کرنے لگیں۔ کیا یہ صورت حال لائق انہوں نہیں؟ ان روح فرسا مصائب پر آنکھیں آنسو نہیں  
بہا نہیں گی؟ اور کیا اس نوعِ عمری پر من مٹنے کو، اس ماتم سوانہ پر غنہ کرنا، اور اس غریب وزاری پر ہنسا جائز  
ہے؟ اور کیا ان پر آلامِ حالات سے اظہارِ بیزاری کو صفتِ ایمان اور تندرستی مذہب سمجھا جائے گا؟

میر دل خیم بچھر دشتی سخن چہ مرا  
ہزار آبد بزدل بود ز گرمی آہ  
ز کارِ رفتہ دل دوست من چنان کہ مرا  
نماندہ شادی بادشہ ورنجِ بادا فراہ  
میں شعر و سخن کے جواہر سے کیا حل دنگاؤں  
جب کہ آہِ گرم سے میرے دل پر ہزاروں آنسو  
پر گئے تھے۔ میرا دل شجرہ چکا ہے اور قریب اس  
حادثہ کو اب وہ بچے ہیں کہ اب بھیہ کو نہ سنا  
لازم ہے منہ جزای خوشی۔

### بادشاہ کی مجبوری

اس سرگذشت پر مصیبت کا مادہ ہوا ہے اس پر قیہ بہتر دقتیال، اس رودادِ ختم کو پھر مشرورج کرتا ہے۔  
جب پہل بار وہ گم راہ جنگ جو کسے تو جہانِ زانوہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ خزانے میں بچے کر دیا اور اپنے سر  
شاہی آستانے پر بٹھا دیئے۔ جلد ہی زمانے نے، کچھ ایسا انتقام کیا کہ ہر طرف سے فوجیں جمع ہونا مشرورج  
ہو گئیں، اور اس سرزمینِ دہلی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ بادشاہ جب فوج کا انتقام نہ کر سکا۔ فوج نے انتقام  
لینے اتریں لے لیا، اور بادشاہ مجبور ہو کر رہ گیا۔

شاہ را در میان گرفت سپاہ  
دینا گرفتنی بود گرفتنی ماہ

شاہ کو میانِ گہرِ غمی گیسر

جز مر چارہ نہ می گیسر

شاہ ماہ گرفتہ را ماند

نہ کہ ماہ دو ہفتہ را ماند

فوج نے بادشاہ کو اپنے حلقے میں لے لیا جیسے چاند

تو کہتے تھے جیسے - مائے فوجیت میں نہیں آتا -  
 کہیں توجہ دہیں ملک کے چاند کو لگتا ہے - بادِ ملاء  
 اس چاند کی طرح شہابی کو کہتے تھے کیا ہو - وہ ماہِ  
 کامل نہیں تھا -

## قیدیوں کی رہائی

جیسے اس بات کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ یہ بات بیان کرنے کے فائق تھی کہ یہ شہرت طلب جنگ بکر میں  
 مقام سے چلے وہاں کے قیدیوں کے قید خانے کا دروازہ کھول دیا اور قیدیوں کو آزاد کر دیا - وہ پرانے پرانے قیدی جنہوں نے  
 نئی نئی آزاد ہوئی تھی - شاہی دربار میں آئے - سجدہ کیا اور کسی علاقے کی صوبیداری چاہی - آقاؤں سے کہا  
 ہوئے فیروزہ دار غلاموں نے آستان شاہی کو ہوسہ دیا اور کسی سرسبز علاقے کی حکومت کے طلب گار ہوئے - کوئی  
 نہیں کہتا ہے اور میں بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہر خواہش مند کو جواز ہونے کی اجازت اور ہر پناہ مانگنے والے کو  
 پناہ کیوں دے دی جاتی ہے؟ لیکن یہ زمانے کی برابری ہے -

## تعدادِ فوج

اب دہلی کے اندر اور باہر تقریباً پچاس ہزار سواروں اور پناہ والی فوج پڑی ہوئی ہے - صاحبانِ مملوک  
 وائش انگریزی حکام کے قبضے میں اس وسیع شہر کا کوئی علاقہ نہیں ہے - صرف شہر کے جانب مغرب ایک بھاڑی  
 پران کا قبضہ ہے - یہ بھاڑی شہر سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے - وائش فوج نے انہیں ہتر مندی سے اس جنگ  
 پر مورچہ قائم کر کے ایک مضبوط قلعہ سا بنا لیا ہے اور اس کے چاروں طرف کئی اژدہ صنعت اور مزدور فوجی  
 لگا دی ہیں اور استقلال کی حدود سے اس عالم پر پٹائی میں اطمینان (کی دولت) حاصل کرتی ہے -

## انگریزوں کی مورچہ بندی

شہر کی فوج نے جو میگزین اسی شہر سے حاصل کیا تھا - اس میں سے چند تو ہیں شہر کی فیصل پر چڑھا رکھا  
 ہیں اور اس طرف پہلے آپ کو جنگی سرداروں کا طبیعت فرم کر لیا ہے - توپوں اور ہندو فوج کے دھرم سے  
 ایسا معلوم ہوتا ہے - جیسے کالی گشتا بھائی ہوئی ہے اور اس سے اوپر برس رہے ہیں - رات دن دونوں طرف  
 سے گولہ بارش ہوتی ہے - جیسے اوپر سے پتھر برس رہے ہوں - یہی جوت کی گرگیاں ہیں - دھوپ کی تیزی و زبرد  
 بڑھتا جا رہی ہے - آفتاب بڑھ چڑھا میں بے طرح آتش فزونی میں مشغول ہے - معلوم ہوتا ہے خود بھی  
 اسی آگ میں بھنا جا رہا ہے - جو لوگ سرد و ہوا دار مکانوں میں آرام و آسائش کے ساتھ رہتے تھے ان کے ہر دھوپ  
 میں جیتے ہیں اور راتیں انہیں جلے ہوئے پتھروں پر پڑنے و کتاب کے عالم میں بسر کرتے ہیں - اس قدر اس میدان



جنگ میں ہونا تو وہ نہیں تھی کے با وصف اس کی ہمت و جواں مروی ہوا جوقانی۔ اگر دستم اس داستان کو سنا لینا  
قرب چھوڑ دیتا دشمن کی فوج کے، ممکن مقامات سے آگے ہوتے سپاہی وہی چٹے شیروں انگریزوں سے لڑنے  
کے لئے جاتے ہیں، اور سورج ڈوبنے سے پہلے ہی واپس آ جاتے ہیں۔ بیرونِ شہر کی داستانِ شب و روز تو یہ  
نہی۔ فہرہوں مشہور کیا ہو رہا تھا اس سلسلے میں، ایک دن کا قہر سننے کے لئے ہے یہ

دورِ گم سے اوس قوائی ہست

کہ بھر خوارِ احقر ادا ادا

زیرِ قوائی شہرِ فشانِ ترم

کالتش اندرِ ناظر ادا ادا

سرِ عزتِ شتی است بر زبانِ گزبان

برس از غولیش فخرِ ادا ادا

میں یہ ساز و دل کے تا وقت میں وہ غنیمت پنہاں

ہیں، جن سے جنگ کا رونا برسستی ہیں۔ میری مورتا

ہوتے کہ معنی اوس کی نو میں نہ آجیائے میری

زبان پر وہ داستان ہے، جیسے میں سے وہ

پر خشن چھٹے لگتے ہیں۔

ایک شخص میں کے دماغ میں قواں روائی و تکر کے خیالات بھرے ہوئے تھے۔ درپردہ اپنے آقا اور  
مری کا دشمن بن گیا۔ اس خیال سے کہ اگر یہ واقعہ کار اور راز و اس زندہ رہے گا تو میں نے جو خزانہ و نامِ ابر  
طریقوں سے بچ گیا ہے اس کا راز کھل جائے گا۔ میرے نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا اور یہ بات مقہور  
کے کہ حکیم احسن اللہ خاں "انگریزوں کے خیر خواہ اور طرف دار ہیں۔ فوج کے افسروں کو ان کی طرف سے بھروسہ کرنا  
درجہ تھا۔

## حکیم احسن اللہ خاں

ایک دن کہ لوگ (حکیم احسن اللہ خاں) کو قتل کرنے کے لئے ان کے محل پر چڑھ دوڑے۔ حکیم صاحب  
اس وقت قلعے میں بادشاہ کے پاس تھے۔ چند اشدتہ سر قلعے میں آئے اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ بادشاہ نے  
انتہائے محبت و ہندہ پمردی سے حکیم صاحب کو بچانے کے لئے، اپنے آپ کو ان پر گرا دیا۔ اس طرح حکیم صاحب بچے  
جان قریب لگی لیکن یہ فتنہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا، جب تک کہ ان کا سنا اٹھ نہ رہا ہو گیا (حکیم صاحب کا، ٹھہر  
(جو بھروسہ و آرائش میں) نگار خانہ میں کی طرح تھا ٹوٹ لیا گیا۔ ایوان کی چھت کو آگ لگا دی گئی۔ چھت کے  
خشبیر اور منقش تختے جل کر راکھ ہو گئے۔ دیواریں سیاہ پڑ گئیں۔ گویا وہ محل اس غم میں سیاہ پڑ گیا ہو گیا تھا۔

فریب ہر زگر دوی محو کر کہ ایسے ہے  
دہنشا و گسی را کہ در گنت رکشہ

آسمان کے مہربان سے دھوکا نہ کھانا۔ یہ  
بے وفا جسے شخص کو آنسوؤں سمیت میں، چہنگہ  
دیتا ہے، اسے کوئی محکشی و عذابہ میں مبتلا  
کر دیتا ہے۔

برے سے برا نلام اپنے آگے اس طرت پیش نہیں آسکتا۔ بہتر طریقہ وہ دلدارِ معین نہ ہو۔ یہ غیبت  
نیک حرام میں کے منہ پر چپک کے داغ ہیں، بے حیائی کے سبب سے جس کی آنکھیں سہیل گئی ہیں اور وہ ان فرائض ہو گیا  
ہے۔ اپنے آپ کو ذہرہ و مشرق کی طرت سمجھتا ہے، ہر طرف کو بے شکاں کہا انا زون کیا، بھانجی تاج ہے اور کہتا ہے کہ  
خوش فرائی میں کنگ و محمد کو شرماتا ہے، میں نے اس کا نام اس نے نہیں لگا کدہ ایک گدا زادہ تم علم ہے میں اس پر  
منت کیج کر بدنامی کہہ با قلم اس کو پھر شروع کرنا ہوں۔

### تفضل حسین خاں

نورین ہر طرف سے آ کر میں ہوری تھیں۔ بادشاہ کا نام لگا ہوا تھا۔ اس وجہ سے دور دور کے سردارانِ فوج آئے  
کھڑے ہوئے تھے۔ فوجِ آباد کے نام و سردار ہنگام میں خاں نے جی کو کبھی بادشاہ سے علاقہ نیازی نہ کی نہیں تھا۔ وہی  
سے آستانِ شاهی کو جہد کیا اور غلطی اپنے آپ کو نیازی نہ تدریم لگا۔

### خان بہادر خان

خلیہ بدور خاں نے جو گراہِ شہرت طلب تھے اور جو بدی میں کچھ مسلک میں کے سردار بن چھا تھا۔ ایک سو  
ایک اشرفیاں تقریباً سا دوسا ماں سے آراستہ دست اور گھوڑا بارگاہِ شاہی میں بھیجا۔

### نواب یوسف علی خاں

چشمِ بدور و رشید نشان نواب یوسف علی خاں بہادر فرماں روا نے رامپور نے جو اس علاقے میں باپ و لڑکی  
چھٹین اکا حق او آکر ہم ہیں اور انگریزی حکومت کے ساتھ ان کا رشہ و دوستی اتنا مضبوط ہے کہ زمانہ ہزار برس میں بھی  
کس طرح سے اس کو نہیں توڑ سکتا، مجبوراً صرف زبانی ہی نام رچ کر لوگوں کی زبان کو بند کیا۔

### واقعات لکھنؤ

لکھنؤ میں جب فوج نے اظہر روں سے ارشدِ تعلقی کو لیا (جس ترا انگریز دشمنی) اس ملک سے ہجرت کر۔

دوسرے مقامات پر اپنے متعلقین کے پاس پہنچ گئے۔ لیکن فوج کے اچھڑے سرداروں نے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر جبل گارہ میں قیام کیا جو لکھنؤ کا ایک مشہور مقام ہے اور بہادری کے ساتھ دروازے بند کر گئے۔

شرف الدولہ نے جو بڑے واقف کار، اور معاملات کو سمجھنے والے تھے اور جو نوابانِ اودھ کے زمانے میں وزارت کے عہدے پر سر فراز تھے۔ اس کم تعداد لیکن بااثران و شرکت گروہ (انگریز) کو نظر انداز کر کے واجد علی شاہ کے کس مار دھکے کو تخت حکومت پر بٹھادیا اور اس کو مشہد شاہ ہندوستان کا دربار اور اپنے آپ کو پیش کار اور نائب وزیرِ فرض کر لیا۔ اس بلور شمس (شرف الدولہ) نے گویا ہمارا گورنر قائم کر لیا تھا۔ جب یہ سارا کام مکمل کر لیا۔ ایک منتخب شخص کو مناسب پیش کش کے ساتھ (دہلی) روانہ کر دیا۔ قاصد آیا اور روزِ آرام کی پھر بارگاہِ شاہی میں حاضر ہوا۔ دو صہارن گھوڑے دو کوہِ صفت باغی، ایک سو ایکس اشرفی اور ایک سنہری کلاہ جو رنگ، رنگ کے نایاب موتیوں سے عرسِ تھی پیش کی اور ایک بڑا بڑا مندر میں چیرے سے جڑے ہوئے تھے ملکہ کی خدمت میں محل میں بھیجا۔

یہ ساری شان و شوکت روشنی پر آشوب (جلد ختم ہونے والی) تھی۔ گویا زمانے کی نظر پر اس روشنی کی منظر تھی حکومتِ اودھ کی اس پیش کش کے بعد آئینہ سکندر اور جامِ جمشید کی ساری داستانِ ختم ہو گئی وہاں (فوج) کے شور و غل سے نصیب کی آنکھیں کھلی ہی تھیں کہ پھر مڑ گئیں نہیں۔ مشہد شاہ کی قسمت کا ستارہ تھی بلندی پر پہنچ گیا کہ نیا دالوں کی نگاہوں سے پہچان ہو گیا ہے

ہاں آ کہ سترہ شوخ چشن و زرد

افسار، افسار، وگزن اور ان اور د

فرستہ زانہ لیشہ عا و گردش

بر چرخ نہ بچا کہ چنان ہی لززد

جیبِ منت سے کا ستارہ محمد علی نہیں آ جا تا ہے

موتِ تلخ کی بجائے کوئی قیمت نہیں رہتی، منت

نہیں دیکھتے تھے تعذیب کے خوف سے سورج

آسمان پر کھینچا کا نہتہ دھتا ہے۔

## ۱۲ اگست

جس دن وہ سبزم قدم قاصد آیا اور بادشاہ نے بندہ پر دسی فرمائی۔ اس کے کئی کوپہرے کے دن قمری صحن کی چٹیس اور ستمبر کی چودہ تاریخ کو پہاڑی کے دامن میں بیٹھ ہوئے (انگریزوں) نے شان و شکوہ کے ساتھ بمبئی دروازے پر ایسا حملہ کیا کہ کالوں کی فوج کو ہلاکت ہی ہوئی ہے

مٹا گزردہ بی برون بڑو داو

سبتر بڑو آورد داو

پس از چار ماه و پس از چار روز  
فرزنده مشد ہر گیتی نسوز  
تہی گشت دلی و دروان گن  
ہر وی گرفتند فرزندان

میں کے مجینے میں، احتراصات دہلی سے اٹھ  
صلوات مٹھا، تو مستعجب میں نظام و سستم کا دقت  
ختم ہو گیا اور انصاف کا زمانہ واپس آ گیا۔  
چام مجینے چاروں دن کے بعد سورج آجے واپس آئے  
ساتھ طلوع ہوا۔ دہلی دیر ازوت سے خالی ہو گئی۔  
مقلد مندر را نگرین ورت سے بھاڑی کے ساتھ اس  
پر قبضہ کر لیا۔

اگرچہ ارمی سے ہمارے تھک چارے چاروں کاوتھے۔ لیکن اس بنا پر کہ ہر کے دن شہر دھڑوں کے  
ہاتھ سے نکلا تھا اور ہر کے دن قبضے میں آیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ شہر کا ہاتھ سے نکل جانا اور پھر قبضے میں آ جانا  
یہ دونوں کام ایک ہی دن میں ہوئے۔ مختصر یہ کہ فاتحین نے راستے میں جس شخص کو پایا قتل کر دیا۔ شہر کے عال  
فاندین اور صاحب عزت افراد عزت و آبرو کی ورت کو پالنے کے لئے گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھے۔  
شہر میں بد امن (یا بھون) کی پورے تھکے۔ اس میں سے کچھ لوگوں نے بھاگ جانے کی ٹھان لی اور کچھ لوگوں  
نے غزوہ میں اگر ملنے کی تیاری کی، فوجت اور آوارہ لڑکے گروہ شیر دل فاتحین سے الجھ پڑا۔ لوگ اپنے خیال میں تو  
دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔ لیکن میرے خیال میں وہ شہر کی عزت و آبرو کو براد کر رہے تھے۔

وہ تین دن تک کشمیری دروازے سے لے کر چوک تک تمام راستے میدان جنگ بنے رہے۔ دلی دروازے  
ترکان دروازے، امیری دروازے، تیغ دروازے اس فوج کے قبضے میں رہ گئے۔ ہر دروازے کا قلم کدہ مکان، وسط  
شہر میں کشمیری دروازے اور دلی دروازے کے درمیان ہے۔ اور میرے مکان سے ان دونوں دروازوں کا فاصلہ پہلے  
ہے اگرچہ کل کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا لیکن ابھی اتنا حوصلہ باقی تھا کہ دروازہ کھول کر باہر چلے جاتے تھے ان کے اپنے  
پہنے کھانسان لے آتے تھے۔

## انگریزوں کی منہج اور منطالم

میں نے ابھی کہا کہ غضب ناک شیروں (انگریزوں) نے شہر میں داخل ہوتے ہی سہ مرد سادہ لوگوں کو  
قتل کرنا اور مکانوں کو جلا جلا کر بھسا ہاں جس مقام کو لوگر فتح کرتے ہیں، لوگوں کو ایسی سختی کی جاتی تھی۔  
اس جتنے اور دشمن کو دیکھ کر لوگوں کے منہ فٹ ہو گئے۔ یہ شمار مرد عورتوں کے گروہ جن میں معمولی لوگ

بہن تھی۔ اور صاحب حیثیت بھی۔ وہ تینوں دروازوں سے باہر نکل گئے۔ شہر کے باہر جو چھوٹی چھوٹی بستیاں اور مقبرے تھے، ان میں چٹانہ گزریں ہو گئے۔ اس خیال سے کہ کس مناسب وقت پر شہر میں داخل ہوں، وہیں آجائیں گے یا کس دوسرے شہر میں چلے جائیں گے۔

میرے دل پر نہ خوف و دہشت کا لہر ہوا اور نہ پائے استقلال کو جنبش ہوئی۔ میں نے کہا اگر میں غمناک رہوں تو یہی کہ منشا پڑی۔ اگلی دن بے گناہوں کو نکلی نہیں کرتے ہیں اور شہر کے آب و ہوا آسان گار نہیں ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ میں جیل میں رہوں۔

ہر مکان کے نیک گوشے میں ہے سرو سامانی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں۔ اس تنہائی میں اقم میرا فقی ہے، انکسری سے آئیں بٹے ہیں اور قلم سے دردناک الفاظ نکلے ہیں۔

پڑتھی دستم دی ہرگ خایا تا چسند

یعنی شاہ شہر کلاں گنبر از کلاں منت

عجب یہ نکل عقلی ! اور یہ سیوسا ما کے گھر

خداوند را، کجای تنگ پیچ سوز سوز گریه خوش صورت

ماہوں کی اس فہرست میں جو اس وقت تک (۱۹۸۸ء) تک

— 222 —

اذن کا اٹھا ہوا چل نہیں سکتا۔ ازل میں قسمتیں کھس جاتی ہیں۔ ہر ایک کو خوشہ قسمت کے مطابق سر و سامان عطا کیا گیا ہے۔ بعض میں اعداد و احمیں اس کم ازل کا نتیجہ ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ دلی و بیہ جگری کو جو ہر ذکر جس طرح سے ہر مرتبے کو خوشی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ہر پرہیزگار و سادے زمانے کی حیرت افزا رنگینوں کو اس پر چھاپے میں خوشی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔



بعد کے دن محرم کی ۲۹ تھی اور تحریک ۱۸۔۔۔ دلی چڑھے و نیا کو خوش بخشنے والا آفتاب عالم تاب میرج سنبلہ کے ایک درجے میں پہنچ کر سوف میں آگیا اور اہل عالم کی چشم جہل میں پر تلنے سے ظلم و جلیا اگر باطن اندرون و بیرون مشہر سے غریبوں کی طرح بھاگنے لگے اور فاتحین نے شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ کشت و خون اور کٹر و حکمت کی آفت اس کل تک آگئی۔ خوف سے لوگوں کے دل وہل گئے۔

## کوچے کی درستی

اس شخص مروت و سادہ دلی میں اور راستہ ایک ہی طرف سے ہے۔ دلی انداز سے بند ہے، انگلی میں کوئی گنواہ نہیں ہے۔ اس کی کے اڑیادہ تر سچے والے اپنے گئے ہیں۔ اس طرح کہ، جو میں بچوں کو چاہاں سے لگے ہوئے تھیں اور مردوں کے کاٹھنوں پر سامان کی محشر باری تھیں۔ کچھ رنگ ہائی وہ گئے تھے ہم سب نے مل کر کھی کاٹھن وارزہ اندر سے سنہر کر لیا

اور پھر دیکھئے۔ اکی سربستہ تو تھی ہی۔ دہلیستہ بھی ہو گئی۔ ایک دہشتہ تھا وہ بھی بند ہو گیا اسے  
 جان الہ خستہ تر از حق کو ذمہ نیست شگفت  
 زان کہ دل تنگ تر از گوشہ زندان مست  
 میریں روج چہم سے زیادہ خستہ و درد ماندہ ہو  
 تو تعجب کی بات نہیں، کہوں صفا میرا دل  
 قید خانے کے گوشے سے بھی زیادہ تنگ ہے۔

### ہمارا چٹیا لہ کی مدد

۱۔ اتفاقاً اس مصیبت میں کام چنے کی ایک صورت یہ ہو گئی۔ تنگ مرتجہ مرید چشم رام نریر سنگم بہادر فوٹو گراف  
 پتال اس جنگ میں (انگریز) فوجیوں کے ساتھ ہیں اور ان کی فوج شروع سے انگریزی فوج کی مددگار ہے۔ رام کے چند  
 ملازمین خاص جو ان کی سرکار میں، اپنے عہدوں پر ہیں اور شہر کے نامور اور قابل عزت لوگوں میں سے ہیں، میری مدد  
 ہے، حکیم محمد حسن، حکیم مرتضیٰ خاں، حکیم غلام اللہ خاں (سے) جو حکیم شریف خاں جنت مکان کی اولاد میں ہیں۔ اس  
 کو پہلے میں دیتے ہیں۔ ورنہ ان کی وادی عمارتیں چلی گئی ہیں۔ میں دس سال سے ان میں سے ایک صاحب جلد و فریاد  
 کا پڑوس ہوں، ان میں حضرات میں سے اول الذکر حکیم محمد حسن صاحب خاں، اور اہل خانہ کے ساتھ اپنے عزیزوں کی طرح  
 با عزت زندگی بسر کرتے ہیں اور باقی دونوں حضرات پشیمان ہیں رام کی مصاحبت میں کامیابی و کامرانی کے ساتھ رہتے ہیں۔  
 جن کو وہی کی طرح مستحق تھی، رام نے ان کو اور ہندو پروری طاقت ور اور جنگ جو انگریزوں سے ملے کر لیا تھا کہ جب  
 (شہر) فتح ہو گا۔ اس کی کے دو دانے پر کاغذ معقولہ کو دے جائیں گے تاکہ انگریز فوجی جن کو گوارا کھتے ہیں گھروں کو  
 نقصان نہ پہنچائیں

اٹھنے کلام میں بھی کچھ دیکھو، چند دوسری باتیں کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان ضمنی باتوں کے بعد میں ابھرامل ہو جاتا  
 پر آتا ہوں۔ سلسلہ شہر میں ۵۰۰ شہر سے ہر گھر کا دروازہ بند ہے۔ مکان دار اور غریب دونوں غائب ہیں، گندم فروشی ہے کہ  
 گیوں غریب ہیں۔ نہ حوصلہ ہے کہ کپڑے دیکھنے کو دیں۔ جام کو کہیں ڈھونڈیں کہ سر کے بال قرآن اور ہنجر کو کہیں سے ڈھونڈ  
 سناٹیں کہ صفائی کرے۔ بہر حال جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، ان پانچ دنوں میں ان کے لوگ ابھر آئے کہ پانی تو بڑے آستے آتے تھے  
 کبھی کبھی آتا تو جس میں جانا تھا ایک اس کے بعد یہ صورت حال قائم ہو گئی ان کا دروازہ پھروں سے بند کر دیا گیا، ان دنوں کے آئینے  
 پر ہم و الم کا ہمارا چٹیا

ہنگامہ گرم سازی کوششیں سبب من اند

ظن اچھا ہے کہ آتش سوزیوں برابر است

کو شش و ست کے ساتھ، ہنگامہ سنگم سے ہوتا ہے

اسے مصیبتیں خوف کو ان کی طرح جلا دھیں ہیں؟

## پانی اور منے کا قوط

گھروں میں کھانے کا پس خود سلمان تھا، رفتہ رفتہ ختم ہو گیا، پانی گھر پہ بھر، احتیاط سے پکا گیا، نیکی آخر کار کون سے یا کھڑے میں ایک قطرہ نہیں ملے، خود کون موروں میں سے کس میں برواشت کی طاقت نہیں رہی، جس کے ساتھ وہ گزارنے اور اپنے آپ کو اسامان خود دلوش حاصل کر لینے کا فریب دینے کا وقت بھی گزرنی کو شانہ روز سب بھوسہ کھاتے رہے۔

فریاد اداں زاری و غنا بہ فشان

فریاد اداں غاری و لی برگ و فانی

فریاد زبے چارگی و خستہ و درونی

فریاد ز آوارگی و بے سرو و پانی

امنوس : یہ گمراہی و زاری اور غنا و خستہ و بھاری صدھیا :

یہ بے چارگی و پریشانی حالی اور بے سرو سامانی :

تیسرے دن جیسا کہ اس سے قبل ذکر آچکا ہے، ہمارا پریشانی کی فوج کے سپاہی آگئے اور پھر دو پتے لگے، لگی کے پہلے والوں نے لوٹ مار کرنے والوں کے خوف سے نہات پائی۔ ہر بے باک دیکھتے ہوئے ہر داروں سے باہر جانے کی اجازت چاہی یہ پہرہ اور ادا دوستی تھا کہ اور اور وطن، اس پہلے یہ کہا گیا کہ چوک کے بازار تک جاسکتے ہیں، چوک کے آگے مکمل و خون کا بازار لگ گیا ہے اور راستہ پر خطر ہے۔

بجور و پریشانی حال لوگوں نے دروازہ کھول دیا۔ پریشانی یا منک کا ملنا ناممکن تھا، اس لئے ہر گھر کے ایک مرد اور عورت ملازمین میں سے دو شخص گئے۔ یہ علی پانی دور تھا اور واقعی دور جا نہیں سکتے تھے۔ بجور انیم خود پانی منگوان اور گھڑوں میں بھر لائے، اس طرح اس منگیوں پانی سے وہ آگے گئے جس کا دور سرا نام پہلے ہے۔

باہر جانے والے اور پانی لےنے والے لوگ کہتے تھے کہ امن گل میں جس سے آگے جانے کی ہم کو اجازت نہیں ہے، سپاہیوں نے کچھ گھڑوں کے دروازے توڑ ڈالے، دان گھروں میں انہ تو بھرے ہیں، آٹا سٹا شہر تھے ہیں، روغن، میں نے کہا اچھا بندہ وہ ہے جو چھین، تسخیل، آٹے اور تیل کا ڈنڈہ کرے، ہماری مدد ہی تو ایسوں دہی دہی، اس کے زمرے سے جو چھوٹے نظر نہ اور نہیں کرے گا۔ خود کی بخشش کا فکر نہ اور کرنا شایستہ ہے۔

آج کل ہم لوگ اپنے آپ کو قیدی سمجھ رہے ہیں، اور حقیقت یہی ہے کہ ہاں قبیلوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں، خود کوئی آگے نہ کوئی بات سننے کو ملے۔ خود باہر جا سکتے ہیں کہ اپنی آنکھوں سے سارے واقعات دیکھیں، یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے کان بہرے ہیں اور آنکھیں بے نور۔ اس کش مکش کے علاوہ نہ کھانے کو روٹی ہے نہ پینے کو پانی۔

ایک دن اچانک بادل پانی برسایا، ہم نے (ممن میں) ایک چاند بانو حل ای ایک شکار کے نیچے رکھ دیا اور اس طرح پانی حاصل کیا، کہا جاتا ہے کہ بادل دیا ہے پانی لیتا ہے اور زمین پر برساتا ہے، لیکن اس بار یہ بھلا صفت بادل پانی چتر میوں سے لایا گیا، اس کے لئے جو چھڑ اپنی بانو شاپت کے دور میں ڈھونڈی تھی، بھر پریشانی حال خلق

دولت (آپ حیات) اس تپالی ویرانی کے عالم میں پائی ہے

غالب خود کو چھ اڑ دوست ہما

ز انسان و ہدم کام کہ بسیار ندامت

اے نادیدہ دوست کی طرف سے کبھی کوتاہی

نہیں صوفی - (والجنت) وہ اسے طرح کام جیتا

خاکہ ہمعصیہ نہیں ہانے ہیں۔

### سوانح غالب

اس موقع پر میں چاہتا ہوں کہ کچھ اپنی زندگی اور اشغال کے متعلق بھی لکھوں اس طرح کہ یہ سرگزشت سلسلہ کلام سے خیر متعلق نہ ہوتے پائے۔

مرہم زو باغ تازہ بزم حبیب گنیم

پریان دول بکا و مش نشتر برآ درم

میں نے خاموشی سے لہجہ دھانے جگر پر مرہم

دیکھ رہا صوف اور میں نشتر کی مدد سے دل

سے پیکانے نکالے رہا صوف۔

اس سال میری زندگی کا ہشتادویں سال شروع ہوا اتنی مدت سے میں اس دنیا کی خاک پر صانع و مہر اور پلاس برس سے شعر و سخن میں مصروف چکر گزاری ہوں۔ میری عمر پانچ سال کی تھی کہ میرے والد عبداللہ بیگ خان بہادر کا انتقال ہو گیا۔ خدان کی روح پر ہے شمار رفتیں نازل کرے میرے چچا نصر اللہ بیگ خان بہادر نے مجھ کو مٹایا بنایا اور قادیان سے پرورش کی۔ جب میری عمر پانچ سال کی ہوئی تو میرے چچا کو میرے سر پرست بن گئے۔ موت کی گھڑی نیند سو گئی۔ میری صحت سونگئی۔

(میرے) اہل حق تعریف و صاحب جاہ و عظمت (بزرگ) چار سو سواروں کے سردار اور جنرل لارڈ ٹیک بہادر کے وفادار متعلقین میں سے تھے۔ اس فاتح اور سنی سردار کی مہربانی سے وہ آگرہ کے قریب دو چتر گروں کے حاکم اور مالک تھے۔ ان کے انتقال کے بعد وہ (دو چتر) پر گئے، انگریزی حکومت نے واپس لے لئے۔ اس جاگیر کے بھائے میرا اور میرے حقیقی بھائی کا کچھ وقفہ مقرر کر دیا گیا جو میری آرام و آسائش کا ذریعہ تھا۔ چنانچہ اس سال یعنی سنہ ۱۲۵۷ء میں پریل جنگ کا واقعہ نکلیں وہی کے خزانے سے میں نے حصہ کیا یعنی اس خزانے کا دروازہ ہی بند نہ کیا (اب) میں ہر فیصلے سے دو چتر گروں اور دول طرح طرح کے خیالات پریشان کاسکے۔

اس سے پہلے صرف یہی تھی کہ کوئی لڑکا تھانہ لڑکی نکلیں یا پانچ سال چوتھے میں غلام بن جائے (جو میری چابی کی ذمہ دار ہے) اسے خاندان کے دوپہ ماں باپ کے بچوں کو نہ کر پال سکا ہے۔ ان شیریں زباں بچوں سے مجھ کو یہ اتھا



محبت ہے۔ اس عالم پہ پارگی ہیں دونوں پہکے میرے ساتھ ہیں اور میرے واسطے ڈگریاں کے پھول ہیں۔

## مرزا یوسف

بھائی چودہ سال مجھ سے چھوٹے تھے۔ تیس سال کی عمر میں وہ نہ ہو گیا۔ تیس برس سے وہ اس طرح زندگی گزار رہا ہے کہ کسی کو ستا سکتا ہے، دشوور دعوں کا کرتا ہے، اس کا سناں میرے گھر سے تقریباً دو ہزار قدم کے فاصلے پر ہے۔ اس کی بچی اور لڑکیوں سے بچوں اور کینڑوں کے ساتھ بھاگ جاتے ہیں عافیت بھی، گھر کے فائز العقل ہالک اور سارے سامان کو ایک بلوٹے سے دریاں اور ایک بڑھیا کینڑ کے ساتھ چھوڑ دیا۔

اگر میں چلوں جانا ہوتا تب بھی وہی حالت میں، امیں کسی کو بھیج کر ان عیسویوں کو نہ بلواسکتا تھا نہ مسلمان ملگو اسکتا تھا۔ یہ بہت پرانے علم ہے، پورے دل پر اس کا بہت اثر ہے۔

وہ دونوں تازہ پروردہ بننے پہلے، دودھ، مٹھائی، مٹھکے میں لیکن ان کی خواہش پوری کرنا میرے بس میں نہیں افسوس! افسوس! اس ایک بات کو کیا کہوں، جب تک زندہ ہوں، روٹی اور پانی کی فکر نہ کی اور مرنے کے بعد کفن و دفن کی۔ میں وہی رہتا ہوں کہ بھائی نے وہی میں کیا کیا، بونگا اور رات میں کیسے سو یا (ہونگا) اور حالات سے انوار افضیت کا یہ عالم ہے کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا ہوں کہ (بھائی) زندہ ہیں ہے یا مصیبتیں (اٹھاتے اٹھاتے مر گئے)۔

نہ ہیں تار و نقشاں بالہیم

میں وہاں آفرین کہ جاں بالہیم

میرے ہونٹوں پر صورت آگہ و نقشاں منہ ہیں۔

خدا کے قسم (اسے ختم ہے) میں جاوے بلکہ ہووے۔

یہ حالات میں نے بیان کئے۔ حال دکھانے والے میں لیکن جو کچھ میں کہہ نہیں سکتا ہوں، وہ روح فرسا ہے جو لوگ حالات سے واقف ہیں میں ان سے توقع کرتا ہوں کہ وہ میری پروردہ داستان کو غور سے سنیں گے پورے کراہٹاں کریں گے۔

## قصیدہ در مدح ملکہ و کٹوریہ

میں اس بڑھاپے میں چراغ صبح اور آفتاب لہ باہم کی مانند ہوں، میرا مطلب چراغ کی روشنی اور سورج کی نور افشانی سے نہیں ہے بلکہ جس طرح صبح کے وقت چراغ کار و عین غم ہونے کے قریب ہوتا ہے اور اس کی روشنی ہلکی ہو جاتی ہے اور وہی لٹے سورج کی ہلک و سبک مانند قرینہ شروع ہوتا ہے۔ وہی مراحل ہے۔ دو سال ہونے کے میں نے ملکہ، انصاف پسند، فطرت، استارہ حشم، ملکہ و کٹوریہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور ایک سے جو پہلے سے بہ راہ رسد بھیجی اور وہاں سے لندن جاتی ہے، آقا نے ہنر پرور حاکم نامور فاروقی صاحبان کے حضور میں بھیجا جو گورنری کے زمانے میں ازراہ کرم میرے مرئی تھے۔

دلہن کی کشودم اگر خود نہ مشد کہ بخت

ماہم بہ بزم باقری عیشی سستی و ہر

یہ شعر اس قصیدے کا ہے۔ وہ قصیدہ اس روایت قافیے میں ہے۔ کہ خیال تھا کہ ایسا مشکل کام اس آسانی سے کیا جائے گا تو میں پہلے بعد اچانک ایک مبارک قدم قائم اس سرو بہ ستارو سرور کی راہ راہن ہوا کا انوش نامہ لیا۔ یہ خط انگریزی میں تھا نہایت محبت کے ساتھ لکھا تھا کہ قصیدہ ہمارے پاس پہنچ گیا اور ہم نے اس کو ملکہ معطر کے سامنے پیش کرنے کے لئے متعلقین بارگاہ شاہی کے سپرد کر دیا۔ اس پر مسرت پر مقام اور مبارک جواب کو ہمیں دن نہیں گزرے تھے کہ سردار ہریان مشرور نگلنے پہلو کا گراہی نامہ ڈاک سے آیا، لکھا تھا کہ قصیدہ دروہن ہوا ہمارے واسطے ہے ہمارے پاس پہنچا تھا اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ مسائل مخاطب کو ملحقہ رکھتے ہوئے اپنی گزارشات فرماں روا کے چند دستوں کے واسطے ہے ہماری بارگاہ میں پیش کرے۔

### غالب کے تین مطالبات

حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک معروضہ مشہد شاہ انگلیش کے نام لکھا کہ اس کے درجہ فریدون حشم ورنہ کینگ اپنا گورنر جنرل بہاد کے حضور میں بھیجا۔ اس گزارش میں اسے میں اہتمام و آرزو کو اس طرح پیش کیا گیا کہ دوں دیران اور دوسرے ملک کے بادشاہوں نے شاعروں اور متداعوں کو طرح طرح سے فرما ہے۔ سوتیرے سے منہ بھریا اسونامیں تلوانا، گاؤں و طاکر تانور انعام و تافض مختلف شہاز ہے جی۔ اس مدعا کی یہ خواہش ہے کہ ملکہ معطر اپنی زبان (مبارک) سے ہر خواں (خطاب) ارشاد فرمائیں۔ اپنے حکم سے سراپا خلعت بخشش اور اپنے خوان سے چند تان ریزہ مرقی کے خوشبخت عزایت فرمائیں۔ ہر خواں اور سراپا کا ترجمہ علی میں خطاب اور خلعت ہو سکتا ہے اور تان ریزہ کو انگریزی میں پیش کہہ سکتے ہیں۔

حکم بلند مرتبہ نواب گورنر جنرل بہاد نے جواب میں میرے دل غم زدہ کو بشارتِ محمد اواسے شاد فرمایا (موصوفی) نے لکھا کہ وہ اسکا پیش نامہ انگلستان روانہ کر دیا گیا اس خیر مسرت اثر سے میں یہاں مسرور ہوا کہ جیسے میں چھوڑا نہیں سہا تھا۔

### مایہ یوس کن جواب

چار ماہ کے بعد میرے خط کے جواب میں فرخ عثمانی، عالی منصب طرسل کو کہ بہاد کے حاضر ملک بارگاہ لکھا ہوا، مودت نامہ موصول ہوا اس جواب نے امید وادی اور آرزو مندی کی مدت کو اور بڑھا دیا۔

میں چاہتا ہوں کہ اگر چند دستوں کا نظم و نسق (قدر میں) تہافت ہو تا اور تاخیر ترس اور ناظر سے سپاہیوں کے ہاتھوں معائنات خداجا تیرے تو گلستانہ انگلستان سے ایسا فرمان صادر ہوتا جس سے مراویں پوری ہو جاتیں اور میری آنکھیں اور میرا دل دونوں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے

اب دو مبارک خطوط جو میری پریشانیوں کی فہرست ہیں اور میرے ہوش و خرد کے بازو کا فتویٰ —  
میرے پاس ہیں۔ اور جگر کے چند ٹکڑے جو جوشِ گرے میں آنکھوں سے ٹپکتے ہیں مگر غراشی و خونِ فشانے کے نشان کے  
طور پر میرے دامن میں ہیں۔

نِ کَشْتِ زَنَمِ نَاوِکِ وَ شَمِشِ رَمِ

نِ خُسْتِ نَامِنِ پِلَنگِ وَ شَمِشِ رَمِ

لَبِ مِ گَزَمِ وَ خُونِ بَزَانِ مِ لَبِ مِ

خُونِ مِ خُورَمِ وَ زَنَدَنِ گَانِ سَبِ مِ

میں تیرا کیا تو اور کا زخمی نہیں ہوں۔ نہ پہنچے

و شمشیر نے مجھ مجروح کیا ہے۔ میں بے ہوش ہوں۔

اپنے ہونٹ کا لٹکا ہوں اور لہجے کو خون آلود

صدا دیتا ہوں۔ خونِ زخمی، کھاتا ہوں اور زندگی

سے بیزار ہوں۔

## مرزا یوسف کے گھر کی تاریکی

سفر کی ایک سو سو تاریخ کو بدھ کے روز ظہر کی فتح اور گل کا دوازدہ بند کرنے کے سترہویں دن لوگ خبر  
لائے کہ لوٹ مار کرنے والے بھائی کے گھر پر چڑھ دوڑے۔ گل اور گھر میں لوٹ مار کی، دوازدہ مرزا یوسف خان اور  
دونوں بڑھیا بڑھویں کو زندہ چھوڑ دیا۔ اس بھاگڑ میں دو چاند کہیں سے آکر دکھرا میں پناہ گزین ہو گئے۔ بوڑھے  
دربار اور بڑھیا کنیز امانا، دونوں نے ان چندوں کی مدد سے کھانے پینے کا انتظام کرنے کی کوشش میں کوئی کسر  
نہیں اٹھا رکھی۔

واقع ہو کہ اس پکڑ و محکوم اور قیامت کے عالم میں جس طرح ہر کوچے اور بازار میں اس مصیبت کی صورت  
یکساں نہیں ہے۔ اسی طرح قتل کرنے اور لوٹ مار میں بھی سب سپاہیوں کا انداز ایک نہیں ہے۔ اگر کوئی سپاہی اور محکم کرتا  
ہے یا دوسرا سختی کرتا ہے تو یہ ذاتی رحم و دل سنگدلی کا نتیجہ ہے۔

## انگریزی سپاہیوں کی معقولیت اور امن پسندی کا اعتراف

میں جانتا ہوں کہ اس بیخار میں حکم ہے ہے کہ جو شخص اظہارِ اطاعت کرے اس کو قتل نہ کیا جائے، مال چھین  
لیا جائے اور جو شخص مقابلہ کرے مال کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی بھی چھین لی جائے۔ مقتولین کے متعلق یہ خیال ہے  
کہ انہوں نے یقیناً اطاعت نہیں کی۔ اس وجہ سے ان کو قتل کر دیا گیا۔ مشہور بھی یہی ہے کہ عموماً مسلمان لوٹ پتے ہیں  
قتل نہیں کرتے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے اور وہ بھی صرف دو تین کوچوں میں کہ پہلے قتل کر دیا، پھر سامان لوٹ لیا۔

البتہ ایڑھوں، غورتوں اور بچوں کا قتل روا نہیں رکھا ہے۔

اس مقام پر بھیج کر توسلِ فادرک گیا۔ اب میں ایک پندور آواز بلند کروں کہ سمندرِ قلم قدم آگے بڑھئے۔ اسے انصاف کی تعریف کرنے والے اور ظلم کو برا کہنے والے حق پرستوں اگر ظلم کی مذمت اور انصاف کی تعریف میں تنہائی زبان اور تنہا اول ایک ہے تو خدا کے واسطے ہندوستانیوں کا مژدہ ملے یا کرو اس کے بغیر کہ پہلے سے دشمن کی کوئی دنیاوار صداوت کا کوئی سبب ہو یا ان ہندوستانیوں نے اپنے آقاؤں کے مقابلے میں ملواری لٹائی ہے چاروں غورتوں اور گہوارے میں کھینچے ہوئے بچوں کو قتل کیا (حالانکہ اس سبب جانتے ہیں کہ اپنے آقا کے لیے وفائی کرنا گناہ ہے) اس کے مقابلے میں ان اشتر جنوں کو بخیر کہ جب دشمن کا ہمدلیجے کے لئے تڑپے اسٹے اور گناہ نگاروں کو سزا دینے کے لئے لشکر آراستہ کیا بچوں کو وہ دشمنوں سے بھی بری تھے جو موقع تو اس کا تھا کہ شہر پر قابض ہونے کے بعد کتے بنی رکھ کو بزنہ نہ چھوڑتے۔ انیس انہوں نے غنہ بڑا کیا۔ اگرچہ ان کے سینے میں غنے کی آگ بھڑک رہی تھی، غورتوں اور بچوں کو ذرا انہیں ستایا۔ یہ جو گرہ بار اور جان مال محفوظ رہنے کی ذمہ داری نہیں لی گئی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بے گناہوں اور گناہ نگاروں میں امتیاز نہ ہے، جن لوگوں کو باز پرس کے لئے بلا دیا گیا ہے۔ ان کے سوا اور کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں دی ہے۔

شہر کے بیشتر لوگوں کو باہر نکل دیا ہے، کچھ لوگ بدستور امید و بیم میں گرفتار شہر کے اندر موجود ہیں، جو لوگ شہر سے نکل کر، دیواروں اور گوشوں میں مقیم ہوئے ہیں۔ ان کے ہارے میں ابھی کوئی قلم و صابر نہیں ہوا جو لوگ شہر سے باہر نکل گئے ہیں، یا جو شہر کے اندر جھلسکے پریشانی میں، ان کے درد کا کوئی مداوا نہیں ہے۔ کاش شہر کے اندر رہنے والے اور شہر کے باہر بیٹھے والے ایک دوسرے کی زندگی و موت سے واقف ہوتے کہ بے تکلیف و پریشانی غورتوں میں یا جتنا کافی ہے کہ جو جس جگہ ہے پریشان ہے۔ شہر کے اندر رہنے والے مجبور لوگ ہوں یا باہر کے پریشان حال۔ سب کے دل درد سے بھرے ہوئے ہیں اور سب قتلِ عام کے خوف سے ہراساں ہیں۔

### کرنل براؤن کے سانسے پیشی

ہرکتو بر کو پیر کا مصیبت آفریں دن (تھا) اور ہر کے وقت اچانک چن چورے اس دیوار پر چڑھ گئے، جو بنز کردہ درد والے سے مل ہوئی ہے۔ وہاں سے ہائیک چھت پڑا اور چھت سے کود کر گلی میں آگئے۔ راجہ نرندر سنگھ کے سپاہیوں کا روکا، کچھ مضطرب نہیں ہوا انہیں روک سکے دوسرے چھوٹے چھوٹے مکانات کو نظر انداز کر کے راجہ الحروف کے گھر میں آگئے۔ ان گوروں نے، بھل منس سے سداں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ مجھ کو ان دونوں بچوں کو تھیں ملازمین اور چرنیک گرد و ریشیوں کے ساتھ گلی سے دھڑکا گیا سے کچھ قابض پر حقیقت پسند و نسل و کرنل۔ براؤن کے پاس لے گئے جو چوک سے اس طرف قطب الدین سوداگر کی حویلی میں مقیم ہے، کرنل براؤن نے مجھ سے بہت نرمی اور انسانیت سے بات چیت کی۔ مجھ سے عام اور دوسروں سے پیشہ پر چار خوش اسلوبی کے ساتھ اس وقت رخصت کر دیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس خوش اخلاقی کرنل براؤن کی تعریف کی اور چلا آیا۔

الحمد لله

عمر بنو قریظہ کو شام کے وقت ۲۱ توپوں کی آواز نے (قوت) سامعہ کو بڑا ہوا اور انہی کو عزتی حیرت کر دیا انہیں سوچنے لگا کہ انھیں گورنر بہادر کے آگے پیرستہ توپوں کی سلامی دی جاتی ہے اور نواب گورنر جنرل بہادر کے آگے پرائیس توپوں کی۔ آپس توپوں کی جوش افزا سلامی کی کیا وجہ ہے۔ دو سرے دن بھی اس ناواقفیت میں کوئی کمی ہوئی نہ معلوم تھا کہ ان افاضہ پر امیر انڈیا کے ملک کے بہت و بلند کوہم وار کرنے والے دانشور جنوں کو کس دوسری جگہ یا خیر پر فتح حاصل ہوئی ہے۔

واجب ہے کہ ابھی باغیوں کے بہت سے گروہ بریل، فریج، آیاوا اور نکھنوں میں جگہ جگہ شور شرعیاں مچا رہے ہیں۔ اور ان کے دل کا خدا کرے تو خیر ہو جائیں، اور ان کے ہاتھ کا خدا کرے تو کار ہو جائیں، اسی کام دلالتی اسکے لئے کئے ہوئے ہیں۔

## میواتیوں کی شورش

اوجھڑ سوخہ اور تودہ کے علاقے میں میواتیوں نے بے طرح شورش پھیلارکھی ہے، بجیہ دیوانے زخمیوں سے آکڑ ہو گئے ہوں۔ بتلاؤ ہم نامی ایک شورش پے سنہ کے دن جنگ لڑاؤی میں جھگڑا مارا۔ پھر شیطان کی یہ مٹائی سے میواتیوں سے مل گیا۔ یہ گروہ میواتیوں اور پہاڑیوں میں (انگریز) حاکموں سے بڑے جنگ ہے۔ مسلح ہوتا ہے کہ ہندوستان کی سرحد پر ہر طرف تیز آکر جیوں اور ڈھ مٹی ہوئی آگ کے جھگڑے ہیں۔۔۔

ان ختم انگیز ملاقات میں ہیں کا آفاق و انہیں ہے تو ان کا انہام معلوم نہیں ہے، رونے کے علاوہ کچھ دیکھا ہو تو آنکھوں کے دوزخ خاک سے بھر جائیں۔ دوزخ سیاہ (دیر نہیں) کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں جس کے متعلق کہوں کہ آنکھوں نے اس کو دیکھا اس سے قطع نظر کرتے ہوئے راکوتا ہوں کہ دوزخ سیاہ اور فیضی اور وہ چیز ہے جس کی تارکی میں کچھ دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔

فانہ

جس دن گورے گھوڑے کو پھڑپھڑاتے ہوئے دیکھا، اس دن کے علاوہ چوکھٹ پر قدم رکھنا، گھر سے باہر نکلنا، گلی پر جانا، یہ سب چھوڑنا، باوجود اسے چوک کو دیکھ لینا، نصیب نہیں ہوا ہے۔ گویا غنیمت کے دامن ورد (فطائی غنیمت) نے میری ہی زبان میں کہا ہے۔

ندامت کر لیتے چنانچہ میری

ہم آپ کو دعا کرتے ہیں کہ آپ کی دعا قبول ہو اور آپ کی دعا قبول ہو

میں نے نہیں جانتا ہوں دنیا میں کیا ہو رہا ہے ۔

کیا اچھا ہی ضرور ہے صلیباں لگانے۔

ان لا علاج غموں اور مرہم بیزار زخموں کے ہوتے ہوئے تو، کہو کہ سوچنا چاہئے کہ یہ مرہم کیا ہوں۔ مجھ کو باز پرس کے لئے اشتیاق آیا اور جزائے اعمال بدلے جیتے ہیں۔ دوزخ کے گزیر میں لٹکا دیا گیا ہے۔ بہونا اس قید میں ہے چادر کی دہریائی کے ساتھ ہمیشہ جینا پڑے گا۔

آہ اگر باد ہمیں امروز میں فرواں میں

مجھ پر جھک چکا تھ گذروں ہے، اگر کل

مجھ میں، گذریں (موت)، آہ (صلیباں ہوگا)۔

### کیفیت روزنامہ شمار

اس کتاب میں مشرور سے آخر تک بیان حالت کا ذکر ہے جو کچھ ہرگز رہے ہیں۔ ان واقعات (کاؤنٹر) اور گاہروں میں آئے ہیں۔ میں نے جو شہید ہوتے تھے ہیں ان کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں نے بھڑک پائیں نہیں ہوں گی بلکہ کم کرے۔ دیکھیں ہوں گی میں دلوں گیر سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور پائی میں نجات دھوندا ہوں۔ انھیں سبہ کار ہیں، دل قید و غم میں، چہ اور لب سلامت ہیں۔ لوگوں کی زبانوں سے میرے کانوں کو معلومات کی بجیک ملتی ہے۔ کیس بری ہے یہ گرائی! اور وہ بھی اس سبہ سردیائی کے ساتھ۔

اور یہ جو بلاؤں اور شاہ زادوں کے انہام کے متعلق ہیں نے کچھ نہیں لکھا، حالانکہ ان واقعات کو اس شہر کی داستان کے دیباچہ کے طور پر (آگاہی میں) لکھنا چاہئے تھا۔ اس کی بھی وجہ ہے کہ اس فقرے کے سلسلے میں میرا سامرا یہ حق۔ ہائے شہید ہیں اور انہی بغیر سن ہوں پائیں بہت ہیں۔ رشتہ نام میں اس جاتے تنگ سے باہر نکلوں گا جو دیش ب تنگ نہیں سن ہیں! اور اُدھر سے جمع کروں گا اور قب و اقف کاروں کی طرح یہ رات کی پائیں نکلوں گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس فقرے کے پڑھنے والے واقعات، داستان کی تقدیم و تاخیر پر از روئے الحاف اعتراض نہیں کریں گے۔

### ۱۹ اکتوبر

۱۹ اکتوبر کو میرے دن سنے جس کا نام بچنے کے دہشت کاٹ دینا چاہئے، آتش فشاں آڑو سے کی طرح دنیا کو نکل گیا۔ اسی دن صبح کے وقت وہ کیفیت دریاں بھائی کے سر پہ کی خوش خبری لیا کہ بتا تھا کہ وہ گرم رات کو رات کو سو فٹ مینا پانچ دن تیز ہو گئیں، ہنگامہ اور آگوش رات کے قریب اس دن کے رشتہ ہو گیا۔ پانی اردو مال ملتا، گورکھ پینٹ، چوڑے ٹکڑے وغیرہ کا ڈگر چھوڑ دینے بتاؤ کہ میں کیسے جاؤں اور دیت کو کہاں لے جاؤں۔ کس قبرستان میں سپرد خاک کروں۔ باز میں اچھا برا کس قسم کا پکڑا نہیں ملتا ہے۔ زمین کو دھونے والے مزدور گویا کسی شہر میں تھے ہی نہیں، چند و اچھے مردوں کو دیر انکار سے لے جا کر جلا چکے ہیں۔ دیکھیں! مسلمانوں کی کیا حال ہے کہ وہ دین شخص ساتھ ساتھ راستے گزریں۔ یہ ہائیگینیت کو مشہور ہے باہر لے جائیں۔

## مرزا یوسف کے کفن و دفن کا انتظام

پڑوسیوں نے میری تنہائی پر رحم کیا اور اس کام کو انجام دینے کے لئے تیار ہوئے۔ پٹیلے کے ایک سپاہی کو آگے کیا میرے دو نوکروں کو ساتھ لیا اور چل دیئے۔ میت کو غسل دیا۔ دو تین سفیر چاہریں یہاں سے اگھر لے گئے تھے۔ ان میں لپٹا اور اس مسپر میں جو مکان کے برابر تھی زمین کھودی (قبر پتلا) میت کو اس میں رکھ دیا اور گڑھے کو پاٹ کر لوٹ آئے

دریچے آن کہ اندر درخت سرچلت  
سردہ شاہد و سی سال نا شاہد زیت  
تہ خاک با میں زخشتش نہ بود  
بجز خاک و سر زو سشتش نہ بود  
مندا یا بریں مردہ بخشایشی  
کہ تاویہ در زیت آسایشی  
سروش دل جوئی او سرست  
روانشی کجید وید مینو فرست

افسوس کہ ساٹھ سالہ کی عمر میں جود، تیس سال  
شاہ دریا اور تیس سال نا شاہ، قبر میں اس کو باقی  
خشت بھی نہ ملا، خاک کے علاوہ اور کچھ اس کی  
ضمت میں نہیں تھا۔ اے خدا اس مرتے دلہ  
پر رحم کر کہ اس نے زندگی میں آماج رک  
صورت (نہیں دیکھی۔ اس کی حالت جوں  
کے کسی فرشتے کو پہنچے اور اس کی روح کو  
بہشت میں داخل کر۔

پانچ مرثیہ تیکن بد قسمت شخص جس نے زندگی کے ساٹھ سال خوش و ناخوش گزرے تیس سال ہوش مندی  
کے ساتھ اور تیس سال بے ہوش (دو لگی) کے عالم میں۔ زمانہ ہوش مندی میں حق ضبط کرتا، ورنہ عالم دیوانگی میں کسی کو  
حکایت نہ پہنچاتا جس کا شمار تھا ۹۱ صفر سنہ ۱۲۷۷ھ کی شب میں مر گیا۔

زساں مرگہ ستم دیدہ میرزا یوسف  
کو زلیستی سبباں در زویش بیگانہ  
یکے در انجی از من ہی پڑو ہمیش کرد  
کشیدم آہی و گفتم دریچہ دیوانہ

ایکے شخص نے مجھ سے ستم نصیب مرزا یوسف کی تاریخ وفات پوچھی، جس نے اس دنیا میں اپنے سے ہر گنا ستم ہو کر زندگی گزار دی۔ میں نے ایک ہاتھ پیپی اور کہا: دروغ دیوانہ !

## تاریخ وفات مرزا یوسف

واضح ہو کہ "دریغ دیوانہ" سے ۱۳۹۰ء ورمائل ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے "۱۴۵۰" کے "۱۶" عدد نکال دیے جائیں تو ہم "۱۳۷۴" لے لیں گی اور سچے ہی جو مطلوب ہے۔

ہم نام آنکھ لڑشیں درخورد دوست  
ہر جہاں سرشرد و آری در دوست  
اسے خدا کے نام جس کے حضور میں معذرت کرنا  
ہی مناسب ہے۔ تم جہاں سر جھکاؤ گے، اس  
کا آستانہ ہو گا۔

## فرمان روائے لوبار کی تباہی

جس جہاں انگریزی فوج نے شہر کو فتح کیا، اس جگہ نامور ابن داخل، اندام الدین احمد خان بہادر احمد رضا الدین خان بہادر نے غلط وضع کی خاطر اور امید بہتری پر شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ یہی سچوں کے علاوہ تین باقی اور چھ گھوڑے ساتھ تھے۔ ہر گنا لوبار کا رخ کیا جو ان کی کھائی جا گئی ہے۔ چھتھہ ہروں گئے اور اس گورستان پر انور و مقبرہ میں قیام کیا۔ دو تین روز گرام کی۔ اس دوران میں میرے سپاہیوں نے قیام گاہ کو گھیر لیا جو کہڑے پہنے ہوئے تھے، ان کے علاوہ سارا سامان جمیں لیا اور چلے گئے۔ البتہ تینوں باقی جن کو قنارہ اور خیر خواہ چھری، اس لوٹ مار کے شروع ہوتے ہی شکل لے گئے تھے۔ جہاں نقصان کے نشان کی میثیت سے باقی رہ گئے تھے، تین پلے ہوئے طرس ہوں۔

(یہ لوگ، لوٹ مار کی مصیبت اشعار اس نے سرو سامانی کے ساتھ جس کو تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو دیا ہے:)  
دو جہاں کی طرف روانہ ہو گئے (دو جہاں کے) نامور اور شک کردار (فرمان روا) حسن علی خان بہادر نے ازراہ عنایت و فیاضی۔  
ان کا، استقبالی کیا۔ یہ کہ کر کہ "میرا گھر بھی آپ ہی آگھر ہے" ان سب کو دو جہاں لے گئے۔

قتلہ گھر سردار خوش فصال (حسن علی خان) نے اپنے ہم سردار (مہمانوں) کے ساتھ وہی سلوک کیا جو شام ایران نے مجاہدوں کے ساتھ کیا تھا۔ صاحب کشتہ بہادر نے (ان حالات) سے واقف ہو کر اپنے پاس ہالہ لایا، لوگ، اشہر میں آئے اور حاکم۔ یہ ملاقات کی۔ (صاحب کشتہ اسے کچھ دیر میں وشتیم کی آئینا) جب حرم جو اب ستانو پھر کچھ نہیں کہا، قتلہ کے اندر لایا، ان خان سامانی کے پہلو میں پھرنے کا حکم دیا۔



تسلیم کلام کی رحمت کی وجہ سے میں اس خاتون کی تباہی کی داستان نہیں لکھ سکتا اور سمجھ کر بہروہی میں ان لوگوں کو بٹا گیا اور وہاں میں ان کے حکامات جو مالکوں سے خالی تھے، نذر غارتگری ہوئے، جو سامانی یہ لوگ وہاں بہروہی) اپنے ساتھ لے گئے تھے، لوٹ مار کرنے والوں کے حلقے میں آیا۔ جس متعاقب زندہ دوجاںہو پہنچے اور جو سامانی بہروہی ملازمت میں تھا، سب لٹ گیا۔ جس ایڈمنسٹریٹر باقی رہ گئے، ذسیم و زخمی ہوئے، ہائے باہس و بستر کا ایک تار بچا۔ خدا دان ان بے گناہوں پر رحم کرے۔ اس آقا زبانا گار کا انجام یہ نعرہ ہو، اور ان کو مصیبت کے بعد آرام نصیب ہو۔

حاکم جھجھور اور حاکم قرخ تنگی گرفتاری

یقیناً اکثر ہر کیے اتراریج تھی اور منیجر کا دن کہ یہ دونوں داخل مندرجہ نگاہ میں آئے اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے قلعہ میں قیام کیا۔ اس واقعہ کے دو مہینے دن کے بعد قلعہ کو حکم دیا گیا۔ قلعہ گئی اور جھڑ کے حاکم شہزادہ احمد کو مجھ سے مل کر طرہ ۵ فی محلہ کے اندر ایک ایوان کے گوشے میں جس کو دیوان عام کہتے ہیں (شہر نے کے لئے) جگہ دی تھی اور ان کی جاری جاگیر انگریزی حکومت نے ضبط کر لی۔

۱۳۱۔ کمونیر کو جسد کے دن فرخ شکر کے حاکم احمد علی خان کو اسی طرح آگرنے کو کہے، اس لئے مجھے عبدالرحمان خان کو لائے تھے اور قلندہ دہلی میں ایک الگ جگہ ان کو ٹھہرایا گیا۔ فرخ شکر بھی تیز دست تیاروں کا نشانہ بنا اور شہر و قلعہ مخالف واسطاب لٹ گیا۔

حاکم بہادر گڑھ اور طب گڑھ کی گرفتاری

۱۸۱۷ء کو پیر کے دن دادری اور بہار گڑھ کے حاکم بہار جنگ خان گرفتار ہو کر آگے اور قلعہ میں، جہاں ٹھہرا گیا، پھرسے ۷۰۰ فوٹ کو سینٹر کے دن، احمد نادر سنگھ حاکم بلب گڑھ کے آہانے سے قلعہ میں جو سردار مختلف مقامات پر ٹیکے دوسرے سے دو درجہ تھے، ان میں ایک کا اور اضافہ ہوا۔

واقعہ ہو کہ دہلی کی اجماع کے ماتحت جو جاگیریں ہیں وہ شمار میں چھٹے دانوں کے کہیں یا پھر وہ نہیں ہیں۔ دہلی کے ماتحت سات جاگیریں ہیں، لیکن یہاں درگزر، سبب گزر، اور وارو۔ فرما سکر کہ وہ جانے یا انہوں نے ان میں سے پانچ جاگیروں کے مالک جیسا کہ میں نے کہا تھے میں موجود ہیں اور انہیں دو جاگیروں پر یا انہوں نے خوف کے تیر کا نشانہ ہیں۔ دیکھو: ان کی جہاں میں آنکھیں دیکھیں کیا دیکھتے ہیں اور کیا انجام ہوتا ہے۔

یہ بات پوشیدہ نہیں رہے گی کہ مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خان اور ذوالفقار مرہٹوں حیدر خان میں کاتھنبہ میں  
مردہ ہے، اس جنگ کے میں دوسرے باعزت لوگوں کی طرح بڑی زنجیوں کے ساتھ شہر سے باہر چلے گئے۔ قیمتی سامان  
سے بھرے چوکنے گھر چھوڑ دیے اور محرومی اختیار کی۔ ان لوگوں کے کئی مکانات، محل اور دیوان ہیں یا نام مستقل۔  
اتنے وسیع کہ انگریزوں کے محلات و دیوانوں کی زمینیں کی پیمائش کی جائے تو شہر نہ سہی، ایک گاؤں کے برابر ہوتا (رقبہ ہو گا)۔  
بغیر شہر سے ملے عمل اس عالم میں کہہ میں کوئی آدمی تھا جس نے نہیں ٹوٹ مار ڈالنے والوں کے ہاتھوں اوصاف اور

ویران ہو گئے۔

کچھ کم قیمت لیکن بھاری سامان چیتے ایوان کے پردے اٹھایا تے، ساتلیں، شطرنجیاں اور دوسرا فرش ان قیام گاہوں میں باقی رہ گیا تھا، اچانک ایک رات، جس کی صبح کو راجہ نامہ سنگھ گرفتار ہوئے، اس مکان میں آگ لگ گئی۔ پیشیں اٹھنے لگیں، انگریزی چھتر دیواریں سب جل گئیں۔ یہ عمارت مکان سے جاغیر مغرب اتنی قریب ہے کہ میں آدھ رات کو پھر مٹی ہوئی آگ کی روشنی چھت پر سے دیکھ رہا تھا اور دھوئیں کی گرم میوے چہرے اور آنکھوں تک پہنچ رہی تھی۔ کیوں کہ اس وقت پھسپھیا ڈچل رہا تھا اور کھ میوے اویپر آرہی تھی۔ ہاں پٹروسی کے گھر سے ابلند ہوتے والے نئے سوغات کی حیثیت رکھتے ہیں، پھر پٹروسی کے گھر کی آگ اور کھ کیوں نہیر سائے۔

## شاہ زادوں کی سرگزشت

واقم حالات کے قلم کی جنبش دس واقعے کے اثر سے، جو نیم سرہ چپوئی کی رفتار کے برابر ہے (سست ہے) (صفر) کا فزیر دس حالت، کی کیا عکاسی کر سکتی ہے کہ نگاہیں اس کو دیکھ سکیں۔ شاہزادوں کے متعلق اس سے زیادہ طور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ بعض کو گولی مار دی گئی، اس طرح موت کے اڑھ سے لے کر لکھ لیا۔ کچھ کی گردن میر پچ انس کا پھندا ڈال دی گیا، اس طرح ہوسہ دار کی کٹاکٹل سے ان کی روح فشر کر رہ گئی۔ چند افسردہ دل قید خانے میں ہیں اور بعض دوا عالم عزت میں، آوارہ و پریشان پھر رہے ہیں۔ کمزور و ضعیف بادشاہ پر مقدمہ چل رہا ہے۔

## جاگیرداروں کا قتل

جاگیردار پختہ اور درخت لنگر کے جاگیرداروں کو بطورہ طریقہ مختلف دنوں میں پینسپین کا ڈانگیا، اس طرح ان لوگوں کو ہلاک کیا کہ کوئی کہہ نہیں سکتا کہ خون بہایا گیا۔

## جنوری سنہ ۱۸۵۸ء

جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کے آغاز میں ہندوؤں کو قریباً اگلائی مل گیا اور (شرم) آبلو ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ لوگ ہندو جہاں جہاں تھے، شہر کی طرف چل پڑے۔ خانہ پر باز مسلمانوں کے گھروں میں (افالہ) ڈار بننے کے سبب سے سہوہ اس کورنگ آگاہ ہے کہ دودھ دار سہوہ پر لڑ سہوہ سہوہ کی زبان سے یہ صدا آتی ہے کہ مسلمانوں کی جگہ پر سہوہ چل رہی ہے۔

## حکیم محمد دھان کے متعلقین کی گرفتاری

شاہید بدھت نے جہوں کے کہنے سے حاکم شہر کی یہ خیال ہوا کہ اگر راجہ شہر دنگر جہوں کے طریقوں کی کھلی سہوہ کی جائے پتہ اور جمع ہونے کی جگہ ہے، کوئی تہب نہیں کہ وہاں ہے، ہر وہ گروہ جس سے (جہوں) میں سے ایک وہ شخص اس محفل

میں اصرار نہیں کر رہا۔ اس خیال سے ضروری کو منسلک کے دن احکم تھیں لکھنؤ پارسوں کے ساتھ اس جگہ آیا اور مکان کے ماحول کو ملحوظ دیکھ کر ایک دن پتنگیوں کے ساتھ اپنے سر پر لے گیا۔ اگرچہ کئی راتوں میں سب کو حیرت میں رکھا، لیکن بالآخر لوگوں کی عزت کا یہ خیال رکھا۔

## ۵ فروری

۵ فروری کو جمعہ کے دن حکیم محمود خان، حکیم مرتضیٰ خان اور ان کے بھتیجے عبدالحکیم خاں عرف حکیم کاسے کو واپس کی اجازت مل گئی۔ ۳ فروری کو جمعہ کے دن چند دوسرے اشخاص ۱۲ فروری کو منشی کے عین شخص اور واپس آ گئے (یعنی نصف سے زیادہ حوالت میں آ گئے)۔ یہ مصیبت جو پندرہس میں نازل ہوئی اور جس میں سب لوگوں میں برپا ہوا اس کی وجہ سے، محمود خاں کی عمر زندہ کا دل بھی قابو میں نہیں۔ اس کے باوجود کہ اس وار و گیر میں مجھ سے کوئی تفریق نہیں کیا گیا۔ ابھی تک یہ عالم ہے کہ ان بھر چکر رہا ہوں اور رات میں آرام کی شینہ نہیں سو پا رہا ہوں۔

## قصیدہ در مدح سر حیدر خان لارنس

فروری کے ہر شوکت پہنچنے میں کہ اس زمانے سے ماہ فروری تک (جو موسم پہلو کا پہلا مہینہ ہے) جس میں انتخاب کی روشنی و روشنی بڑھ جاتی ہے۔ سوچا کہ ابھی اس محل تک پہنچنے کے لئے ایک عجیب کا سفر طے کرنا ہے۔ حاکم ہریاں اور غور شیر طلعت، ستارہ چشم سرطان لارنس صاحب چین کشن میلو کے آئے کی خبر مشہور ہوئی، چوں کہ میرا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو حاکم ہندوستان خصوصاً اس شہر دہلی میں آئیں، ان کی مدح میں قصیدہ لکھا جائے۔ اس بنا پر اس واقعہ و سرطان لارنس کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جو منیت فتح اور غیر مقدم نور و زہر شمش تھا اور ۹ فروری کو جمعہ کے دن یہ ذریعہ ڈال دیا۔

## ۲۰ فروری - خبر فتح لکھنؤ

۱۰ فروری کو شام کے وقت امر وید آواز نہنگ آہنگ لونہوں کی آواز آئی اور اتوار کی صبح کو شہر لکھنؤ کی فتح کی خوش خبری اس تفصیل کے ساتھ پہنچنے میں آئی کہ ۱۹ فروری کو آسمان سرحدی کے افق تابعدہ، سپہ سالار ناموں کا تھرا نہیں پہلے سے سیاہ رہا، جنگ جو دہائیوں پر اس طرح حملہ کیا کہ آسمان کے پہ سالار (مسیح) نے سلامت دست و بازو کی اتنی دھائیں دیں اور اس قدر تعریف کی کہ اس کے ہونٹوں پر تھالے پڑ گئے اور زبان تھک گئی۔

دنیا کو آبادی کا شہرہ اور اہل دنیا کو نور آزاوی، تاکہ اگر کوئی اور ملک دولت لوگوں (انگریزوں) کی آرزو پوری ہو گئی اور برے اور بدولت لوگوں کا درد دور وہاں بھی ختم ہو گیا۔ پھر سننے میں آیا کہ تینوں لکھنؤ، اور شہرانیوں کے نیچے (صرف) حصول طاقت کے ثواب کے لئے فتح نصیب نوج کے جہاد میں جنگ کے دوران میں شہر پر قابض نہیں ہوئے (بلکہ) دیہاتوں کی طرح دشمنوں کو قتل کرنے کے لئے دوڑ پڑے (دشمنوں کو از غی اور غلے کرنے کے بعد راپے پڑنا کی طرف لوٹ آئے)۔

## ۲۳ فروری - آمد حیف کشتز

۲۳ فروری کو برجہ کے دن ایک سو چھرون چڑھے سے

پروستان داد را آزاد سورو

آسمان جاہ را تہ بندہ ماہ

مبارک وقت میں بلخ انصاف کے سرو آزاد آسمان

نصرت کے ماہ تہ بندہ ۔

فرخ طلعت، فرزندہ میرت، ستارہ چشم زمین کشتز پہلوئے اپنے تہی کے سموں کے نشانات سے دہلی کی سرزمین

کو آسمان کی طرف ستارہ دار بنوا، اور تیرہ توپوں کی دھماکی کی گواہی دے خستہ دہلی کو سریم میرت محبت کی بشارت دی ہے

در کاہد شہر روان باز آمد

فرما لغزالی مشتم نشانی باز آمد

زہی شادی رخسار علی کہ رو داو بفر

گوئی کہ مکتوشہ جہان باز آمد

حاکم شاہ نشانی دیکھا، آگے کہہ شہر کے (میرت)

حکیم میں اوج واپس آ گئی ۔ شہر میں نصرت

کی ایسی (شہر)، دور گئی ہے جیسے شہنشاہ (شاہ)

جہان واپس آئے صحت ۔

## ۲۴ فروری

۲۴ فروری کو جب سینچر کا دن ختم ہوا اور رات آئی رات سے تیسیر پر گزرتے تھے اس وقت اسفلوہوں کے دل کا دھواں چاند

پر اس طرح بھا گیا کہ دیکھنے والے نے اپنے آپ کو بچا کر لے گئے کہ چاند گہری میں آ گیا۔ اسی سینچر کو حکم دور بادشہ ختم ہو گیا۔ انصاف چاہتے

والے اور پریشان حال لوگوں کو حاضر ہونے کی اجازت اور خواہش مندوں کو پیادہ دے دی گئی۔

## بے شمار لوگوں کو پیک انسی

اس شہر میں قید خانہ شہر سے باہر ہے اور مولات احمد علی شہریان دونوں میں بے شمار لوگوں بھر دیا گیا ہے۔ ان

محدود مقامات میں کثرت تعداد کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کڑی میں کڑی صوابیہا رہا ہے۔ ان دونوں قید خانوں کے

جس قیدیوں کو مختلف دنوں میں پیک انسی دے دی گئی ہے۔ ان کی تعداد فرشتہ بصوت ہی چاند گہری شہر میں ایک چڑ سے

نواہ مسلماں نہیں پاؤ گے۔ میں بھی ان میں سے ایک ہوں جو لوگ شہر سے نکل کر چلے گئے ہیں ان میں سے کچھ لوگ اس قدر

وہ دھڑکنے لگی۔ گویا وہ اس سرزمینِ دہلی کے باشندے تھے ہی نہیں۔ بہت سے نال مریض لوگ شہر کے ارد گرد دو دو، چار چار کوس پر ٹیلوں، گڑھوں، چھپوڑوں، کچے مکانوں میں اپنے انصیب کی طرح آگلیوں، ہڈیوں کے ہونے چڑھنے میں، اس دیرینہ نشیمن گروہ میں ولولہ لوگ ہیں جو شہر میں راجہ کے خواہش مند ہیں۔ یہ اگر تیار شدہ لوگوں کے رشتہ ہیں یا خیرات خوار یعنی پٹنوں، درزی، لوگوں کی دھواستوں میں رہائی، آباؤی اور اجرات پٹنوں کے علاوہ اور کوئی (مضمون انہیں پاؤں لگے دھواستوں میں) کی دوسرے جنرل دھواستیں عداوت میں جو بھی لگی ہیں۔ یہ انصاف طلب چشم برہ اور گوش بر آواز ہیں کہ کیا جتنے اور دیکھنے میں آتا ہے۔

مبارک

[illegible]

۱۴۱۵

۱۰ تاریخ کو بدھ کے دو فرماں روا کے حضور سے پہلی خواہش کے بارے میں یہ حکم صادر ہوا کہ یہ خط ہمیں میں تحریک کے ساتھ بھیجیں۔ اس کے نتیجے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ ایسے پر آشوب حالات میں مہربانیت اور صبر و انضباط کی کیا توقع ہے۔ میں تو سیدہ شگم ہوں، لہذا کوئی دینی پکا جیسے۔ دیکھو! اس دو سری خواہش کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔

١٨٠٠ - فتح الحصن

۱۶۔ پاگوجہ کے دھ شام کے وقت روح کو تو اتانی مختلفہ اشیاء کی طرح پہلی کے نیچے گنبد میں گرج اٹھیں۔ اس سے  
مکتو کا رخ ہوتا اور اس شہر کی گنبد فرما دیا۔ اگرچہ فریج کا سب سے اول خواہ پھیل جا تا معلوم ہوا۔ اس شہر میں کلمہ، فضیل، و دروازہ  
کو نہیں ہے۔ لہذا یہاں کے اہل حق کی دین و اس طرف سے کہ ہمارے وہاں اکثر مسلمانوں کے ہونے کی وجہ سے۔

وہ کم زور اور احمق لوگوں کی خوشی کی اگر کسی سے گڑبگڑ ہوگی تو بالیقین سارا دنیا اس پر ہاتھوں کے پھٹنے سے ہرماختے ہے  
گورنمنٹ ہائیڈرو گراہاں خدا اپنے فضل سے جس کو بادشاہت عطا کرتا ہے، اس کو خراج کرنے کی طاقت اور شدید شرمک  
بھی عطا کرتا ہے۔ اس بنا پر شخص فردی معاف کی بنا فرمائی کرتا ہے، اور اس کا بی ہے کہ اس کے سر پہ تاجے لگیں، حکومت کا  
حاکم سے لڑنا (استغناء) پر ہمت نہ کرنا (اپنے آپ کو نہ مانگنا) ہے۔ دنیا والوں کے لئے حساب ہے کہ جو لوگوں کو خدا نے  
خوش و خوشی عطا کی ہے، ان کے سامنے سر جھکا دیں اور فرمودوں کے حکم کی تعمیل کو خدا کے حکم کی تعمیل سمجھیں۔ جب ہم کو یہ  
معلوم ہو گیا کہ خوش نہیں حکومت اور طاقت کسی کی بخشی ہوئی ہے تو سر سرکش اور بغاوتی کیوں ہے۔ نہ مگر طر (شیر) و وحشی نفس  
ہست کر کچھ کچھے انداز سے ادا کیا ہے سے

چہ کند بندہ کو گردن نہتہ مسترمان دا

چکند گونی کہ تن درند چہ گان را

غلام و آفت، تہ حکم کے سلسلے سر منسوب چھکاٹے

نکا، تو کیا کہے گا۔ گنہگار چوکاٹ کی اطاقت کے علاوہ

کر بھی کیا سکتی ہے۔

۲۲ اپنی سے کہہ دلوانے کے دل میں یہ بات کھ رہی ہے کہ دنیا میں فردیوں کا ہیبت اور نڈر کا دت بھی آسان  
اور دوسرے جہان فردی و زعمہ انہیں وہ چار تاریخوں میں ہو متحد وصال شایہ یہ شہر مردوں کا سب سے بڑا ہے کہ ہر ایک کو  
انہی فرد ہائے سرست سکتے ہیں نہیں آتے ہیں۔ کوئی نہیں کہتا کہ یہ سال ترکوں کے، سال وند و گاندہ میں سے کون سا  
سال ہے اور رات دن کے برابر جو سن کی ماحولت کب آئے گی۔ اگر ختم سرگئے ہیں اور ان کے بادشاہ (اکبر) کے سفر کا  
روز تاجہ تھو (پیش گوئی اکابر) سے خالی نہ گیا تو یہ کچھ کہہ دیتے ہوں گے کہ یہ فری کر تو کہ چندھوئی باتیں  
کی نہیں۔ انتخاب ہوتی ہیں قیام (تحریک) کو جہاں نہیں ہے کہ ہزار ہا آگے اور پھول نہ لگیں۔ اصول آخر پیش ہوتے نہیں ہیں۔  
اسلام تھوہ ہول گردش کے خلاف عمل نہیں کر سکتا۔

میں بلانے نہیں، اپنے آپ آتے ہیں اور ان کے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اپنی بد قسمتی کا شکار ہیں۔

بہاں از لعل و لالہ پڑوی و رنگ

من و لگشتر دا سخی زو مسنگ

بہاراں دمن ماندہ بد رنگ و ساز

در عنائے ازبے فراتے مسراز

دنیا لالہ کے چھوٹوں سے رنگین اور گلاب کے پھولوں

کی خوشبو سے معطر ہے۔ (رنگین، میں ایک لگتے ہیں

چھوڑ دے سرو سامانے بدیہا ہوں۔ بہار کا

موسم ہے اور میں بالکل بے سرو سامان ہوں، ماضی

کے سبب سے گھر کا دروازہ بند ہے۔

## روانگی محمود خان

میں دیکھا ہوں اور سوچا ہوں کہ زمانہ بیت ہے یہ وہاں ہے۔ میں نواہی نشیں علم و اکام اگر سبزو دنگل کو نہیں دیکھوں  
گاہ اور دواغ کو بچھو لوں گی خوشبو سے معطر نہیں کروں گا تو میرا جس کی ایک آہلے گی اور ہوا سے کون تاواں لے گا؟  
پیریل کے سبب سے جس میں وہ ٹلٹ سا فروج کے اندر ایک ٹھٹھٹ لادری کا ہے، حکیم محمود خان کے ساتھ جو لگ  
تیر خانے میں باقی تھے وہ باہر گئے ہر ایک نے اپنا راستہ لیا۔ وہ جتنی درد و، صاف طینت (حکیم محمود خان) سارے دھڑکتے فائد  
میں کھینچ لیا اور سٹپٹ کے ساتھ پٹیا کے طرف چٹا گیا کہتے ہیں ابھی تک وہ کمرل میں مقیم ہیں۔ معلوم نہیں آئندہ کے لئے  
کیا سوچا ہے۔

## منہج مراد آباد

مئی کے شروع میں کانوں کو یہ خبر سنئے کانز حاصل ہوا کہ یہاں کینہ خواد کے بہادروں نے مراد آباد کو فتح کر لیا جو  
بدلتوش (پانچویں) کی گزہ گاہ تھا اور اس شہر کو انصاف سے آزاد کرنے کے لئے عالی نسب سرچشمہ علم و دانش، نواب  
یوسف علی خاں بہادر کے حوالہ کر دیا۔ آج کل (نواب یوسف علی خاں) جو دنیا کو فتح کرنے اور دنیا پر حکم کرنے کے دل  
میں اس علاقے پر قبضہ حکم کے طور پر فرما رہے ہیں (دیکھو کو) اس لیے کہ ہمیشہ فرما رہے ہیں کہ

## منہج بریل

اس کے علاوہ کہتے ہیں کہ کوہ خٹک اور آٹو دھانکار فرج نے جب (بریل) مراد آباد کے (اس علاقے پر) دیش  
کی فوجوں کے جتنا ہنگامہ (پانچویں) کو اس طرح نکال باہر کیا جیسے طاقت و رسوخیں نس و خفاشاک کو کھڑے سے پریشان کیا۔  
اس مورد سے حال کو دیکھتے ہوئے (تو قہ ہے کہ) چہ گراں ہاں (پہلی) دھڑا دھڑا ہ گئے ہیں، شہروں، انگوں میں لوگوں کو  
پریشان کرتے ہیں اور راستہ چلنے والوں کو مارتے ہیں، اب گادو دودھ میں جلد ختم ہو جائے گا اور سارا ملک حاکمانِ عدول  
(مستحقان) کے پرچم کے زیر سایہ آجائے گا

## ۱۳ رحون - احوال بہادر جنگ خان

۱۳ رحون کو ہزار کے دس ٹم کے ذات حاکم شہر نے بہادر جنگ خان کو اپنے پاس بلایا جو کہ جسی ٹکڑے سے وہ  
ٹری میسوں کے ساتھ گئے۔ چل کر کئی اندر ایک بڑا دھندلہ خوش و خرم کئے جانے کی خوشخبری سن کر حکم ہوا کہ لاہور کی  
طرف پہلے جائیں۔ اس کے بعد آوازی کی زندگی برسرِ جنگ دھماکی شہر (لاہور) میں رہنا ہوگا۔ یہ جنگ ان حالات میں دیکھی  
ہے کہ وہ (بہادر جنگ خان) چلا و دولت کے علم و انوس سے آگاہ ہو جائیں اور اس آوازی پر مسرور و فتنہ ہوں

## فتح گوئیار

دن کا شہنشاہ، اکابر، جس کا سرورِ انارکھ سے پر گھلا ہوا ہے۔ اسی فتحِ شرق سے ہندو ایک نیر و پندرہ ہوا تھا کہ  
بلوچوں کے گن سے ہونے والی تعداد کے برابر رند کی طرح گن پندہ والی توپوں کی تعداد پندرہ ہونے لگی (۱۱ قریب توپ سے مراد ہے  
جس نے وہ خوں کے دل کو سرست و شوقِ ملی سے محو کر دیا اور آگ سے زیادہ جھلکے والی فلم کی آرائش دشمنوں کے سرور پر ہے  
پر ڈال دی۔ گوئیار کا شیر فتح ہو چلا ہے۔ اس جنگی کھلے ہاتھ جانے کی خوش خبری جو زمین کا جگر گوشہ اور پہاڑ کا منہ چل رہا ہے،  
خدا کے دربار سے سرکشوں کی موت کا پروانہ لائی (اس غزوہ فتحِ سرست سے) حاکموں اور فرلوں پر اردوں کو آرزوؤں کے چمکے ہیں  
اشقے (آندھن) پوری ہو جانے کی بشارت دی۔

یہ داستانیں پوری ہیں کہ بالچوں نے گوئیار پر قبضہ کر لیا۔ فرلوں رونے لگے گیار، مہاراجہ جی پاتی ملو حکومت اور شہرِ دہلی  
کو چھڑ کر گئے چلے گئے اور انگریزوں سے صدمہ چاہیں انگریزوں سے ہندوئی فتح لے کر اپنے وطن کی طرف گئے اور فتح حاصل  
کی انگریزوں نے، بہانہ ہوا کہ ہر طرف سے گوئیار کا رخ کیا تھا چلو وہی شکست فاش ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی گلوہوں  
کا انعام ہو گا کہ بد حال و خیر ہو گی کے ساتھ صوفی و صوفیوں کے ساتھ چلے گئے اور آخر کار جگہ جگہ دولت و غنای کے ساتھ ملے  
جائیں گے۔ ان کے محراب اور گھوڑوں کو کہ آپ گویا میدان میں بھی پڑا ہوا اسودہ ہو چکا ہے اور اس گروہ کے ساتھ سلاخی کو  
گورگاؤں میں بکھل ہوا پانڈے۔ پھر رند و سنی، غنہ و غلام، ختم سے ایسا پاک ہو جائے گا کہ جنگل کا ہر شجر باغ کی طرح سرسبز ہو گا  
اور ہر وہ گنہگار کی طرح پردہ حق نظر آئے گی۔

باقی الموصیٰ زندگی کے ترکش سال گزر چکے ہیں۔ ان طرح طرح کے روحِ زماعوں (کے سبب) سے ظاہر ہے کہ  
اب نندہ سے اور زیادہ فرصت و عمر کی توقع بے جا ہے۔ مجھ کو اس طرح کا شیراز (صوفی) دھواں اٹھانے کے اشلہ کو دہرایا ہوں اور  
اور جس طرح ایک غمِ غیب دوسرے غمِ زدہ شخص سے سمجھتے حاصل کرتا ہے۔ ان اشلہ کو پتہ کہ ہاگر دل کو خوش نہیں کر سکتے ہیں  
تو کم سے کم تھک دینے و ختم سے آزاد و کامیاب ہوں گے

درمیانِ کرنل مایوسی روزگار

بروید علی و بیشگندِ توہمار

بہا تیر و دیباہ دار و دی بہشت

بیاید کہ ما خاک با شیم و فشت

انصورت! صفا و سہ بغیرِ زامت و دنیا عینِ بادِ ہوا و زمین

آئیں گی اور پھولتے پھولیں گے۔ شیریں اور اونچے بہشت

کے پھلنے بار بار آئیں گے۔ جیسے کہ ہم (عقبِ زمین) خاک

صوفی کے ہوتے ہیں۔

لی الموصیٰ کی بات کو چھپانا اچھے لوگوں کا طریق نہیں ہے بلکہ نیم سلاخی غریب پانڈوں کے آزار ہوں اور جتنا ہی



اور جوانی کے دنوں سے یہ غبارِ حوش سے رات میں صرف دواچ شراب پہنچے کے علاوہ کسی دواچ شراب نہیں حق حق تو  
نہیں ملتی تھی۔ آج کل جب کہ انگریزی شراب شہر میں جوت پہنچی ہے اور میں بالکل مفلس ہوں۔ اگر خدا دوست،  
خدا مخلص، لاف و مفاہون، مٹی و داس، دلی شراب، تھوڑے رنگ میں دواچ شراب کے برابر اور یوں اس سے چوہ کر ہے  
مجھ کو اتنا دل کو سرزد کرتے تو میں زعم نہیں رہتا۔ اسی عالمِ جگر نشینی میں مر جاتا۔

از دربر دلم وایه ز غم و غم و غم

از یادگار تاب میگردم از غمی سخت

فرمانده سپه داری و امیر خاندان

آلہ کی برای خود سکندر کی بخت

فریڈے سے روئے چاہتا تھا کہ کسی طرح میسج آرڈر دیوڑی

عروج کے ذرائع و وسائل: سفر گاہ، شراب ناپ گاہ، ایک دو

سازگار سے جانیے۔ جانتے منہ ہمیشہ اس نے کچھ کر

۱۰ آیت الہیات، بخش دیاسین کی کھڑکھڑنے آئے

لئے ڈھونڈا تھا۔ (میش داس) نے (شریف) مسلمانوں کی آباد کاری کے متعلق کوئی کر  
 دہ نہیں رکھی۔ چونکہ خدا کی مرضی نہیں تھی کہ کوشش کارگر نہیں ہوتی۔ سب جانتے ہیں کہ (شریف) مسلمانوں کا آبادی کے ساتھ  
 رہنے والوں کا کوئی محبت اور مہربانی کا نتیجہ ہے۔ ہر حال اس کی پہنچنی ہو (میش داس) کا اس خطبہ میں داخل رہا ہے۔  
 ہر مفسر قریشی غریب شخص ہے۔ لوگوں کے ساتھ مل کر رہتا ہے۔ زندگی عیش و سرور کے ساتھ گزارتا ہے۔ اگرچہ وہ بہت  
 پرانی شمسائی نہیں ہے۔ اتفاقاً کہیں لڑکے اور بچے نہ ہوں تو اس کے پاس بھی کوئی تھک چکی لڑکھ کو سونپ دیتا ہے۔

## ہندو شاگردوں اور دوستوں کی امداد کا اعتراف

میرے دوسرے متعلقین اور شاگردوں میں سے ہر ایک کو، ہر ایک ایک نام و نوجوان، اور تعلقات کا بہت خیال رکھنے والا ہے۔ ہر بچہ کا وہاں ہے اور میرا ختم غلط کرتا ہے۔ اس نصف آپا نصف در ان شہر کے لوگوں میں سے علی نسب شیعہ نام ہوسکتا ہے۔ ہر ایک اہل منہ نوجوان ہے اور ہر ایک بچے کی طرح عزیز ہے۔ ہر دو دینی ختم زاد کا دست کم کچھ چھوڑتا ہے نو نو جوانی دوسرے ساری کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا لڑکا ہاں کہہ دے کہ ایک بچہ بڑا لڑکا اور خوش اخلاق نوجوان ہے۔ اپنے والد کی طرح تعظیم حکم میں مستعد اور ختم گاروں میں بیٹا ہے۔

دور دور کے دوستوں میں سے ایک دوست (اسلامی محبت کے مابین شہزادوں پر غلو پاں لگتا دیکھیں) نے اجہ میر کے پرانے مونس و مہم میں اور اس پتھر پر مجھ کو اپنا استاد رکھتے ہیں، ان کا کام ہماری خدمتوں و خوبیوں کے ساتھ میر کے لئے مزید تازہ ہے محکمہ گزیرت اچھے آدمی ہیں، صریحاً محبت و اخلاص، شاعری سے ان کو لڑنے (شہرت) حاصل ہے اور

اور ان کے دم سے شامی کے ہنگامے گرم رہتے ہیں۔ انجائے محبت سے میں نے اب کو اپنا ہندوستان کو یاد دہان کرتے ہوئے  
خطاب دیا ہے۔ انہوں نے میرٹھ سے ایک ہفتی میرٹھ پاس تھی۔ نیز غزل اور خط بار بھیجتے رہتے ہیں۔

یہ آئیں جس کا نکلتا لازمی نہیں تھا، صرف اس لئے لکھی کہ وہ لوگوں کی فحاشی اور محبت کا شکریہ ادا کرے اور ہائے تیرا اس سے ہیں  
(لکھیں) کہ جب یہ دوستی دوستوں کے ہاتھوں میں آئے تو وہ کہیں کہ شہر سلماؤں سے غلط ہے۔ راتوں کو وہ لوگوں کے گھر  
چلے آئے عروم رہتے ہیں اور وہ میں دیکھوں کہ روزی دھوئیں سے۔ غالب جس کے شہر میں ہزاروں دوست تھے  
ہر گھر میں خنداں سارے رات کا روبرو تھے۔ اس تنہائی میں کلم کے سوا کوئی اس کا ہم زبان اور (اپنے) سایہ کے علاوہ کوئی  
ساتھ نہیں ہے سے

انہوں میں کہ رنگ بروہم غیر رسد

تاریخ بخون دینہ نشویم ہزار بار

دو ہیکم زور و درخ است جان دل

دو ہیکم زخارہ و خارا مست پود و تار

اب میرے چہرے پر اس وقت تک آب و رنگ نہیں آتا

ہے جب تک کہ ہزار بار انگشت خون سے چہرے کو تر

نہ کروں۔ میرے جسم میں غم و ماضیوں جان و

دل بن گئے ہیں اور میرے سیر کا تانا بانا صدا و سکون

سے (نہا دھوا) ہے۔

## گھر کی تباہی

اگر شہر میں یہ چاند شخص نہ ہوتے تو کوئی شخص میری بے کسی کا گونا گونا نہیں نہ ہوتا۔ اگر دشمن ہونے لگا تو شک  
آتا ہے کہ اس کوٹ میں جب کہ شہر کے کسی گھر میں میں ہی نہیں تھی، اگرچہ اگر کوٹ مار گئے والوں کی دانا دوستی سے  
محفوظ رہا لیکن میں قسم کھا سکتا ہوں کہ بستر اور پتے کے کپڑوں کے علاوہ گھر میں کہ نہیں رہا۔ اس مقدمہ دشمن کا حملہ اور  
اس دہشت گردی کی حقیقت یہ ہے کہ جس وقت کالوں (دھندوں) نے شہر پر قبضہ کیا تو ہم نے بھگت سے کہے بغیر قسم کھینچی  
زیور و خیر جو کہ تھا خیر لوہے کالے صاحب پر زلزلہ کے پہلے بچ دیا۔ وہی تہ خانے میں محفوظ کر دیا گیا اور دہشت گردانہ حملے سے  
بچا دیا گیا۔

جب تاج (اگر نروں) نے شہر کو فتح کیا اور سپاہیوں کو کوٹ مار کا حکم دیا تو اب تک نے یہ راز مجھ سے کہا وقت  
لگ چکا تھا اور اب تک اچھے دور و سلاں لانے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ میں خاموش ہو گیا اور دل کو بھرا لیا کہ یہ چیزیں  
ہائے والی ہی تھیں۔ اچھا ہو کہ میرے گھر سے نہیں گئیں۔

## منگ دستی و محبوبوری

اب یہ چھوٹا ہی کلچر ہوا ہے۔ قلم پیش جو سرکار اشترجری سے (دستی حق) اس کے لئے کا کوئی ذخیرہ نہیں نکلا، بہتر اور کچھ بڑھ کر زندگی گزار رہا ہوں۔ جو بعد سرے لوگ روٹی کھاتے ہیں۔ میں کپڑے کھاکا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ جب کپڑے سب اڑ چکے ہوں گا، عالم بنگل میں بھوک سے مر جاؤں گا۔

اس قیامت میں پہلے نوکروں میں سے دو تین نوکر میرے پاس سے نہیں گئے۔ ان کی میں پرورش کرتا ہے انصاف کی بات تو یہ ہے کہ آدمی آدمی کے بغیر نہیں سکا، نوکر کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اسی گردہ (دھاریس) کے علاوہ دوسرے ضرورت مند جو ہمیشہ سے مجھ سے کچھ شہر کچھ فائدہ اٹھانے کے عادی ہیں، اس بڑے وقت میں بھی اپنے درجہ فرماؤ (سوال) سے میری صولات سے ہنگام سے نکلنا اٹھنا ہی چاہتے ہیں۔

اب جب کہ جسمانی ٹکلیوں کے دہاڑ اور روحانی آفتوں کی گداختی نے جسم و جان کو تباہ کر دیا ہے۔ دیکھا کہ دل میں خیال آیا کہ اس کھلوئے کو آراستہ کرنے میں (جس کا ہم تقیف ہے) کب تک مشغول رہا جا سکتا ہے۔ حقیقت اس کش کش کا انجام بالخصوص ہے، واپس چک مانگتا پھرتا، صورت میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا کہ یہ داستان ہمیشہ کے لئے انجام و انتہا سے محروم رہے اور پڑھنے والوں کے دلوں کو اندر دھکے

دوسری صورت میں یہ بات ظاہر ہے کہ اس ساری داستان میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا کہ فلاں گلی سے سر بازار ہنگارا دیا گیا اور فلاں دھانسیہ پر کھل گیا، پھر یہ باتیں کب تک زبان کی جاسکتی ہیں اور اپنے آپ کو (کہیں تک) اسوا کیا جا سکتا ہے۔ باقی پیش اگر مل گئی، تب بھی آئینہ دلوں سے رنگ (ظلم) صاف نہیں ہو سکے گا، ترضی اور انہیں ہو گا، اگر نہیں ملے، اس صورت میں شیشہ پتھر سے چور چور ہو جائے گا اور کچھ بقیہ ہے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ نوزں صورتوں میں کچھ نگرہاں دہلی آگیا، اب ہر اسی بیت لودہ لوگوں کو سزاگار نہیں آتی ہے۔ یہی تاثر ہے کہانہ ہو گا اور کسی دوسرے شہر میں رہتا ہو گا۔

## تفصیل و قانع دستبنو

مئی سال گوشہ سے لے کر چھوٹا ہی منہ ۱۹۵۵ء تک کی روداد میں نے لکھی ہے، یکم اگست سے قلم ہاتھ سے رکھ دیا ہے۔ کاش میری ان تین خواہشوں میں غلاب، اعلیٰ اندر پیشی کے اجرا کا حکم شہنشاہ فیروز بہت سے آجاتے، جو کے متعلق میں نے اس تحریر میں جو، کچھ لکھا ہے۔ میری آنکھیں اور میزوں انہیں کی طرف لگا ہوا ہے۔ وہ شہنشاہ کا چاند جس کے سر کا تاج ہے، آسمان جس کا تخت ہے، اور شیر خانی فریدوں لڑکاؤں میں جہنم کھو، سکندر حشم، وہ شہنشاہ کا شہنشاہ اس بات کے لئے اس کا لنگر لگا رہے کہ اس سنگت و تعلق کی عزت وہ گنتی، فرماؤں رواں دواں اس کی ٹھکر کشی کے خوف سے درختم ہے۔ اب اس خیال سے کٹنے، اچانک سوزی اس کی تلاش کا سبب ہے، اگر ڈرتا نہیں ہے تو پھر وہ کیوں ہرگز کاچھا رہتا ہے اور اوکال اس اندیشے سے کہ دنیا کو منور کرنے میں اس کی رہبری کا احسن ہے اگر اپنی گستاخی کی معافی نہیں چاہتا ہے تو میری ہر بات خوف سے گھٹا رہے۔

شاه خداوند تیغ و شمشیر

شهباش شاه ده شمشیر

خودمند فرخ کعبه نیک خونی

ز نوشیروان برده در داد گشتی

در نشان درختی که جغیر داشت

نمائی که از بهر حب وید داشت

جان داشت تا اندرین روزگار

سپارد بدین نامور شهریار

ز خسرو ترخ زر و هفت تنج

ره آورده شاه است بی دست پنج

خوداکی تخت کیش باد بگری بدوش

به شش پیش کیش کرده "فرخ سروش"

نهیجه که در کوه از مغز سنگ

بر آید بوی گوهر و رنگ

بود مهر ما چشتم برافسارش

و گزید چه کار است با گوهرش

گر آهنگ عرصه نشان کند

چنان در نشان روان کند

که آن گوهر آرد اگر در شمار

شود سوده انگشت گوهر شمار

ز بیم سپایش که گاه فبسد

بر آید تو دریا و کبیا و عرد

بکوه از دیا و بد ریا نهنگ

و در جان در آب و زنده سرنگ

ز خسرو مشکوه نایاب او

مندیوان غیتی گلاب او

به افروزش و نمیش بی درین

در خنده خورشید و یارنده یخ

ہر فرگفت کھٹش خرو و نور

ہر تاب و افش خرو و نور

بخشش شگفت و بدانش رسا

جہاں در فرنا نہ و کتوریا

گریز وانا پاکش نگہدار باد

درنگش دریں بنم بسیار باد

درتہا

وہ مالک تین و تین و تین و تین۔ وہ شہنشاہ سعادت بخش اور بادشاہ ساز

ہے۔

صاحب دانش، فرخ طلعت اور نیک خُبر ہے۔ اُس کا مرتبہ انصاف میں

نظر واصل ہے جہت ہے۔ جمشید کے پاس جو درخشاں علم تھا وہ اس سے اس کو

مناقت سے رکھتا تھا کہ ملکہ نامور کے سپرد کر دے۔

خسرو کی طرف سے ترنگ دنا و اس کے ساتوں خزانے بغیر نعت اٹھائے

ہوئے ملکہ کو بطور تحفہ ملے۔

وہ تخت و سلیمان، جس کو بُھا اپنے لاندھوں پر لے جاتی تھی، فرشتہ

ضیاب نے ملک کے سامنے بطور پیشکش پیش کیا ہے۔

تم نہیں دیکھتے ہو کہ پیاراؤں میں پتروں کے جگڑے کو ہر رنگارنگ

برآمد ہوتے ہیں۔ سورج کو اس کے تان کا خیال دہکتا ہے ورنہ اسے موتیوں

سے کیا کام۔

اگر وہ دیکھ و کوئی دیکھ، موتی ٹکسنے کا ارادہ کریں اور نہ میں تو کثرت بخشش

سے یہ حاجت ہوگی کہ اگر کوئی شخص ان موتیوں کو شمار کرنا چاہے گا تو شمار کرتے

کوتھاس کی انگلیاں ٹھس جائیں گی۔

اس کی فرقت کے خوف سے جڑواؤں کے وقت دریاؤں اور پہاڑوں کو تباہ

کر دیتی ہے۔ پہاڑوں میں اڑ جے اور دریاؤں میں نہنگ سریشک کو مر جائیگا

اس کی شان و شوکت کا یہ علم ہے کہ پڑے پڑے بادشاہ اس کے در

کے گئے ہیں۔

اس کی ضیا بخش اور کم بے درخشاں ضیاب ہے کہ یہ سورج روشن ہے

اور بادل ہیں برسنے کی صلاحیت ہے۔

وہ کرم اور فیاضی سے اپنی علم و دانش کو لوہا زنی ہیں۔ اور ان کی دانش مندی کی برکت سے دوسرے لوگ جامعہ خود سمجھتے ہیں۔  
ان کی سخاوت حیرت آفرین ہے اور ان کی عقل رسا۔ ان کا نام ملکہ عالم و گنہگار ہے۔

خدا سے پاک ان کا نظریہ ہے۔ (خدا کو ہے) اس عقل (ہستی) میں اُن کا قیام و برکت ہے۔

اگر ملکہ عالم کی بخشش سے میں کچھ حاصل کروں گا تو دنیا سے ناکام نہیں ہوں گا۔  
چوں نگارش بدیں نشان پیوست  
تو زدم، داستان نمی خوارم  
ہیب بات یہاں حکمت آہ بہو نیچے تو میں خاموش  
ہو گیا۔ میں داستان گوئی نہیں چاہتا ہوں۔

نکل ہونے کے بعد اس کتاب کا نام دستچنبہ رکھا گیا۔ (یہ کتاب) لوگوں کو دی گئی اور ابھر اُدھر گئی گئی، تاکہ وہ اپنا علم و دانش کی روش کو متکیں سمجھیں۔ اور انشا پر داز (انڈیا نگار شاہ پر) فریفتہ ہو جائیں۔ امید ہے کہ یہ جوئے دانش (دستچنبہ) انصاف پسند لوگوں کے ہاتھوں میں گلدستہ پُر رنگ و بڑ بڑگا، اور شیطاںِ ظلمت لوگوں کی نگاہوں میں آتشیں گیند! آمین! سہ

تویشان کہ ہمیشہ در روانی مائیم  
سر مشقہ راز آسمانی مائیم  
لمنی ز دستا تیر بود نامہ ما  
ساسان ششم بہ کاروانی مائیم

ہمارے طبیعت جو ہمیشہ روان رہتی ہے  
اس کے وجہ یہ ہے کہ ہم رازِ ہلے آسمانی  
کا سرچشمہ ہیں۔ یہ کتاب و مساتیر ہیں  
کا ایک حصہ ہے۔ اسے کل خان کے بھانڈے سے  
رغویا، ہم ساسان ششم ہیں۔

تمام شد

اسی کتاب کو بغیر ہر قسم مفید فائدے کے کوئی صاحب  
بچا ہے گا اور وہ شکرین۔ فقط۔

## قطعہ شمار بیخ

آمت از کتاب از میرزا معتمد علی بیگ مہر بخش سلطانہ تعالیٰ  
اسد اللہ عثمان غالب مہر  
حبیبنا زو رستم چہ دستہنو  
نامہ خود سال خورشید راونشاں  
بیر ہینا ستم چہ دستہنو

۱۸ ر ۵۴

## قطعہ شمار بیخ

انجنت ام کتاب از میرزا تقی محمد سلطانہ تعالیٰ  
کتابی زو رستم غالب کو آن ڈ  
بجائے دول جہان گشت غالب  
نوشتہ تقی محمد سال اختتام  
بیا ہینا مہر دستہنو غالب

۱۸ ر ۵۸



لاٹ دانش غلط و فہم عبادت معلوم

در ویک سا بن غفلت ہے چہ دنیا و چہ دین

دیر و حسرم آئینہ شکارِ تمنا

واما ندگی شوق تراشے ہے پناہیں

قوہ اور آرا لشیں حسرت کا سہل

یہاں اور اندیشہ ہائے دور و دوراں

غالب





## غالب پسنلے - غالب کیلنڈر

مکمل ہے۔ غالب پسنلے بنائے دے اور وہ - یادگار غالب - نے ایک اور جہت دکھائی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے غائب کیلنڈر ہماری گیند ہے جس پر چار رنگوں میں میرزا غالب کی جنائیت کا وہب نظر تصویر ہے۔ جس میں غالب کو جو فکر دکھایا گیا ہے۔ یکم مارچ کو ایک رنگارنگ تقریب میں غالب کیلنڈر کی رسم اجرائی لندن پر غیر رسمی کے پروفیسر رائف وائل کے ہاتھوں انجام پائی۔ موصوف نے غالب پر انگریزی میں ایک کتاب بھی شائع کی ہے۔ اس تقریب میں سیر کوہنفری نے غالب کیلنڈر پر ایک پرنٹنگ پر غلطی نظر بھی پڑی۔

ماہنامہ - کتاب - لاہور نے بھی غالب کی عداوت پر اس کے سلسلے میں غالب کیلنڈر کا ایسا دیکھا ہے۔

مختصر ہے اور اس کی آفاق گہر شاہی منہ سب دولت، رنگ و نسل، ملک و جزئیات حدود کی تفریق و امتیاز سے بالاتر اور سب کے لئے یکساں وسیلہ فیضان ہے۔

## غالب ایگل فلاسکٹ

بیمبھی - غالب صدی کے سلسلے میں - ایگل ویکویم بری - تیار کرنے والی - بیمبھی کی ایک کہانی نے ایسے خوبصورت ویکویم فلاسکٹ اختیار کیا بنا کے جس میں میرزا غالب کے کلام سے کچھ اشعار منتخب کر کے ماہر مصوعد کی مدد سے تصویریں

بنائی گئی ہیں۔ اور میں شعرا سعد اور مندی رسم الخط میں لکھے گئے ہیں اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی ساتھ ہی دیا ہے اشعار کا انگریزی ترجمہ قرۃ العین حیدر نے کیا ہے۔ پھر اس پر غالب کے اشعار کی جو تشریح تصویروں کے ذریعے کی گئی ہے وہ رنگین ہے۔

مکمل ہے۔ غالب پسنلے بنائے دے اور وہ - یادگار غالب - نے ایک اور جہت دکھائی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے غائب کیلنڈر ہماری گیند ہے جس پر چار رنگوں میں میرزا غالب کی جنائیت کا وہب نظر تصویر ہے۔ جس میں غالب کو جو فکر دکھایا گیا ہے۔ یکم مارچ کو ایک رنگارنگ تقریب میں غالب کیلنڈر کی رسم اجرائی لندن پر غیر رسمی کے پروفیسر رائف وائل کے ہاتھوں انجام پائی۔ موصوف نے غالب پر انگریزی میں ایک کتاب بھی شائع کی ہے۔ اس تقریب میں سیر کوہنفری نے غالب کیلنڈر پر ایک پرنٹنگ پر غلطی نظر بھی پڑی۔

ماہنامہ - کتاب - لاہور نے بھی غالب کی عداوت پر اس کے سلسلے میں غالب کیلنڈر کا ایسا دیکھا ہے۔

## غالب صدی پر ڈاک کے ٹکٹ

مکمل ہے۔ غالب پسنلے بنائے دے اور وہ - یادگار غالب - نے ایک اور جہت دکھائی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے غائب کیلنڈر ہماری گیند ہے جس پر چار رنگوں میں میرزا غالب کی جنائیت کا وہب نظر تصویر ہے۔ جس میں غالب کو جو فکر دکھایا گیا ہے۔ یکم مارچ کو ایک رنگارنگ تقریب میں غالب کیلنڈر کی رسم اجرائی لندن پر غیر رسمی کے پروفیسر رائف وائل کے ہاتھوں انجام پائی۔ موصوف نے غالب پر انگریزی میں ایک کتاب بھی شائع کی ہے۔ اس تقریب میں سیر کوہنفری نے غالب کیلنڈر پر ایک پرنٹنگ پر غلطی نظر بھی پڑی۔

ماہنامہ - کتاب - لاہور نے بھی غالب کی عداوت پر اس کے سلسلے میں غالب کیلنڈر کا ایسا دیکھا ہے۔

مکمل ہے۔ غالب پسنلے بنائے دے اور وہ - یادگار غالب - نے ایک اور جہت دکھائی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے غائب کیلنڈر ہماری گیند ہے جس پر چار رنگوں میں میرزا غالب کی جنائیت کا وہب نظر تصویر ہے۔ جس میں غالب کو جو فکر دکھایا گیا ہے۔ یکم مارچ کو ایک رنگارنگ تقریب میں غالب کیلنڈر کی رسم اجرائی لندن پر غیر رسمی کے پروفیسر رائف وائل کے ہاتھوں انجام پائی۔ موصوف نے غالب پر انگریزی میں ایک کتاب بھی شائع کی ہے۔ اس تقریب میں سیر کوہنفری نے غالب کیلنڈر پر ایک پرنٹنگ پر غلطی نظر بھی پڑی۔

ماہنامہ - کتاب - لاہور نے بھی غالب کی عداوت پر اس کے سلسلے میں غالب کیلنڈر کا ایسا دیکھا ہے۔

مکمل ہے۔ غالب پسنلے بنائے دے اور وہ - یادگار غالب - نے ایک اور جہت دکھائی ہے۔ ۱۹۶۹ء کے غائب کیلنڈر ہماری گیند ہے جس پر چار رنگوں میں میرزا غالب کی جنائیت کا وہب نظر تصویر ہے۔ جس میں غالب کو جو فکر دکھایا گیا ہے۔ یکم مارچ کو ایک رنگارنگ تقریب میں غالب کیلنڈر کی رسم اجرائی لندن پر غیر رسمی کے پروفیسر رائف وائل کے ہاتھوں انجام پائی۔ موصوف نے غالب پر انگریزی میں ایک کتاب بھی شائع کی ہے۔ اس تقریب میں سیر کوہنفری نے غالب کیلنڈر پر ایک پرنٹنگ پر غلطی نظر بھی پڑی۔

ماہنامہ - کتاب - لاہور نے بھی غالب کی عداوت پر اس کے سلسلے میں غالب کیلنڈر کا ایسا دیکھا ہے۔

## غالب ڈائری - یونائیٹڈ بینک کی ایک مثالی پیش کش

کراچی - فروری ۶۹ء کے دوران اردو کے عظیم المرتبت شاعر میرزا غالب کے مددگار جن پسرار کی دنیا میں رنگ و رنگ آخریات منتقل ہوئی اور غالب کی ادبی عظمت کا اعتراف کیا گیا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی غالب کے منصور ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مستند ادبی و تہذیبی اداروں نے خراج عقیدت پیش کیا۔ غالب کی یاد میں ٹکٹ جاری ہوئے: غالب پنل اور - غالب ٹھکانے کا اجراء مل میں آیا۔ لیکن ایک تھوڑی اور یونائیٹڈ بینک لیسٹڈ بینک مرحبہ غالب ڈائری مثالی کے ایک ایسا کارنامہ تمام دلچسپ جو مسروروں زندہ رہے گا۔ یہ اتنا حسین دل کش اور یادگار زندگی ہے جو غالب شناسوں سے ہمیشہ داد و تحسین حاصل کیے گا۔ بلادمی رنگ کے نرم و گلدازہ کے کی مجلس آراستہ بہ فائز اعلیٰ وینز کاغذ کے تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی صفحات میں مسلک کے جہاں سال و مائے ناز منصور صادقین کی نقلی تصویر غالب کی ہر نقلی تحریر کا کس، غالب پرانی اور کی مشہور نظم اور غالب کی ایک ممکن غزل کے علاوہ صادقین اور غالب کی فنی عظمت پر مختصر لیکن جامع نوٹ درج کیا ہے۔ پوری ڈائری میں صادقین کی ۱۲ تصویریں شامل ہیں، جو غالب کے ۱۲ منتخب اشعار کی نہ صرف آئینہ دار ہیں بلکہ ان میں شعری روح بھی ہے اور منصور کے فن کی صداقت بھی۔

صادقین - نئے عہد کے منصور میں ۱۲ مسے اُن کی فکر کے آئینے کے انسان کے تخلیقی کرب کا اعادہ کیا ہے اور یہی سبب ہے کہ غالب ڈائری کی شہکار نقادیر میں انہوں نے غالب کے اشعار کو کمالی نعتی مہارت، حسن و رنگ کی آمیزش اور اپنی ریخت تحقیق سے نئے مسنویت عطا کر دی ہے جو صرف انہیں کا حصہ ہے۔ ان تصاویر میں غالب کے اشعار کی فکری گہرائی بھی ہے۔ گہرائی بھی۔

ڈائری کے ہر صفحے کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور سامنے کے ہر صفحے کے آخری گوشے میں غالب کی منتخب غزلوں کے چار چار اشعار ہدایت خلاصت اور سلیقے سے شائع کئے گئے۔ مجموعی طور پر غالب کی ۵۳ غزلوں کا انتخاب ڈائری میں شامل ہے۔ یہ غزلیں غالب کی زندگی اور ان کے فن کے مختلف ابعاد کے رنگ و اسلوب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس طرح غالب کے فکری ارتقاء کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

غالب ڈائری - یونائیٹڈ بینک لیسٹڈ بینک بلا خوف و تردید ایک منفرد اور مثالی پیش کش ہے، جو حسن ذوق، صادقین کی فنی بصیرت اور غالب کی عظمت کے شایانہ شاہد ایک لازوال نذرانے کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گی جس کے لئے یونائیٹڈ بینک قابلِ عہد ہوا گیا ہے۔

## غالب اکادمی

دہلی - بھارت کے صدر ڈاکٹر  
ناگرمیہ نے ۱۵ فروری کو رسمی  
طور پر غالب اکادمی کا افتتاح کیا  
غالب اکادمی کی افتتاحی تقریب  
میں روس، اٹلی، برطانیہ اور کوسووا  
کے ۲۵ ماہرین علوم شریک تھے  
شرکت کی۔ ان کے علاوہ پاکستان  
کویت اور دوسرے ملکوں کے  
سفارتی نمائندے بھی اس تقریب میں شریک تھے

## غالب صدی

کراچی - ادارۃ اقبال نے "غالب کی صدی کا اہم برس" کے  
بجائے "غالب صدی" کی اصطلاح کو دفاع دیا۔ مثلاً یہ  
اصطلاح بدلت کے اخبارات میں بھی مروج ہو چکی ہے، اور  
انجمن ترقی اربعہ کے اخبارات ہمارے خیالات سے بھی "غالب  
صدی" کو مستحق قبولیت بخش دیا ہے۔ تو یہ ہے کہ غالب صدی  
کی تقریبات جو ۱۵ فروری ۱۹۷۹ء سے شروع ہونے لگی ہیں،  
پچھلے سال جاری وضع تھیں۔

اور ممتاز غلی شخصیتوں نے شرکت کی۔

## غالب، شام ہمدردیں

کراچی - غالب کی یاد میں ہمدردیشن فاؤنڈیشن  
نے کراچی، لاہور اور داد پور میں "شام ہمدرد" کا  
افتتاح دیکھا۔ فاؤنڈیشن میں میجر حفیظ نے، لاہور میں  
پروفیسر حفیظ صدیقی، قائم علی بیگم، ڈاکٹر بیات بریلوی  
مولانا غلام رسول امیر اور حکیم محمد سعید دہلوی نے۔ اور کراچی  
میں پروفیسر منور گوہر پوری، سید شمسہ، ڈاکٹر نواز  
شریف پوری، مسلم ضیائی، شام حفیظ اور وحیدہ نسیم نے غالب  
کو خراج عقیدت پیش کیا۔

## غالب غلی ستاروں کے جبرمٹ میں

بہسہ - میان کے غلی ستاروں نے غالب کا ہمدرد  
جنت جلسہ جوش و خروش سے منایا۔ ۱۵ فروری کو کراچی  
میں بھی جشن غالب کے سلسلے میں ایک رنگارنگ ہمدرد نامہ ہوا  
جس میں حبیب کار، راجندر کمار، راجیشی، علاء  
سانہ پانہ، جانی داکر، محمد رفیع اور نوشاد علی کے علاوہ کئی

## مشہور عربی شاعر سلطان کا غالب کو نذرانہ

کراچی - عربی زبان کے مشہور شاعر و عالم اور کلام  
الہی کے معروف مترجم اساذی سعدی سلطان نے عربی  
پاکستان کی فرائض پہلی بار عربی زبان میں ایک ہمدرد  
مقالہ تحریر فرمایا۔ جس میں غالب کی شخصیت وطن کا بھرپور  
جائزہ دیا گیا ہے اور فارسی اور اردو ادبیات میں اسی کے  
مقام کا تعین کیا ہے۔ آپ نے اس مقالے میں غالب کے  
بہن اشعار کا منظوم عربی ترجمہ بھی پیش کیا۔ نیز منہ شہر  
عرب شعرا سے غالب کا نذرانہ بھی کیا۔

## ڈھاکہ اور چائنگام میں غالب کی یاد

کراچی - اطلاعات کے بموجب ڈھاکہ اور چائنگام  
میں بھی غالب صدی کے موقع پر جلسے اجتماعات ہوئے،  
اور ممتاز اہل قلم نے غالب کو خراج عقیدت پیش کیا



## غالب کیٹی فٹنڈ

دہلی - خزانہ دار علی احمد

نے انکشاف کیا ہے کہ ۲۳ فروری تک مرکزی غالب کمیٹی نے تقریباً ساڑھے آٹھ لاکھ روپے جمع کئے ہیں جو کمیٹی کے اراکین کی رکنیت کے فیس اور عطیات پر مشتمل ہیں نیز مسلم ہوا ہے کہ عمارت کے لئے ہیں لاکھ روپے کی رقم حکومت

بند تے شہر کی ہے اس میں پندرہ لاکھ روپہ اس سال بنے گا اور پانچ لاکھ آئندہ سال۔

## دامرہ علم و ادب کے تین اجلاس

کراچی - نبی بخش ضیاء الدین یونیورسٹی کالج میں دوا علم و ادب نے غالب کی صد سالہ تقریبات پر صدر روزہ اجلاس منعقد کئے جن میں یحیٰی محمد گورکھ پوری، پروفیسر احمد علی، ممتاز حسین، سید حسن، جمیل جاہلی، عباس احمد عباسی، میجر امین الحسن وغیرہ نے غالب کی شاعری اور فن پر مقالے پڑھے اور حضرت جوش یحیٰ آجی، رئیس امروہی، شاعر الحق حق، مولانا الدین ظفر اور ضیاء جالندھری نے اپنا شاعری کے حوالے سے بتایا کہ وہ غالب سے کس آغاز سے متاثر ہوئے ہیں ان تقریبات کے میزبان یحیٰ اختر تھے۔

## شکاگو میں جشن غالب

شکاگو - شکاگو یونیورسٹی کے سائرس سالادیش اور یس مرزا اسد خان غالب کو مزاج عقیدت پیش کیا گیا۔ مشہور کی صدارت کرنی چند نارنگ نے کی۔ اس تقریب

## غالب پروفیسر شپ

لاہور - پنجاب یونیورسٹی نے چند ماہ قبل - غالب پروفیسر شپ - کا اعلان کیا تھا۔ حالیہ اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ اس عہدے پر پروفیسر سید وقار عظیم کو فائز کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ پروفیسر کی جگہ پر یونیورسٹی ان بھی اس مثالی اقدام کی سپرد کر دیں گے۔ احادیث انکا روح و شیر سید وقار عظیم کو اس اعزاز کے لئے دل مبارک و پیش کرتا ہے۔

۱۲ اہتمام انگریزی سماج میں محفل اور شکاگو یونیورسٹی کے جنرل ایسٹون اسٹون وٹنگ فٹنڈ کے شعبہ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ ابتدا میں پروفیسر محمد نعیم نے شعبہ اور محفل کی طرف سے شکرانے بزم کا فیصلہ مقدم کیا۔ اور غالب کے خط سے اقتباسات کے ذریعے غالب کی کہانی ان ہی کی زبان پر پیش کی۔ بعد ازاں ڈاکٹر نارنگ نے - غالب کا محبوب - کے عنوان سے ایک دلچسپ اور پراز معلومات تقریر کی۔

## پروفیسر احمد علی کے غالب کا اطالوی ترجمہ

اٹلی - پروفیسر کے مشہور ادیب پروفیسر احمد علی کے غالب پر انگریزی کتاب کا اطالوی ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔ پروفیسر مومفٹ کی انگریزی کتاب حال ہی میں اطالیہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ پروفیسر احمد علی نے کتاب کے آخر میں معتد بہ تعداد میں غالب کی غزلوں کا نہایت عمدہ اور مستند ترجمہ کے شامل کر دیا ہے۔

اطالوی زبان میں پروفیسر بوسانی کی کتاب بھی غالب پر شائع ہو چکی ہے۔

## ظ - انصاری کوڈاکریٹ

ماسکو - روس کے سابقہ نازی محقق ظ - انصاری نے روسی زبان میں عامیہ کی شخصیت و فن پر تحقیق کتاب لکھ کر پرنسپل نیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی ہے۔ روسی زبان میں غائب پر یہ پہلی کتاب ہے اور اب تک اس کی ایک لاکھ کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔

سیمیٹار میں مقیم۔

## روس میں صد سالہ تقریبات

ماسکو - مرزا غالب کا جشن صد سالہ شہادتِ ترک و اعتراف سے روس کے طول و عرض میں منایا گیا۔ ایک فقید انشائیہ تقریب ۲۵ فروری کو ماسکو میں منعقد ہوئی، جس میں روسی دانشوروں کے علاوہ دوسرے ملکوں کے اوطا اور سفرانے بھی شرکت کی۔

## خانہ فرہنگ ایران کی تقریب

کراچی - شہنشاہ ایران نے غالب کے فارسی کلیات شائع کرنے کے لئے اپنے جیب خاص سے امداد دی ہے۔ طباعت کی سہولتیں ایران کی وزارتِ فرہنگ و علم کے سپرد ہیں۔

یہ انگلش غائب صدی کی ایک تقریب ہے کیا گیا، جو ایک امانتِ ثقافتی انجمن کے زیرِ انتظام خانہ فرہنگ ایران کراچی میں منعقد ہوئی۔

## غالب اور ابوالکلام

نئی دہلی - آزاد اکادمی کراچی کے ہشتم سیمینار کی تازہ کتاب - غالب اور ابوالکلام کے اجراء کی رسم و گنجائشوں میں بابا جان غفور وقت نے اراکی، متیقہ و متیقہ کی یہ تحقیق کتاب مکتبہ شہزادہ دہلی نے غالب صدی کے سلسلے میں شائع کی ہے۔

## غالب پر بین الاقوامی سیمینار

نئی دہلی - غالب پر سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار ۱۶ فروری سے ۱۹ فروری تک وگیا نہ بھون میں منعقد ہوا۔ جس میں بھارت کے علاوہ چھ ملکوں کے اسکالروں نے شرکت فرمائی۔ اس سیمینار کا موضوع - غالب اور ان کا زمانہ - بتقریب ہوا تھا، روس سے بابا جان غفور وقت اور اسکالروں، امریکہ سے ڈاکٹر نی پیری شیل، ڈاکٹر رابین اور ڈاکٹر داؤد رہبر، ایران سے پروفیسر لطیف علی صورتگر، آئی سے پروفیسر بوسانی، برطانیہ سے پروفیسر رائف ریل تشریف لائے۔

گمانی عیدالودو نے سیمینار کا افتتاح کیا۔ بھارتی اسکالروں میں قاضی عیدالودو کے علاوہ مالک مام، استاد علی عیسیٰ، آئی احمد سرور، ڈاکٹر یوسف عیسیٰ خان، ڈاکٹر اختر دینوی، پروفیسر عبدالقادر سرور، پروفیسر مسعود حسین خان، ڈاکٹر اسلوب احمد انصاری، سید صبا الدین، عبدالرحمن، ڈاکٹر فتاح الدین احمد، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر نذیر احمد اور علی جماد زیدی نے

## تین تیل ذکر غالب نمبر

کراچی۔ غالب صدیقی کے دو دن سب سے پہلے ماہنامہ "فروغ اردو" لکھوٹے تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل میرزا غالب نمبر پیش کیا۔ اس نمبر کو مرمین شمس علوی اور سید انصار حسین رضوی نے مرتب کیا ہے اور معنی آگاہ پر ونیسرا ششام حسین رضوی نے تقریر کی ہے۔ فروغ اردو کا غالب نمبر ایک قابل قدر اور آگاہ چٹھی کٹ ہے ان گنت انصاریہ نگاروں کی تحنی ہیں۔

پاکستان میں سب سے پہلے ماہ نوے نے غالب نمبر بعد اہتمام شائع کیا۔ ماہ نوے کے مدیر اعلیٰ شایان الحق ہونہ فضل ظہور ہیں، اس نمبر میں نئے مضامین کے علاوہ وہ تمام مضامین بھی یکجا کر دیئے گئے ہیں جو ۱۰ ماہ نوے پر سالانہ فروری میں غالب کی پری پر شائع کیا کرتا تھا ماہ نوے کا غالب نمبر ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ غالب کی کتابوں

اور تحریروں کے نمونے اور متعدد تصاویر بھی مشام مل ہیں۔  
• میرزا۔ ماہ نوے کے غالب نمبر کا پہلا صفحہ

غریب صورت لائپ میں ٹاکٹر وحید قریشی اور کعب علی خان کی ادارت میں شائع ہوا ہے۔ یہ نمبر ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ۹۶ مقالات پیش کئے گئے ہیں۔

تھا جسے پر فریضہ اردو، ماہ نوے اور میرزا کی یہ خاص اشیائیں غنائی خصوصیات اور اہم تحقیقات پر مشتمل ہیں، اور اس قابل ہے کہ ہر دانشور کی انہیں محفوظ کیا جائے۔

## وفیات

کراچی۔ سالی نثار غالب صدیقی کے ابتدائی ڈھائی مہینوں میں علم ادب کی کئی درخشاں شخصیات کچھ نہیں۔ ان رنگارنگ ہادہ تھیں۔

- حکیم احمد شجاع ————— (۴ جنوری)
- شی۔ ضیٰ ————— (۱۳ جنوری)
- ڈاکٹر سلیم حامد رضوی ————— (۹ فروری)
- حبیب انور رشیدی ————— (۱۱ فروری)
- ادیب کا کوکا ————— (۴ مارچ)
- اور مشہور و معروف نویساروں کی بے شمار فہرست کے اسماء گرامی متعلقہ کتابت نہیں۔

اسی سال علامہ اقبال کے خدمت گزار علی گنجی بھی (۶ جنوری) وفات پا گئے۔

لَبَّائِكُمْ وَلَبَّائِكُمْ وَلَبَّائِكُمْ  
اور ان افکار مرمومین کے پس ماندگان سے دعا  
الہیہ عزیمت کرتے ہیں۔ انہر قوالی مرمومین کو ہمارا رحمت  
میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین !

## عناں پر

### ۴ تنقیدی ایڈیشن

نئی دہلی۔ غالب صدیقی کی قطاریات کے حروفات یہاں دیوانے خانہ، دس جہنم اور شاطیج برہان کے تنقیدی ایڈیشن صد سالہ میاں دکان طبعی کی جانب سے شائع کئے گئے۔ جن کا اہتمام ہمارے کے فکر و قلم نے کیا۔